کفارہ

طارق اسمٰعیل ساگر

پیش لفظ

''کفارہ'' لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

مجھے شدت سے اس بات کا احساس اور علم ہے کہ آپ کتنی بے تابی سے میرے کسی بھی نئے ناول کے منتظر ہوتے ہیں لیکن کوئی بھی نیا ناول بہت ریاضت اور یکسوئی کا متقاضی ہے جو گردش حالات کی وجہ سے کم از کم میرے لئے عنقا ہوتی جا رہی ہے۔

میرے جیسے ''نظریاتی ادیب'' کے لئے موجودہ انقلابی تبدیلیاں جس شدت اور تیزی سے وقوع پذیر ہو رہی ہیں' کو سمجھنا کار دارد ہے۔ شاید میں اتنی فراست نہیں رکھتا کہ اُن سرکاری وضاحتوں اور تشریحات کو سمجھ سکوں جو اس ضمن میں پیش کی جا رہی ہیں۔

میرے قارئین اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ میں نے جو بھی اور جیسا بھی لکھا ہے کبھی بے مقصد نہیں لکھا۔ میں ادب برائے ادب کی ذہنی عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا نہ ہی آپ کو مطالعے کی نشہ آور ڈوز دے کر سلانا میرا مقصود ہے۔

میں نے ایمانداری سے ایک پاکستانی مسلمان ہونے کے ناطے ملک کو درپیش اندرونی اور بیرونی سازشوں اور ممکنہ تباہ کاریوں کو اپنا موضوع بنایا ہے اور اپنی فہم و فراست

کے مطابق اُن سازشوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے جو ہمیں درپیش ہیں۔

ان کوششوں میں کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی؟ اس سوال کا جواب آپ لوگ بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور میں بھی کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس مملکت خداداد میں اپنے فن کی قدر و قیمت وصول کرنے کے لئے وہ نہیں لکھا جاتا جو میں لکھتا ہوں لیکن میں خود کو اور آپ کو دھوکہ دینے کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔

اب جب کہ ''حب الوطنی'' کے معنی تبدیل ہو گئے ہیں۔ جانثاری اور جاں سپاری کے معیار بدل گئے ہیں اور ہر نیا دن ان الفاظ کی نئی تعریف اور تشریح لے کر طلوع ہو رہا ہے تو مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ دراصل اس آزمائش سے سرخرو ہونا ہی ہمارا مقصد حیات ہے۔ مجھے ایسے سینکڑوں سوالات کے جوابات دینے پڑتے ہیں جو مجھ سے متعلق تو نہیں ہوتے لیکن میرے محبت کرنے والے مجھ سے جاننا چاہتے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے بھارت کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے اپنی کسی پریس کانفرنس میں کہا تھا ''اگر کسی نے پاکستانیوں کی دوستی کا معیار پرکھنا ہو تو طالبان سے پوچھ لو کہ یہ کیسے دوست ہیں؟''

ہماری انقلابی پالیسیوں اور ''جہاد اکبر'' پر ایسا بھرپور تبصرہ شاید ہی کوئی اور کر سکے۔ ایسے کئی سوال بھارتی قیادت سے بھی کئے جا سکتے ہیں۔ دشمن تو بُرا ہی ہوتا ہے اُس سے خیر کی توقع رکھنا تو احمقوں کی جنت میں رہنے والی بات ہے..... لیکن ہمیں اپنے ضمیر سے ضرور اس سوال کا جواب مانگنا ہے۔ دُکھ تو اس بات کا ہے کہ ہم اب ''اچھے دشمن'' بھی بن رہے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم کرے۔

طارق اسمٰعیل ساگر

جنوری 2004ء

لاہور

کھٹمنڈو کے اس بازار میں اس کی آمد کوئی نئی بات نہیں تھی۔ تین سال پہلے بھی وہ یہاں ہائی کمیشن میں معمول کے فرائض انجام دے چکا تھا یہ الگ بات کہ سات ماہ قیام کے بعد اچانک ہی اس کا تبادلہ مڈل ایسٹ میں ہو گیا تھا اور اسے اگلی منزل کی طرف رخت سفر باندھنا پڑا۔ اب تین سال بعد ایک مرتبہ پھر وہ نیپال کے پاکستان ہائی کمیشن میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔

اس مرتبہ روانگی پر نعمان کو بطور خاص بریفنگ دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ اب حالات وہ نہیں جو تین سال پہلے تھے کیونکہ گزشتہ تین سالوں میں حالات نے اتنی تیزی سے پلٹا کھایا تھا کہ بہت کچھ الٹ پلٹ کر رہ گیا تھا۔

گردش حالات نے جیسے بھارتی ایجنسیوں کے لئے خود بخود سے راہ ہموار کر دی تھی۔ اس سے پہلے تو انہیں نیپال میں کوئی بھی آپریشن کرنے سے پہلے شاید اخلاقی طور پر ہی متعلقہ حکومت کو آگاہ کرنے کی زحمت کرنی پڑتی تھی لیکن اب معاملہ اس سے آگے نکل گیا

تھا۔ کھٹمنڈو سے انڈین ایئر لائن کا جہاز اغوا ہونے کے بعد سے گویا بھارتی حکومت کو ایک ایسا بہانہ ہاتھ لگ گیا تھا جس کو وہ جب اور جیسے چاہئیں اپنے حق میں استعمال کرتے تھے۔

اب انہیں نیپال میں داخلے کے لئے معمول کی اجازت بھی درکار نہیں تھی بھارتی ایجنسیاں جب چاہتیں بین الاقوامی سرحدوں کا تقدس پامال کرتے ہوئے دندناتی ہوئی نیپال میں گھس جاتیں اور اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے میں حائل کسی بھی رکاوٹ کو خاطر میں لائے بغیر کامیابی سے اپنا اپریشن مکمل کر لیتیں!

''میں جانتا ہوں تمہارے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں''

کرنل حامد نے اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''لیکن اب یہ لوگ بہت اونچا اڑنے لگے ہیں..... شومئی قسمت یا پھر اس خطے میں تیزی سے آنے والی تبدیلیوں نے ان کے حوصلے بہت بڑھا دیئے ہیں..... میں تمہیں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں نعمان! کہ بھارتی سرحد کے ساتھ واقع بیشتر کمزور اور چھوٹے ممالک نے ذہنی طور پر بھارت کو ''سپر پاور'' کا درجہ دے رکھا ہے..... ''منی سپر پاور'' اور وہ اپنی اس برتری کو اپنے حق میں ہر طرح استعمال کرتے ہیں..... وہاں کھٹمنڈو میں وہ اتنی ہی آزادی سے اپنا کام کرتے ہیں جتنی آزادی سے دہلی میں.....''

انہوں نے اپنی بات مکمل کر کے دوبارہ قریباً ٹھنڈی کافی کا گھونٹ بھرا۔

''میرے لئے یہ بہر حال پرانی خبر ہے سر! میں کوشش کروں گا کہ ہمارا کوئی براہ راست ٹکراؤ نہ ہو..... لیکن ایسا ناگزیر ہوا تو میرے لئے شاید لگے بندھے اصولوں کی پابندی ممکن نہ رہے.....''

نعمان نے حسب عادت کرنل حامد کی بات کو سیریس نہیں لیا تھا۔

''But..... میں پھر بھی یہی چاہوں گا کہ تمہاری وجہ سے وزارت خارجہ کے لئے کوئی نیا مسئلہ کھڑا نہیں ہونا چاہئے!''

کرنل حامد نے اپنی دانست میں فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔

''میری کوشش ہوگی سر کہ کوئی پھڈا نہ ہو''.....

نعمان نے کرنل کا موڈ خراب کرنا مناسب نہیں جانا۔

''ٹھیک ہے مجھے بھی تم سے یہی امید رکھنی چاہئے''.....

کرنل حامد نے خلاف عادت مسکرانے کی کوشش کی تھی!

☆☆☆

بریفنگ روم سے باہر آ کر نعمان نے لمبا سانس لیا۔ اس کے لئے سب سے تکلیف دہ مرحلہ یہی ہوتا تھا جب اسے نصیحت آموز قسم کی بریفنگ کا سامنا ہوتا۔ وہ دشمن سے دشمن کی زبان میں بات کرنے کا قائل تھا..... لیکن یہاں صورتحال مختلف تھی..... شاید اس کے سینئر اس کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اسے وقتاً فوقتاً ایک آدھ ''ڈوز'' اس نوعیت کی بریفنگ کی دے دیا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس طرح شاید نعمان کو ''کول ڈاؤن'' رکھا جا سکتا ہو.....

ایسا نہیں تھا کہ نعمان کوئی سر پھرا ہو.....!

دوران تربیت اس کا شمار اپنے گروپ کے پہلے تین لڑکوں میں ہوتا تھا۔ اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں ہم وزن تھیں۔ کیا مجال جو کبھی اس نے اپنے کسی انسٹرکٹر کی خود سے متعلق تیار کردہ بیلنس رپورٹ بگڑنے دی ہو..... کاؤنٹر انٹیلی جنس میں اس کی کامیابیاں مثالی تھیں۔ تمام سفارتی آداب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس نے حیرت انگیز حد تک شاندار نتائج حاصل کئے تھے اور ''را'' کو پاکستان میں ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر دیا تھا..... اس کی ان ہی صلاحیتوں کو دیکھنے کے بعد اس کا انتخاب ایکسٹرنل (External) کے لئے کیا گیا تھا۔

پہلی پوسٹنگ ہی اسے دہلی میں ملی تھی.....

اپنے قیام بھارت کے ڈیڑھ سال میں اس نے ثابت کر دکھایا تھا کہ اس کا کوئی بھی عمل جذباتی نہیں ہوتا اور وہ اپنی تربیت کے عین مطابق ہاتھوں سے انتہائی کم اور ذہن

سے بہت زیادہ کام لینے کا قائل ہے۔

دہلی میں اس کا قیام اس کی زندگی کا پہلا لیکن ناقابل فراموش تجربہ تھا جس نے اسے شدت سے اس بات کا قائل کر دیا کہ جس دشمن سے اس کا سامنا ہے وہ سفارتی آداب سے قطعی نابلد اور بغیر کسی ہچکچاہٹ سے محض اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لئے غیر سفارتی، غیر آئینی اور غیر اخلاقی حرکت کرنے کا عادی ہے..... خصوصاً آخری دنوں میں ہونے والے حادثے نے تو اسے یقین دلا دیا تھا کہ دشمن کو اس کی زبان میں جواب دینا ہی بہترین حکمت عملی ہے۔

اسے نروپا اب تک نہیں بھولی تھی.....

خود کو آرٹ کی ٹیچر بتانے والی نروپا نے اپنی پہلی ہی ملاقات میں اسے ایسے ایسے ''نرت بھاؤ'' دکھائے تھے جن سے کسی بھی نوجوان کا ڈھیر ہو جانا کوئی اچھنبے کی بات نہیں تھی..... لیکن نروپا اور اس کے ڈیسک انچارج اشیش کمار دونوں ہی دھوکہ کھا گئے!!

اشیش کمار ''را'' کے مقامی (DET) ڈٹ کا انچارج اور ایجنسی کے نزدیک ''سرمایے'' کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے جب اپنے پیشرو سورج بھان سے چارج لیا تو بھان نے بطور خاص نعمان کی فائل اس کے سامنے رکھتے ہوئے اپنی دانست میں اسے ''ٹپ'' دی تھی۔

''اس بٹیرے کو پھانس لو ساری زندگی کی روٹیاں ہیں''.....

بھان نے مسکراتے ہوئے بڑی مکاری سے اپنی بائیں آنکھ دبا کر اپنی بات میں شدت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''نو پرابلم''.....

اشیش کمار نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے فائل ایک طرف رکھ دی۔ اس نے محض ایک طائرانہ سی نظر میں نعمان کی تصویر اور ''را'' میں اس کے متعلق موجود تفصیلات پر ڈالی تھی۔

''اتنا Easy 'ایزی' نہ لینا اسے.....''

بھان قدرے سیریس ہو کر بولا۔

''ارے چھوڑو یار..... تم لوگوں نے تو انہیں کچھ زیادہ ہی سر پر نہیں چڑھا رکھا''.....

اشیش نے بے نیازی دکھائی۔

''دیکھو اشیش! میں جانتا ہوں تمہارا ''ٹریک ریکارڈ'' بہت اچھا ہے..... ''کمپنی'' والے تمہیں بہت مانتے ہیں..... میں تمہاری عزت کرتا ہوں..... لیکن پاکستانیوں سے ڈیل کا تجربہ میرا تم سے بہرحال زیادہ ہے''.....

بھان کو اشیش کا یہ انداز اچھا نہیں لگا تھا۔ گو کہ وہ ہم مرتبہ تھے لیکن وہ بہرحال اشیش سے پانچ سال سینئر تھا..... اگر اشیش کے باپ کی طرح اس کے باپو بھی بیوروکریسی میں کوئی سیکرٹری لیول کی توپ نہیں تھے تو یہ اس کا قصور نہیں تھا..... شاید یہی بڑا فرق تھا دونوں کے درمیان۔

''مسٹر سورج بھان صرف تجربہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا..... کچھ اس کا بھی دخل ہوتا ہے کام کاج میں''.....

اس نے دائیں ہاتھ کی انگلی اپنے سر پر مارتے ہوئے طنزیہ انداز اپنایا۔

سورج بھان سمجھ گیا تھا کہ اب یہ سیکرٹری کا بیٹا اس سے بدتمیزی پر اتر آیا ہے اور وہ اپنے غریب خاندانی پس منظر کی وجہ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا..... اس نے اشیش کی بات کا جواب دینے کے بجائے زبردستی مسکراتے ہوئے اس کی طرف الوداعی ملاقات کا ہاتھ بڑھایا۔

"Wish you All the Best".....

سورج بھان نے کہا اور اپنا رخ موڑ کر چل دیا۔ دروازے سے نکلنے سے پہلے اس کے کانوں سے اشیش کی زہریلی آواز ٹکرائی تھی۔

''مسٹر بھان میں نے اس چیلنج کو قبول کر لیا ہے.....اور جلد ہی آپ سے مبارکباد وصول کرنے آؤں گا''.....

سورج بھان نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے ایک گالی دے کر اپنی دانست میں اپنا حساب برابر کر دیا تھا لیکن اس کو ایک عجیب سی بے کلی ہمیشہ لگی رہی۔

☆☆☆

نروپا رائے نے تین ماہ پہلے ہی اپنی تربیت مکمل کی تھی اور اب وہ جونیئر آفیسر کی حیثیت سے اشیش کی ماتحتی میں آئی تھی.....

اگلے ہی روز اشیش نے اسے اپنے آفس میں طلب کیا تھا۔ نروپا کے لئے یہ طلبی حیران کن تھی کیونکہ ڈائریکٹر کا اسے براہ راست بلانا خلاف ''پروٹوکول'' تھا.....لیکن اب خوش فہمی اس کو حوصلہ بھی دلا رہی تھی کہ اپنے گروپ میں کم از کم اس سے زیادہ حسین اور سمارٹ لڑکی اور کوئی نہیں۔ حسن اسے اپنی ماں کی طرف سے ملا تھا اور سمارٹنس کا راز اس کی کلاسیکل ڈانس میں جنون کی حد تک دلچسپی تھی..... بلاشبہ وہ بہترین ڈانسر تھی۔ کالج اور ڈسٹرکٹ کی سطح پر اس نے اتنے ایوارڈز حاصل کئے تھے کہ اس کے گھر کا شاید ہی کوئی کمرہ خالی دکھائی دیتا تھا۔

''را'' میں اس کی آمد گو کہ حادثاتی تھی لیکن نروپا نے اسے دل و جان سے قبول کیا تھا۔ اس نے پولیس سروسز کے لئے اپلائی کیا تھا۔ تحریری، ذہنی اور زبانی امتحانات کے کئی مراحل طے کرنے کے بعد جب اسے بتایا گیا کہ اس کی خدمات ''خفیہ پولیس سروسز'' کے لئے مناسب سمجھی گئی ہیں تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ جاسوسی ناول اس کی ہمیشہ سے کمزوری رہے تھے اور ہالی وڈ کی شاید ہی کوئی جاسوسی اور مار دھاڑ والی ایسی فلم ہوگی جو اس نے نہ دیکھی ہو۔

درجنوں فارم پر کرنے اور تفتیش و تحقیق کے تکلیف دہ مراحل سے گزرنے کے بعد بالآخر ایک دن اسے ''را'' کی اکیڈمی Join کرنے کے احکامات مل گئے۔ اپنی ڈیڑھ

سالہ تربیت میں اس نے خود کو ''بہترین'' ثابت کیا تھا۔ جاسوسی اور انٹیلی جنس دونوں میدانوں میں اس نے اپنے انسٹرکٹرز کو متعدد ''سرپرائز'' بھی دیئے تھے۔

ٹریننگ کے خاتمے پر اسے Counter انٹیلی جنس کے لئے منتخب کیا گیا اور بطور خاص اس شعبے میں بھیجا گیا جو بھارت کے دشمن ملک پاکستان کو ڈیل کرتا تھا۔ ابھی تک اس نے معمول کی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ پاکستان کے سفارت کاروں کی نگرانی اور تعاقب تک ہی محدود تھی لیکن اس نے خلاف توقع رزلٹ دیے تھے۔

اشیش کمار نے نروپا رائے کا انتخاب یوں ہی نہیں کیا تھا.....

ساری رات وہ اپنے ڈٹ (Det) کی لڑکیوں کی فائلوں کا مطالعہ کرتا رہا تھا اور رات کے آخری مراحل میں اس نے نروپا رائے کو ''حاصل مواد'' میں بہترین پایا تھا.....!

یہ بات وہ جانتا تھا کہ پاکستانی ہائی کمیشن کے سفارت کار نعمان کا انتخاب کسی خاص وجہ کی بجائے محض اس مفروضے پر کیا گیا تھا کہ وہ ابھی ''نیا'' تھا.....اور ''را'' اپنے ماضی کے تجربات کی بنیاد پر ''نئے لوگوں'' پر طبع آزمائی کو ہمیشہ زیادہ مناسب سمجھا کرتی تھی۔.....

سورج بھان کو بھی تین روز پہلے ہی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے نعمان کی فائل سونپی گئی تھی اور اس نے اب تک اس کے متعلق بنیادی معلومات ہی اکٹھی کی تھیں.....!

''گدھا''.....

اشیش کمار نے سورج بھان کی طرف سے دی گئی نعمان کی فائل کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے پیشرو پر ''کمنٹس'' دیے.....کیونکہ تین دنوں میں اس نے ڈھنگ کی ایک بات کا بھی پتہ نہیں لگایا تھا۔ اس فائل میں صرف وہ باتیں لکھی تھیں جو وزارت خارجہ اور وزارت داخلہ میں موجود نعمان کی فائل سے ملی تھیں اپنے طور پر ابھی سورج بھان نے اس کیس پر کام شروع نہیں کیا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچنے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر نروپا رائے کی فائل کا

مطالعہ کیا اپنے سامنے دھرے کمپنی کے ''ماسٹر کمپیوٹر'' سے اس کا مکمل جغرافیہ معلوم کیا اور حیرت انگیز طور پر اپنے سیکرٹری کے ذریعہ اسے طلب کرنے کے بجائے براہ راست اس کی میز پر دھرے ''انٹرکام'' پر اسے مخاطب کیا۔

نروپا رائے نے جب ''ھیلو'' کہہ کر ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے ڈائریکٹر صاحب نے اپنا تعارف کروایا تو ریسیور اس کے ہاتھوں سے گرتے گرتے بچا۔

''یس سر۔''

اس نے اپنے خشک ہونٹ اپنی زبان سے تر کئے۔

''میرے کمرے میں آجاؤ''.....

دوسری طرف سے مختصر حکم کے ساتھ ہی اشیش نے فون رکھ دیا۔

نروپا اب باقاعدہ گھبراہٹ کا شکار تھی..... اسکے چہرے کے بدلتے تاثرات کو اس کی میز کے سامنے بیٹھے انسپکٹر کامنی نے اگلے ہی لمحے نوٹ کرلیا.....

''خیریت''.....

اس نے گھبرائی ہوئی نروپا سے پوچھا۔

''میڈم آپ کو شاید یقین نہ آئے..... مم مجھے نہیں آرہا..... But یہ سچ ہے کہ مجھے ڈائریکٹر صاحب نے طلب فرمایا ہے''.....

نروپا جانتی تھی انسپکٹر کامنی دل کی بہت اچھی اور اس کی ہمدرد میڈم ہے.....

''Really''.....

کامنی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''Obviously Yes''.....

نروپا نے بڑا زور دے کر دو الفاظ کہے۔

''ویل ڈن۔ گڈ لک''.....

کامنی اس سے زیادہ کچھ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتی تھی کیونکہ اس کے دل و دماغ

نے اسے ایک ہی بات سمجھائی تھی کہ بالآخر نروپا کا سراپا اس کے کام آگیا۔ اسے ابھی تک اس بات کی حیرت رہی تھی کہ نروپا رائے جیسی حسین اور سیکسی لڑکی کسی اعلیٰ افسر کی دسترس سے کیسے بچی ہوئی ہے۔

جو بات کامنی نے سوچی تھی۔ وہی نروپا کے دل نے بھی اسے سمجھائی تھی۔ ایسا ممکن نہیں تھا کہ کوئی اس کے تیر نظر کا گھائل نہ ہو۔

وہ یہاں سے اٹھ کر پہلے واش روم میں گئی تھی جہاں اس نے اپنے بٹوے سے لپ سٹک نکال کر اپنے ہونٹوں پر جمی خون رنگ سرخی کو مزید گہرا کیا..... پھر آنکھوں اور سارے جسم کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد قدرے مطمئن ہوکر ڈائریکٹر صاحب کے کمرے کی طرف گئی تھی.....

''پروٹوکول'' کے مطابق اس نے براہ راست کمرے میں جانے کے بجائے پی اے کو رپورٹ کی تھی۔ جس کے لئے یہ اطلاع کسی دھماکے سے کم نہیں تھی کہ ڈائریکٹر اشیش کمار نے اسے انٹرکام پر براہ راست حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔

''کان تو صحیح ہیں ناں تمہارے''

بوڑھے پی اے نے اسے قریباً جھاڑتے ہوئے پوچھا۔

نروپا کو غصہ تو آیا لیکن وہ سنبھل گئی کیونکہ پی اے کی ناراضگی کا خطرہ وہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

''آف کورس سر''.....

اس کے لئے اپنے لہجے کی کڑواہٹ پر قابو پانا ممکن نہیں رہا تھا۔

پی اے کو پریشانی لاحق تھی کہ وہ ڈائریکٹر صاحب کو اس کی آمد کی اطلاع دے یا نہ دے۔ ایک معمولی سی آفیسر نے اسے کہا تھا کہ ڈائریکٹر نے طلب کیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر ایسا ناگزیر ہی تھا تب بھی وہ براہ راست اسے بلا ہی نہیں سکتا..... ایسا ماضی میں کبھی نہیں ہوا.....

لیکن ماضی میں اس کا واسطہ کبھی ایسے آفیسر سے پڑا بھی تو نہیں..... بوڑھے پی اے نے سوچا کیونکہ دو دنوں کی ماتحتی نے پی اے سے ایک بات اچھی طرح باور کروادی تھی کہ اشیش کمار کو اپنے پیشرو افسروں کے برعکس چمچہ گیری سے سخت نفرت ہے اور وہ پریشان کن حد تک ٹیڑھا آفیسر ہے۔ نجانے کب کیا کر گزرے؟

دو تین منٹ تک شش و پنج میں مبتلا رہنے کے بعد وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا ''صاحب'' کو اطلاع دے یا نہ دے کم از کم نروپا رائے اتنی باہمت نہیں تھی کہ اس کے سامنے جھوٹ بولتی کہ انٹر کام کی گھنٹی بجی۔

''یس سر''.....

اس نے مستعدی سے فون اٹھاتے ہوئے کہا

''تمہارے پاس نروپا رائے موجود ہے''.....

ڈائریکٹر صاحب نے پوچھا۔

''یس سر''

پی اے کچھ گھبرایا۔

''کتنی دیر سے''

کرخت لہجے میں سوال ہوا۔

''سر! ابھی آئی ہے''.....

پی اے مزید گھبرا گیا۔

''تم کچھ زیادہ بوڑھے ہو گئے ہو درگا داس''

اشیش کمار کا لہجہ طنزیہ کاٹ کھانے والا تھا۔

''میں سمجھا نہیں سر!''

''بے وقوف میں نے پانچ منٹ پہلے اسے کال کیا تھا..... تمہارے ساتھ کیا جھک مار رہی ہے..... اندر بھیجو اسے.....''

انہوں نے غصے میں ڈانٹتے ہوئے فون بند کر دیا۔

''یس سر''.....

پی اے نے کپکپاتے ہاتھوں سے فون رکھا۔

''مس نروپا رائے آپ کو بتانا چاہئے تھا کہ صاحب نے ابھی بلایا ہے فوراً.....''

اس نے اپنے تجربے اور عادت کے مطابق سارا ملبہ نروپا رائے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو آپ سے یہی کہا تھا انکل.....''

نروپا بھی جان گئی کہ کیا گڑبڑ ہے.....

''او۔ کے آپ تشریف لے جائیں۔ صاحب منتظر ہیں..... اور ہاں پلیز انہیں یہی بتائیے کہ آپ ابھی آئی ہیں''.....

اس نے آخری فقرہ بڑے ملتجی لہجے میں کہا تھا۔

نروپا کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بے بسی پر ہنسی آ گئی اور وہ مسکراتے ہوئے ہی ''صاحب'' کے کمرے میں داخل ہوئی تھی.....

☆☆☆

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے ایڑیاں بجا کر آداب کہا اور اشیش کمار کی طرف متوجہ ہوئی جو کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ دوران گفتگو اس نے ہاتھ کے اشارے سے نروپا کو سامنے بیٹھنے کے لئے کہا۔

نروپا شکریہ ادا کرتی اس کی میز کے سامنے آرام دہ کرسیوں میں سے ایک پر براجمان ہو گئی۔ اس دوران وہ کنکھیوں سے کمرے کا جائزہ لیتی رہی۔ اب فون رکھ کر وہ نروپا رائے سے مخاطب تھا۔

''میں نے تمہیں اپنے کمرے میں طلب کیا تھا''.....

خلاف توقع سوال نے نروپا کو گڑبڑا کر رکھ دیا۔

''سر! مم میں..... میرا مطلب ہے سر! مم میں اس طرح براہ راست.....''

''ڈیم اٹ..... کیا میں میں لگا رکھی ہے۔ یہ کوئی بیوروکریسی کا آفس نہیں..... ہم سب پریکٹیکل لوگ ہیں..... آئندہ میرے بلانے پر پی اے کے پاس جانے کی ضرورت نہیں..... Anyway کیا پیو گی تم چائے یا کافی.....''

آخری فقرے نے جہاں نروپا کے کسے ہوئے اعصاب ڈھیلے کر دیے وہاں اسے یہ بھی علم ہو گیا کہ یہ ذرا مختلف قسم کا ''باس'' ہے۔

''کافی سر''

اس نے فوراً ہی کہہ دیا حالانکہ عام حالات میں وہ کافی کم ہی پیتی تھی۔

اشیش کمار نے فون پر کافی لانے کا حکم دیا اور اب وہ اس سے مخاطب تھا۔

''مس نروپا رائے! ہم لوگ اس ڈیپارٹمنٹ میں خصوصاً میرے آفس میں کلرکی کرنے نہیں آئے۔ میں خود پریکٹیکل بندہ ہوں اور ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہوں..... میں نے آپ کا ریکارڈ دیکھا ہے..... ونڈرفل..... شاندار! لیکن آپ یہاں بیٹھ کر کلرکی کر رہی ہیں یہ اچھی بات نہیں''.....

''سر! ہم تو آفیسرز کے تابع ہیں!''

نروپا نے ہمت کی۔ وہ ابھی تک سمجھ رہی تھی کہ اشیش کمار نے فائل والی بات روٹین میں کہی ہے ضرور اصلیت وہی ہے جس کا اس نے اندازہ لگایا تھا۔

''مجھے ماضی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے..... میرے ساتھ وہی لوگ چل سکتے ہیں جو کام کریں گے۔''

اشیش کمار نے فون کی گھنٹی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''مائی پلیئر سر!''

نروپا نے حوصلہ پکڑا۔

''مس رائے یہ تصویر دیکھو.....''

اس نے نروپا کے سامنے نعمان کی تصویر پھینکی۔

''یس سر۔ دیکھ لی سر!''

نروپا نے تصویر کا بھرپور جائزہ لے کر کہا۔

''یہ ہائی کمیشن کا آفیسر ہے۔ پرسوں سری لنکا ایمبیسی کی تقریب میں اس نے شرکت کرنی ہے۔ جہاں تم بھی شریک ہو رہی ہو..... تمہارا نام نروپا رائے ہی ہے اور تم دلی کے ڈانسنگ ودیالے (سکول) کی ٹیچر ہو..... چونکہ یہ تقریب بھی ''کتھا کلی'' کے حوالے سے ہو رہی ہے لہٰذا تمہیں بھی وہاں مدعو کیا گیا ہے..... یہ ہے وہ سکول جہاں تم ٹیچر ہو.....''

اس نے یہ کہتے ہوئے ایک کاغذ پر لکھا ایڈریس اس کی طرف بڑھایا۔ یہ وہی سکول تھا جہاں سے نروپا رائے نے کلاسیکل ڈانس کی تربیت حاصل کی تھی۔ وہ اپنے ''باس'' کے ''شاندار ہوم ورک'' پر دل ہی دل میں اسے داد دے رہی تھی۔

''یس سر''۔ دوبارہ متوجہ ہوتے ہوئے نروپا نے کہا۔

''سکول کی پرنسپل سے مل لینا۔ اسے بریف کر دیا گیا ہے..... مس نروپا رائے میں چاہتا ہوں کہ تم مسٹر نعمان کو (Cultivate) کرو.....''

اس نے شکار پھانسنے کے لئے انٹیلی جنس کی مخصوص اصطلاح استعمال کرتے ہوئے اسے ہدایت کی۔

''او۔ کے سر!''

نروپا خود کو کا خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اس کے ''باس'' نے ایک اہم مشن کے لئے اس جیسی ''جونیئر آفیسر'' کا انتخاب یوں ہی نہیں کیا تھا۔

''میں اپنے ماتحتوں کو چانس Chance ضرور دیا کرتا ہوں مس رائے! یہ میرا اصول ہے لیکن مجھے ہر صورت پازیٹو رزلٹ چاہئے..... یہ بھی میرا اصول ہے''.....

اس نے اچانک ہی بدلے ہوئے لہجے میں بات کی تو نجانے کیوں نروپا رائے کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کا احساس ہوا۔

''I will do my best Sir'' (میں انتہائی کوشش کروں گی جناب)

اس نے سنبھل کر جواب دیا۔

''No No'' اشیش کمار نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''یہ کوشش کا لفظ مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا..... ہم پروفیشنل لوگ ہیں مس رائے..... ہمیں اس بات کی تربیت دی گئی ہے اور ایسا کرنا ہمارا فرض ہے..... مس رائے ہمیں یہاں پازیٹو رزلٹ پروڈیوس (Produce) کرنے کی تنخواہ ملتی ہے..... کوشش کرنے کی نہیں.....''

نروچند ثانیے کو ضرور گھبرائی لیکن پھر سنبھل گئی۔ وہ اس شاندار چانس کو ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''I will do it sir'' (میں ضرور کروں گی سر)

اس نے بڑے اعتماد سے کہا

''Good! شاباش! This way!'' یہی پسند ہے مجھے.....''

وہ مسکراتا ہوا نارمل موڈ میں آ گیا۔

اب وہ نعمان سے متعلق دستیاب معلومات نروپا رائے تک منتقل کر رہا تھا جو بڑے غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔

قریباً پون گھنٹے بعد جب وہ سارا آپریشن اور اس کی پلاننگ طے کر کے کمرے سے برآمد ہوئی تو بوڑھے پی اے نے کھڑے ہو کر اس کو تعظیم دی تھی۔ اس نے اپنی تیس سالہ سروس میں ایسا ''چمتکار'' نہیں دیکھا تھا..... پون گھنٹہ تک ڈائریکٹر صاحب کے کمرے میں جونیئر آفیسر نروپا رائے کا رکنے کے بعد اس حالت میں واپس آنا اس کی سمجھ سے بالاتر تھا.....

''بڑا عجیب آدمی ہے سالا۔''

اس نے دل ہی دل میں کہا اور دوبارہ ٹائپنگ میں مصروف ہو گیا۔

.....☆.....

سارک کانفرنس کے کسی کلچرل پروگرام کے تحت منعقدہ سری لنکن ایمبیسی کی اس تقریب میں پاکستان کی طرف سے جو وفد نمائندگی کر رہا تھا اس میں ہائی کمیشن دلی کے کلچرل اتاشی کے نائب کی حیثیت سے نعمان کو شریک ہونا تھا۔ مقررہ وقت پر وہ لوگ ہائی کمیشن کی عمارت سے نکلے تو انہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ معمول کے مطابق ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ ان کی پرائیویسی محفوظ رہی ہو۔ جب کبھی سفارتی سطح پر وہ شکایت کرتے تو بھارتی وزارت خارجہ کی طرف سے رٹا رٹایا جواب مل جاتا کہ ان کی سلامتی اور حفاظت کے پیش نظر نگرانی کی جاتی ہے۔

تقریب کی ثقافتی نوعیت کی وجہ سے یہاں بھارت کے بڑے بڑے فنکار اور فنکارائیں موجود تھیں جن میں نروپا رائے بھی شامل تھی جو نعمان سے پہلے ہی وہاں موجود تھی۔ آج جن رقاصاؤں نے یہاں رقص پیش کرنا تھا ان میں غالب تعداد اس کلاسیکل سکول کی طالبات کی تھی جہاں نروپا رائے ''ٹیچر'' تھی۔

''شاید آپ کو میری طرح سگریٹ کے دھویں سے الرجی ہے۔''

نروپا نے اس کے اتنے نزدیک آ کر یہ فقرہ کہا تھا کہ اس کے بدن سے لپٹی ساری خوشبوئیں نعمان کے رگ و پے میں سرایت کر گئیں۔

''جی ہاں! جی ہاں''

وہ اور کیا کہتا۔

''اصولی طور پر تو سموکنگ ایریا الگ ہونا چاہئے..... دیکھئے ناں آخر ان لوگوں کا کیا گناہ ہے جو نان سموکر ہیں''

نروپا نے پہلے سے زیادہ بے تکلفی سے اگلی بات کی۔

''یہ تو ہے''.....

نعمان نے پھر مختصر سا جواب دیا۔

''اوہ مائی گاڈ! میں نے آپ کا شبھ نام نہیں پوچھا او..... آئی ایم سوری''

اس نے کچھ ایسے عجیب اور دلربا لہجے میں یہ بات کی تھی کہ نعمان کے لئے اسے نظر انداز کرنا اب شاید ممکن نہیں رہا تھا۔

''نعمان نام ہے میرا..... پاکستان ہائی کمیشن میں کلچرل اتاشی کو اسسٹ کرتا ہوں''

اس نے بڑی توجہ سے جواب دیا۔

''میں نروپا رائے..... ڈانسنگ ٹیچر ہوں۔ دلی کلاسیکل سکول میں۔ میری دو شاگردیں ''کتھاکلی'' ناچ رہی ہیں''

اس نے اپنا خوشبو میں لپٹا بازو نعمان کی طرف بڑھایا جس نے کسی ''معمول'' کی طرح اس کا ہاتھ تھام لیا تھا..... شاید نروپا کو یہی کچھ چاہئے تھا۔ اس نے نعمان کا ہاتھ گرم جوشی سے دباتے ہوئے کہا..... ''بہت خوشی ہوئی ہے مجھے آپ سے مل کر..... میرا تو بہت من چاہتا ہے پاکستان جانے کو..... مجھے ہڑپہ اور موہنجوداڑو میں بہت دلچسپی ہے..... بہت

من ہے میرا وہاں جانے کے لئے.....''

اس نے بمشکل دو منٹ میں ٹیکسلا، موہنجوداڑو اور ہڑپہ سے متعلق اتنی باتیں نعمان سے کہہ ڈالیں کہ اب نعمان کے لئے اسے نظر انداز کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔

''بہت Rich نالج ہے آپ کا''.....

اس نے بے ساختہ داد دیتے ہوئے کہا۔

''دھنوآر''.....

نروپا رائے نے پیشہ ور ڈانسرز کی طرح قریباً کورنش بجالاتے ہوئے شکریہ ادا کیا تو نعمان کو جھٹکا لگنے کا احساس ہوا۔

دونوں قریباً دس منٹ تک باہر کھڑے گفتگو کرتے رہے اس دوران ایک ''موو ویٹر'' انہیں سافٹ مشروبات وہیں پہنچا گیا تھا۔ نعمان نے اس بات کا خاص نوٹس اس لئے بھی نہ لیا کہ وہاں بالکونی میں کچھ اور لوگ بھی کھڑے باتیں کر رہے تھے جو شاید اس کی طرح گھبرا کر باہر آ گئے تھے۔

''لگتا ہے آپ کو بھی کلچر سے لگاؤ ہے؟''

نروپا نے پیش رفت کی۔

''ہاں..... کیوں نہیں..... میں کلچرل اتاشی کو اسسٹ کرتا ہوں۔''

بے ساختہ نعمان نے کہہ دیا۔

''اور پاکستان میں تو ڈانس وغیرہ شاید اچھا نہیں سمجھا جاتا''

نروپا نے کہا۔

''ارے نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں..... ہمارے ہاں بہت اچھے کلاسیکل رقص کرنے والے موجود ہیں''۔

اس نے پاکستانی اخبارات میں پڑھے ہوئے تین چار نام اس کے سامنے دہرا دیے۔

''پلیز آپ ہمارے دیالے میں ضرور آیئے گا..... مجھے بہت خوشی ہوگی''.....

نروپا نے اپنا کارڈ پیش کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں..... کیوں نہیں..... مجھے بہت خوشی ہوگی آپ کے ہاں آ کر''.....

نعمان نے کارڈ پر پھسلتی ہوئی نظر ڈال کر اسے جیب میں رکھ لیا پھر اپنا پرس نکال کر اپنا کارڈ نکال کر اسے پیش کر دیا اور ہائی کمیشن آنے کی دعوت بھی دے دی۔

نروپا کے لئے اس لمحے اپنے جذبات پر قابو پانا قریباً ناممکن ہو رہا تھا لیکن وہ جانتی تھی پہلے ہی مرحلے میں اس نے کتنا لمبا فاصلہ پھلانگ لیا ہے..... وہ دل ہی دل میں ان لمحات کے تصور سے لطف اندوز ہو رہی تھی جب وہ اپنے باس اشیش کمار کو بتاتی کہ اسے ''سبجیکٹ'' Subject نے پاکستان ہائی کمیشن آنے کی دعوت بھی دے دی ہے۔

ہال میں شاید تقریب کا آغاز ہو گیا تھا کیونکہ باہر کھڑے لوگ اب اندر جانا شروع ہو گئے تھے دونوں اندر چلے آئے جہاں سٹیج سے رقاصہ کی آمد کا اعلان کیا جا رہا تھا۔

نعمان کے لئے تب یہ بات حیرت انگیز نہیں تھی کہ نروپا اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھی تھی۔ جب تک رقاصائیں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی رہیں نروپا اور نعمان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ نروپا نے اسے ناچنے والیوں کے مختلف ''نرت بھاؤ'' سے آگاہی دے رہی تھی اور بالکل اسی طرح سمجھا رہی تھی جیسے نعمان بھی اس کا شاگرد ہو۔

تقریب کے اختتام تک وہ نعمان سے چمٹی رہی پھر اسے دروازے تک رخصت کرنے آئی جب نعمان اپنی کار چلاتا ہوا ہائی کمیشن کی عمارت کی طرف جا رہا تھا تو اس کے لئے یہ بات کسی اچنبھے سے کم نہیں تھی کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا۔

☆☆☆

اشیش کمار کے سامنے موجود نروپا رائے خود کو ہوا میں تیرتے محسوس کر رہی تھی کیونکہ اس کی توقعات کے عین مطابق اس کے باس نے دل کھول کر اسے داد دی تھی۔

''کل ہی اسے فون کر دو اور وہاں پہنچ جاؤ But very careful'' اشیش

کمار نے انٹر کام پر اپنے پی۔اے کو کافی لانے کا حکم دیتے ہوئے کہا۔

''سر! اب وہ بچ کر نہیں جا سکتا''.....

نروپا نے کہا۔

''No..... نہیں مس نروپا رائے Over confident (ضرورت سے زیادہ بااعتماد) لوگ کبھی کبھی اس بری طرح ٹھوکر کھاتے ہیں کہ پھر ان کے سنبھلنے کے چانسز ہی ختم ہو جاتے ہیں..... میری بات سمجھ رہی ہیں ناں آپ.....''

اس نے اپنی جگہ لیٹے لیٹے سیٹ سے اتنا آگے جھک کر یہ بات کہی تھی کہ کرسی پر میز کے دوسرے کونے پر بیٹھی نروپا نجانے کیوں سہم کر رہ گئی۔

''یس سر''

اس نے بمشکل دو الفاظ کہے جب پی۔اے کافی کے برتن لے کر اندر آ گیا۔

آداب کے مطابق پی۔اے نے اسے کافی پیش کرنے کے بعد اشیش کمار کو کافی پیش کی اور الٹے قدموں باہر چلا گیا۔

''مس نروپا رائے..... اس سروس میں آگے نکلنے کے بہت سے مواقع ملتے ہیں اور ذہین لوگ ان سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں..... لیکن ہمارا بزنس بہت زیادہ احتیاط کا تقاضا کرتا ہے..... کسی بھی لمحے اگر ہم نے دشمن کو خود سے کمزور سمجھ لیا تو ہم مارے گئے.....''

اس نے کافی کا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

''یس سر''.....

نروپا کے پاس اس کے علاوہ کہنے کو اور تھا ہی کیا؟

''اور ہاں..... کل سے تم آفس نہیں آؤ گی۔''

اس نے اچانک ہی کہہ کر نروپا کو چونکا دیا۔

''یس سر''.....

نروپا نے جواب باقاعدہ گھبرانے لگی تھی کہا۔

''کل سے تم ''ودیالے'' ہی جایا کروگی۔ وہاں تمہارا الگ کمرہ اور ٹیلی فون لائن موجود ہے۔ موبائیل ضرورت پڑنے پر ہی استعمال کرنا..... زیادہ محفوظ طریقہ یہی ہے..... میں تم سے خود ہی In touch رہوں گا..... ضرورت پڑنے پر تم مجھے اس نمبر پر براہ راست رابطہ کرسکتی ہو..... یہ نمبر زبانی یاد کرلو.....''

نروپا نے دو تین مرتبہ دل میں نمبر دہرانے کے بعد اسے کاغذ واپس لوٹا دیا جسے اشیش کمار نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہی برقی انگیٹھی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

''یہ نمبر کہیں بھی نوٹ نہیں کرنا..... میرا مطلب ہے اپنی یادداشت کے علاوہ کہیں بھی لکھنے کی ضرورت نہیں''.....

اس نے دوبارہ نروپا کو یاد دلایا۔

''یس سر''.....

مؤدب نروپا نے جلدی اندازہ کرلیا تھا کہ اس کے سامنے بیٹھا شخص کتنا متلون مزاج ہے۔ ایک ہی پل میں کوئی بھی روپ بدل سکتا ہے..... کوئی پل حیران کردینے والا..... چونکا دینے والا روپ۔

تھوڑی دیر تک وہ نروپا کو نعمان سے متعلق بریفنگ دیتا رہا پھر اسے آفس سے جانے کے لئے کہہ دیا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر نروپا نے بہت لمبی سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔ انسپکٹر مونی اس کے چہرے کی بدلتی کیفیات سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ اشیش کمار سے مل کر آرہی ہے کیونکہ اس سے ملاقات کے بعد اپنے کمرے میں آنے والے قریباً ہر دوسرے افسر کا یہی ردعمل ہوتا تھا۔

اشیش کمار ایسے نفسیاتی داؤ پیچ جانتا تھا جن کے استعمال کے بعد اس کا مخاطب اس کی شخصیت کے بوجھ تلے دبتا ہی چلا جائے اس کے ماتحت اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ اشیش کمار کی مسکراہٹ کا ہرگز وہ مطلب نہیں ہوتا اور کسی بھی ماتحت کو سرزنش کرنے کے

لئے وہ کبھی غصے میں نہیں آتا تھا۔ روایتی جملوں یا لہجے کا استعمال نہیں کرتا تھا۔ اپنی بات وہ عموماً مسکراتے ہوئے بالکل نارمل لہجے میں کہتا لیکن مخاطب کو اچھی طرح سمجھ آجاتی کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

انسپکٹر مونی نے جب نروپا کے سامنے پانی کا گلاس رکھا تو نروپا نے حیرت انگیز طور پر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ایک ہی گھونٹ میں سارا گلاس حلق میں انڈیل لیا.....

''ایسا مظاہرہ کبھی باس کے سامنے نہ کرنا''

''I am sorry۔ مائی گاڈ مونی! میں تو بالکل گھبرا گئی تھی کیسا عجیب وغریب ہے یہ شخص''.....

اس نے مونی سے بے تکلفی سے کہہ تو دیا لیکن فوراً ہی اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہوگیا۔

''میرا مطلب تھا کہ.....''

''میں تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھتی ہوں نروپا..... لیکن پلیز باس کے متعلق اس طرح کے Comments کمنٹس کسی اور کے سامنے نہ دینا..... اور ہاں انٹیلی جنس سکول کا پہلا سبق تو یاد ہے ناں تمہیں..... بھئی وہ کیا کہتے ہیں فارسی زبان میں.....''

مونی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی۔

''دیوارِ ہم گوش دارد۔'' (دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں)

نروپا نے کہا اور بے اختیار ہنس دی.....

ہنسی نے اسے قدرے نارمل کردیا تھا۔

اپنی تربیت کے مطابق اس نے مونی کو اپنا ''ٹاسک'' نہیں بتایا تھا۔ البتہ اسے صرف اتنی اطلاع دی تھی کہ اب اگلے کچھ دنوں تک شاید ملاقات نہ ہوپائے اور مونی نے بھی اس سے اگلا کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ نروپا نے یہ بات از خود جان لی تھی کہ اس کا ''باس'' یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے بھی رابطے میں رہے۔ اگر یہ اجازت اسے ملنی ہوتی

تو ضرور اشارے کنایے سے اس کا اظہار کر دیا جاتا۔ ''باس'' نے اسے صرف دو باتوں کی ہدیت کی تھی باقی سب کچھ خود ہی سمجھنا تھا۔

☆☆☆

نعمان کے لئے نروپا کا فون بڑا خوش آئند تھا حالانکہ وہ ''ھیلو'' کے بعد دوسری جانب سے کہے گئے پہلے فقرے سے ہی پہچان گیا تھا کہ اس کی مخاطب کون ہے۔ ابھی تک نروپا کی آواز مندر کی گھنٹیوں کی طرح کبھی کبھی اچانک اس کے کانوں میں رس گھولنے لگتی تھی۔ اس کی زندگی میں نروپا کوئی پہلی ایسی عورت نہیں آئی تھی جس سے وہ اس طرح متاثر ہو جاتا لیکن حیرت انگیز طور پر وہ اسے ابھی تک بھلا نہیں پایا تھا۔ نروپا کے جسم کی سنولاہٹ اور آنکھوں کی حیرت ابھی تک اس کے لاشعور سے چمٹی تھی۔

''Thank God مجھے تو ڈر لگ رہا تھا کہیں آپ نے مجھے بھلا ہی نہ دیا ہو''.....

نعمان کی سماعت سے اپنی شناخت کا اقرار سننے کے بعد اس نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں مس نروپا۔ اس بزنس میں لوگوں کا ملنا جلنا تو لگا ہی رہتا ہے لیکن کچھ لوگوں سے تھوڑی دیر کے لئے ملیں بھلایا نہیں جا سکتا.....''

اس نے یہ بات ارادتاً نہیں بلکہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر ہی کہہ دیا تھا اور اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی سچ کیوں کہہ دیا۔

''یہی مجھے کہنا تھا کہ مسٹر نعمان.....''

نروپا نے تاک کر اگلا نشانہ لگایا۔

اس نے فون پر اگلے روز آنے کی اجازت مانگی تھی۔ یہ بات نروپا اسے تقریب میں بتا چکی تھی کہ وہ روزانہ پاکستانی ہائی کمیشن کے سامنے سے گزر کر اپنے سکول جاتی ہے اور اسی راستے پر اس کی واپسی بھی ہوتی ہے۔ جس پر بے ساختہ نعمان نے کہا تھا۔

''کبھی ہمارے ہاں بھی تشریف لائیے ناں۔''

اور.....اگلے روز اس نے آنے کی اجازت طلب کر لی تھی۔

''Any time مس نروپا.....چشم ما روشن دل ما شاد''

نعمان نے بڑی فراخدلی سے کہا۔

نروپا نے فون پر گفتگو سے احتراز کیا تھا کیونکہ وہ اپنے مخاطب کو اپنے سحر سے نکلنے کا موقعہ دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔

اگلے روز اس کی آمد نعمان کے لئے بڑی خوش آئند تھی۔ نروپا نے خود کو بنانے سنوارنے میں خاصی بے نیازی دکھائی تھی اور جب نیلی ساڑھی میں لپٹی وہ اپنی ''ماروتی کار'' سے باہر نکلی تو استقبالیہ سے نعمان کے کمرے تک راستے میں آنے والے ہر ڈیسک پر بیٹھنے والوں نے ایک مرتبہ تو ضرور اسے گردن اٹھا کر دیکھا تھا۔ جب وہ نعمان کے کمرے میں داخل ہوئی تو اچانک ہی نعمان کو اپنا کمرہ مندر میں بدلتا محسوس ہوا۔ ایسا مندر جہاں صدیوں سے رکھی مورت نے اچانک ہی انسانی شکل اختیار کر لی ہو۔ وہ اپنی جگہ سے بے ساختہ اُٹھا اور اپنی طرف بڑھے نروپا کے نرم و نازک ہاتھ کو چند سیکنڈ تک لاشعوری طور پر اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کھڑا رہا۔

''بیٹھنے کے لئے نہیں کہیں گے''.....

نعمان کی خود سپردگی پر نروپا نے فاتحانہ انداز سے سوالیہ تبصرہ کیا۔

''او پلیز.....''

اس نے اچانک ہی نروپا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

نروپا اس کے سامنے بیٹھی تھی اور نعمان کہیں بہت دور پہنچ چکا تھا۔ اسے اپنے گاؤں کے سامنے والی پہاڑی پر بنا وہ بدھا کا ''سٹوپا'' یاد آ گیا جہاں اس کے بزرگوں کے مطابق سالوں تک بدھ بھکشو گوتم بدھ کی عبادت کیا کرتے تھے اور جہاں سے مختلف روایات کے مطابق اب بھی کبھی کبھی سازوں کی جھنکار اور پراسرا آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اسی لمحے

اسے نروپا رائے بھی صدیوں پہلے کی کوئی پجارن دکھائی دی اس کی آنکھوں میں بسنے والی حیرت دوچند ہوگئی تھی۔ نعمان کمزور لمحوں کی گرفت میں جکڑا تھا لیکن اُس نے جلدی ہی اپنی کمزوری کا اندازہ کرلیا اور زندگی میں پہلی مرتبہ اسے خود پر غصہ بھی آیا تھا کہ وہ اس لڑکی کے سامنے اتنا کمزور کیوں پڑ گیا ہے۔ اس کیفیت سے اس نے اپنی تربیت کے بل بوتے پر جلدی نجات حاصل کرلی اور اب بالکل نارمل ہوکر اس سے باتیں کر رہا تھا۔

اس روز نروپا نے اس کے ساتھ دو ڈھائی گھنٹے گزارے۔ اس کی فرمائش پر نعمان نے اسے ہائی کمیشن میں موجود پاکستان کے ثقافتی ورثہ سے متعلق کچھ کتابیں، تصاویر اور فلمیں دکھائی تھیں جن سے نروپا بہت متاثر دکھائی دے رہی تھی۔

نعمان اسے رخصت کرنے کے لئے گیٹ تک آیا تھا۔ اس نے رخصت ہوتی نروپا رائے سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ضرور اس کے ''ودیالے'' میں آئے گا۔

☆☆☆

دھپت سنگھ اور اشیش کمار کی ملاقات ''سیف ہاؤس'' میں ہوئی تھی۔ گو کہ دھپت اس کا ماتحت تھا اور اس کے ڈیٹ DET میں کام کر رہا تھا لیکن یہ اشیش کی عادت تھی کہ وہ رازداری کا ضرورت سے زیادہ ہی اہتمام کرتا تھا۔ اس نے ڈیٹ کمانڈر بننے کے بعد بھی اپنی اکیڈمی کی ابتدائی تعلیمات کو بھلایا نہیں تھا جہاں اپنی مکمل رازداری کا اہتمام کرنا سکھایا اور سمجھایا جاتا تھا۔ گو کہ اُس کے سینئرز اس کا اہتمام نہیں کرتے تھے لیکن اشیش کے سینئرز نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا تھا کیونکہ انہیں کام کے طریق کار سے اس کے حاصلِ شدہ رزلٹ میں زیادہ دلچسپی تھی جو انہیں ہمیشہ مثبت ملا کرتا تھا۔

اشیش نے اپنی تربیت اور طریق کار کے مطابق دھپت کو پہلے ہی روز نروپا رائے سے چپکا دیا تھا کیونکہ نروپا اسے ابھی نہیں پہچانتی تھی۔ وہ اپنے ماتحتوں کی کارگزاری پر مکمل چیک رکھنے کے حق میں تھا اور نروپا رائے سے بھی غافل نہیں رہ سکتا تھا۔ دھپت نے اسے ایک ایک لمحے کی مصروفیات کا تصویری ثبوت فراہم کردیا تھا جسے دیکھنے کے بعد اشیش

قدرے مطمئن ہو چکا تھا اسے اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ اگلے چند دنوں ہی میں نروپا نعمان کو اپنے دامِ حسن میں لپٹا کر اس کے سامنے ''چارہ'' بنا کر پھینک دے گی جس کے بعد وہ اپنے دل کے ارمان اچھی طرح نکال سکتا تھا۔

''ٹھیک ہے..... لیکن تم چوکس رہو گے''

اس نے بظاہر مطمئن ہونے کے باوجود دھپت سے کہا۔

''یس سر''.....

دھپت اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا تھا۔

''یہ بڑے چالاک لوگ ہیں۔ کبھی کبھی گھڑی کی سوئیوں کو الٹا بھی چلا دیتے ہیں''

اس نے دھپت سنگھ کو پاکیشیائی سرگرمیوں سے متعلق جانکاری دیتے ہوئے خبردار کیا۔

یہ بات اس نے یونہی نہیں کہہ دی تھی۔ ماضی میں ایسا ہو چکا تھا جب ان کی ایک سمارٹ ایجنٹ ''ڈبل کراس'' کر گئی تھی اور جس کا علم انہیں تب ہوا جب پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔

''آپ مطمئن رہیں سر! میں اپنی ڈیوٹی اچھی طرح سمجھتا ہوں.....''

دھپت سنگھ نے بڑے اعتماد سے کہا کیونکہ وہ گزشتہ چھ سال سے یہی کچھ تو کرتا رہا تھا..... Counter انٹیلی جنس میں اسے کمال حاصل تھا خصوصاً بھارت کے ''دشمن ممالک'' کے سفارتکاروں کا تعاقب تو وہ اس ہوشیاری سے کرتا تھا کہ بہت کم مواقع پر اس کا علم ہو پایا۔

''مجھے علم ہے دھپت سنگھ تم میرے ''کار خاص'' ہو مجھے تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف ہے لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ مقابلہ کسی عام سے سفارتکار سے نہیں..... نعمان آسانی سے پھنسنے والی مچھلی نہیں..... اور مجھے اس کا شکار بہرحال کرنا ہے..... کسی بھی قیمت پر''.....

اس کے لہجے سے دھپت سنگھ کو ایسا لگا جیسے اشیش کمار اس معاملے کو بہت ''پرسنل'' لے رہا ہے.....

''میں اپنی جان لڑادوں گا سر''.....

دھنپت سنگھ نے چمچہ گیری کے اس موقع کو غنیمت جانا۔

''اور ہاں..... یہ بات دھیان میں رہے کہیں تمہاری وجہ سے بنا بنایا کھیل نہ بگڑ جائے''

اشیش کمار نے نجانے کیوں کہہ دیا۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا سر! کبھی نہیں''.....

دھنپت سنگھ نے بڑے پر یقین لہجے میں کہا۔

☆☆☆

نروپا کے لئے اس کی آمد کسی بڑے ''سرپرائز'' سے کم نہیں تھی!

''آپ؟''

اپنے سامنے اچانک نعمان کو دیکھ کر اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''جی ہاں..... میں..... مجھے افسوس ہے آپکو اطلاع دے کر نہیں آیا..... لیکن سکا موقع ہی نہیں ملا..... ادھر سے گزر رہا تھا۔ آپ کے سکول کا سائن دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور بے اختیار کچھا چلا آیا.....''

نعمان نے اس کے سامنے والی کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

''اوہ مائی گاڈ..... میں تو بوکھلا ہی گئی.....''

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے..... اس موقع کے لئے اسے مناسب فقرے سجھائی نہیں دے رہے تھے۔

نعمان نے حقیقت میں اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے تھے۔ اشیش کمار کی طرف سے اپنے لئے الاٹ شدہ دفتر میں وہ آج بھی معمول کے مطابق ہی آکر بیٹھی تھی۔ کیونکہ یہاں سکول کے معاملات سے اس کا تعلق بالکل برائے نام تھا اس لئے اس کے کمرے میں سٹوڈنٹس یا سٹاف کی آمد و رفت بھی برائے نام ہی رہتی تھی۔

یہ ڈانسنگ سکول تھا کوئی ''را'' کا دفتر تو تھا نہیں کہ اندر آنے والے کو بہت زیادہ پاپڑ بیلنے پڑتے۔ نعمان نے دروازے پر موجود بوڑھے چوکیدار کو اس کا نام بتایا اور اندر آ گیا۔ نروپا کا نام وہ لوگ اب ایک نئے سٹاف ممبر کی حیثیت سے جاننے لگے تھے اور انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ نروپا یہاں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہے اس لئے اس کے مہمان سے زیادہ پوچھ گچھ مناسب نہ سمجھی گئی۔

نعمان سکول کے ایڈمن آفس میں آیا اور جس کمرے کے باہر نروپا رائے کے نام کی تختی لکھی گئی تھی اس کا دروازہ کھول کر اس تک پہنچ گیا۔ یہ سب کچھ اس کے لئے اچانک اور بوکھلا دینے والا تھا۔

نروپا اب سنبھل چکی تھی.....

پہلے تو وہ اچانک اٹھ کر کھڑی ہوگئی لیکن نعمان نے جب سامنے والی کرسی سنبھالی تو اسے بھی بیٹھنا پڑا۔

''شما کیجئے..... لیکن میں کبھی تکلفات میں پڑتا نہیں جانتا ہوں یہ اچھی عادت نہیں لیکن مجبوری ہے..... اصولی طور پر تو مجھے.....''

نعمان نے اس کے چہرے کی بدلتی کیفیت سے اس کے دلی جذبات کا اندازہ لگا لیا تھا لیکن اسے ابھی تک اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی کہ نروپا نے اس کے آنے کا سواگت کیا ہے یا اچانک آنے پر پریشانی کا اظہار کر رہی ہے۔

''پلیز! مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔ مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے آپ کی اس اچانک آمد سے کہ بوکھلا کر رہ گئی ہوں..... ویل کم..... سواگتم!''۔

نروپا نے پیشہ ور ڈانسر کی طرح جھکتے ہوئے آداب کہا اور اپنی اس ایک ہی ادا کے ذریعے وہ نعمان کی آنکھوں کے راستے اس کے دل میں گھس گئی۔ اگر وہ اپنی پہلی ملاقات پر نعمان کو یہ نہ بتاتی کہ وہ ڈانسر ہے تو بھی اس کے جسمانی زاویوں، بات چیت اور چلن میں ہونے والے نرت بھاؤ سے وہ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ نروپا کیا ہے؟

اشیش کمار نے اسے یونہی کلاسیکل ڈانسر کے کور (Cover) میں یہاں نہیں بٹھایا تھا وہ جانتا تھا کہ نروپا رائے اپنی کالج لائف میں اپنے صوبے کے کئی مقابلوں میں انعام حاصل کر چکی تھی۔

''کیسا لگا آپ کو اس طرح اچانک چلے آنا؟''

نعمان نے سلسلہ گفتگو کی تمہید باندھی۔

''دھن بھاگ ہمارے''.....

نروپا اب مکمل پروفیشنل بن گئی تھی.....

لیکن.....اسے اس بات کا احساس تک نہ ہوا کہ نعمان نے حفاظت خود اختیاری کے تحت ہی اسے آنے سے پہلے فون نہیں کیا تھا۔ اس بات کا اس سے زیادہ اور کس کو علم تھا کہ ہائی کمیشن کے تمام فون ''بگ'' کئے جاتے ہیں اور اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ نروپا رائے سے اس کی ملاقات انڈین انٹیلی جنس کے علم میں آئے۔

نروپا نے اگلے چند منٹ ہی میں اسے اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ زندگی میں شاید پہلی بار وہ کسی عورت سے اس انداز میں متاثر ہو رہا تھا۔ اسے خود پر تعجب ہو رہا تھا کہ اس جیسا سخت جان اور پتھر دل شخص بھی ایسے جذبات رکھتا تھا۔ ابھی تک وہ اپنی ان دلی کیفیات کو جس کا نعمان شکار ہو چکا تھا کوئی خاص نام دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

لیکن.....آج جب نروپا نے اپنے ہاتھ سے کافی تیار کر کے اسے فوم کے کپ میں ڈال کر اس کے کندھے کے ایک طرف سے قریباً جھکتے ہوئے اس کے سامنے رکھی تو نروپا کے جسم سے لپٹی ساری خوشبوئیں نعمان کو اپنے رگ و پے میں سرایت ہونے کا احساس ہوا۔

''مجھے اندازہ ہے آپ بلیک کافی ہی پسند کرتے ہوں گے''۔

نروپا نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بڑی انتریامی'' (دل کا حال جاننے والی) دکھائی دیتی ہیں آپ''؟

نعمان نے نجانے کیسے کہہ دیا واقعی وہ بلیک کافی ہی پیتا تھا۔

''نہیں مسٹر نعمان اب ایسی بھی بات نہیں۔ یوں بھی کسی کے دل کا حال جاننا بڑا مشکل کام ہے.....اور میرا تو تجربہ ہے نعمان صاحب کہ کبھی کبھی دل اور آنکھیں بھی بڑی صفائی سے جھوٹ بول جاتی ہیں''.....

نروپا کی مسکراہٹ بڑی جان لیوا تھی۔

''میری تو یہی درخواست ہوگی نروپا جی کہ میرے متعلق ایسی رائے پلیز کبھی نہ قائم کیجئے گا۔ میری آنکھیں عموماً سچ ہی کہتی ہیں''.....

نعمان نے یہ بات بالکل غیر ارادی طور پر کہی تھی۔

''میں آپ کی آنکھوں کا سچ جان سکتی ہوں نعمان صاحب!''

نروپا نے اچانک اپنا لہجہ بدلا تو نعمان ایک لمحے کے لئے گھبرا گیا۔

''میں سمجھا نہیں''.....

بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''ارے پلیز! نارمل رہیئے۔ میں تو ایسے ہی مذاق کر رہی تھی۔''

اس مرتبہ وہ باقاعدہ ہنس دی۔ نعمان کو یوں لگا جیسے اسے نعمان پر ہنسی آئی ہو۔

''بڑا جان لیوا مذاق کرتی ہیں آپ''.....

نعمان سے رہا نہ گیا۔

''واقعی''.....

نروپا نے دوبارہ قہقہہ لگایا۔

اس کی ہنسی سے نعمان کو نجانے کیوں ایک عجیب سی آسودگی کا احساس ہو رہا تھا۔

دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نعمان کو وقت کا اندازہ تب ہوا جب اسے یاد آیا کہ وہ یہاں قریباً دس بجے آیا تھا۔ دو گھنٹے گزر جائیں گے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

''اوہ.....بارہ بج گئے''.....

''جی ہاں شاید.....''

نروپا نے اپنے بازو سے بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

''کمال ہے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا''۔

نعمان کے لئے اب اپنی دلی کیفیات چھپانا ممکن نہیں رہا تھا۔

''یہی بات میں بھی آپ سے کہنے والی تھی''.....

نروپا اس مرتبہ خلاف توقع بڑی سنجیدہ تھی.....اس کے جواب میں نعمان صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''مجھے اب چلنا ہوگا.....''

نعمان نے فی الوقت اس جادونگری سے نکل جانا ہی مناسب جانا۔

''بہت مصروف ہیں کیا آپ؟ آج تو آپ کا آف ڈے نہیں شاید؟''

اس نے نعمان کی چوری پکڑی۔ واقعی آج ہائی کمیشن کے دفاتر جمعہ کی وجہ سے بند تھے۔

''میں تو فارغ ہوں لیکن آپ.....؟''

''ارے حضور! ہم کیا اور ہماری مصروفیات کیا..... چلئے آپ کو لال قلعہ دکھا لائیں آج تو وہاں نوادرات کی نمائش لگی ہے.....نوادرات دیکھنے کا شوق تو ہے ناں آپ کو.....؟''

''ارے کیوں نہیں..... کیوں نہیں..... اور نہ بھی ہو تو آپ جیسا خوبصورت ساتھ چھوڑنے کو کسی کافر کا جی چاہے گا''.....

نعمان کو بخوبی اندازہ تھا کہ اس نے یہ بات جو بظاہر اس کی تربیت کا حصہ تھا اوپری لہجے سے نہیں بلکہ دل کی گہرایوں سے کہہ دی تھی..... بہت کچھ اس کے لئے یہاں خلاف توقع تھا.....

جواب میں نروپا نے پھر قہقہہ لگایا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ دونوں اب دفتر سے

باہر آ گئے تھے۔

ان کا رخ کار پارکنگ کی طرف تھا جہاں نروپا رائے کی ماروتی کار کھڑی تھی۔ نعمان سفارتخانے کی نمبر پلیٹ والی کار میں گھومنے کا رسک کم ہی لیا کرتا تھا۔ آج بھی وہ ٹیکسی لے کر اس سے ملنے آیا تھا۔ نروپا کو احساس ہو چلا تھا کہ کامیابی اس کے قدم چوم رہی ہے۔ اشیش کمار کے خدشات کے برعکس نعمان اس کے لئے بڑا ''آسان شکار'' ثابت ہوا تھا۔

لیکن.....اپنی دانست میں احساس فتح سے سرشار نروپا کو اچانک ہی ایک سوال نے پریشان کر دیا۔

کیا یہ سب کچھ مصنوعی تھا؟

کیا اب تک وہ نعمان سے صرف اداکاری کر رہی تھی؟

ان سوالات کے جوابات اس کے لئے بڑے الجھا دینے والے اور پریشان کن تھے۔ کوئی طاقت اسے اندر ہی اندر اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ وہ فاتح سے زیادہ مفتوح ہے۔

☆☆☆

ڈرائیونگ سیٹ نروپا نے خود ہی سنبھالی تھی.....نجانے وہ کیوں خاموش ہوگئی تھی۔ یہی حال نعمان کا بھی تھا.....لیکن دونوں اس خاموشی سے خوفزدہ تھے۔ اس کی تہہ سے اٹھنے والے طوفان کی تباہ کاریوں کا لاشعوری طور پر ہی سہی انہیں ادراک ہونے لگا تھا۔

''معلوم نہیں اچھی ہے یا بری.....لیکن میری عجیب عادت ہے نعمان صاحب کہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں بہت کم باتیں کرتی ہوں''.....

اس نے گاڑی کے باہری شیشے میں اپنے تعاقب میں آتی موٹر سائیکل کو چور نظروں سے دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ اشیش کمار اس سے بے خبر نہیں.....

''محتاط اور سمجھدار ڈرائیور ایسے ہی ہوتے ہیں.....اپنا دھیان نہیں ہٹنے دیتے''۔

نعمان نے پھیکی مسکراہٹ اچھالی۔

''اب ایسی بات بھی نہیں نعمان صاحب میرا ٹریک ریکارڈ اچھا نہیں..... پچھلے تین ماہ میں چار ایکسیڈنٹ میری غلطی سے ہوئے ہیں''.....

''تب تو آپ کا خاموش رہنا ہی اچھا ہے''۔

نعمان مسکریا۔

''چلئے صاحب آپ کو بور نہیں کرتے۔ یہ غزل سنئے۔ مہدی حسن کو تو جانتے ہیں ناں آپ..... میری تو بہت بڑی کمزوری ہے.....''

یہ کہتے ہوئے اس نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبایا اور نعمان کو یوں لگا جیسے اچانک کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہو۔ وہ درجنوں مرتبہ مہدی حسن کی یہ غزل سن چکا تھا لیکن آج جیسے اس کی جادو اثر آواز نے نعمان کو اپنے سحر میں جکڑ لیا۔

غنچۂ شوق لگا ہے کھلنے
پھر تجھے یاد کیا ہے دِل نے

غزل کا ایک ایک لفظ جادو کی طرح اس کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ اس پر اچانک ہی چپ طاری ہوگئی تھی اور نروپا رائے کن انکھیوں سے اس کی حالت کا اندازہ کر رہی تھی۔

پرانی دلی کے ریلوے سٹیشن کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ چاندنی چوک تک آئے۔ کار میں چلتی ٹیپ نے نعمان کو کار سے باہر حشرات الارض کی طرح زمین پر رینگتے انسانوں کے ہجوم سے بالکل ہی بے نیاز کر دیا تھا۔ نروپا رائے نے کار فتح پوری مسجد کے نزدیک پارک کی اور سحر زدہ نعمان کے ساتھ باہر نکل آئی۔

''کہاں کھو گئے مہاراج''.....

اس نے نعمان کے ہاتھ کو چھو کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تو نعمان چونکا۔

''کہیں نہیں.....''

نعمان کو یوں لگا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔

''نہیں مہاراج اب یہ بات تو جانے دیجئے..... اتنے بے خبر تو ہم بھی نہیں''.....

نروپا نے دل لگی کے انداز میں کہا۔

''تو آپ کو خبر ہو ہی گئی''.....

نعمان مسکرایا۔

''ہاں کچھ کچھ''.....

نروپا نے کہا اور کھلکھلا کر ہنس دی۔ نعمان بھی بے بسی سے مسکرا دیا۔

نعمان کے ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود ٹکٹ نروپا رائے نے خریدے تھے۔ اس کی بے چین نظروں نے ناٹے قد کے اس نوجوان کو اوجھل نہیں ہونے دیا تھا جو فتح پوری مسجد سے یہاں تک ان کے ساتھ چپکا چلا آ رہا تھا۔ نروپا کو اس سے زیادہ اپنے ڈائریکٹر اشیش کمار پر غصہ آیا تھا جس نے اس بیوقوف کو ان کے پیچھے لگا دیا تھا کیونکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن نروپا کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اشیش کمار ''کاؤنٹر چیک'' ضرور رکھتا ہے۔ وہ اکثر اپنے ماتحتوں سے عموماً اکیڈمی کا یہ سبق یاد رکھنے کی تلقین کیا کرتا تھا کہ ''ہمارے بزنس میں کچھ بھی قابل اعتبار نہیں''.....

اور..... اشیش کمار نے تو اس سبق کو حرز جان بنا لیا تھا۔

☆☆☆

لاہوری گیٹ پر لہراتے بھارتی ترنگے کے نیچے سے گزرتے ہوئے دونوں لال قلعہ میں داخل ہو گئے تھے۔ کچھ فاصلے پر ایک اور داخلی دروازہ ان کا منتظر تھا جس سے گزر کر دونوں اس چھنتے ہوئے (مسقف) بازار میں داخل ہوئے جس کو رنگ برنگ کی روشنیوں سے سجایا گیا تھا یہاں بطور خاص نوادرات کی نمائش لگائی گئی تھی۔ نروپا جان بوجھ کر ان نوادرات میں بڑی دلچسپی دکھا رہی تھی کچھ یہی حال نعمان کا بھی تھا۔

مسقف کے دونوں اطراف سجی دکانوں میں اخروٹ کی لکڑی پر کشمیری کھدائی

سے انتہائی نفیس اور دل موہ لینے والی نقش کاری کی گئی تھی۔ ہاتھی دانت کی صناعی' سنگ مرمر سے بنے تاج محل' مورتیاں' شطرنج اور اس کے مہرے' جے پوری زیورات تو مصوری کا شاہکار دکھائی دے رہے تھے۔ جگمگاتی روشنیوں میں شیشے کے شوکیسوں میں دھری مرمریں پلیٹوں میں موجود موتیوں کے ڈھیر اور قیمتی پتھروں سے پھوٹتی روشنیاں آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔

نعمان ان نوادرات کو کم اور ان میں مستغرق نروپا رائے کو زیادہ دیکھ رہا تھا۔ اسے وہ دور یاد آ گیا جب مغل بادشاہ' شہزادے اور شہزادیاں اس بازار میں گھوما کرتے تھے جو صرف شاہی خاندان کے لئے سجایا جاتا تھا۔ نروپا رائے اسے مغل دور کی شہزادی دکھائی دی جو اپنے سراپے سے بے نیاز اس کے دل پر قدم دھرتی آن بان سے اس بازار کی زینت بنی ہوئی تھی۔

''قطب کی لاٹ لے لو بابو جی''

''نٹ راج لے لو بابو جی''

''محبت کا تاج محل لے لو بابو جی''

چھوٹے چھوٹے دو بچوں نے اچانک ہی ان کے سامنے کھڑے ہو کر پکارنا شروع کیا تو نعمان ٹھٹھک کر رہ گیا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے بٹوے کی طرف گیا اور اس نے تینوں چیزیں خرید لیں۔

''ارے کیا کر رہے ہیں آپ؟ یہ بہت مہنگی دیں گے یہاں.....''

نروپا رائے نے جو ایک شوکیس پر جھکی قیمتی پتھر دیکھ رہی تھی اچانک ہی مڑ کر اسے دیکھا۔

''کوئی بات نہیں..... ان خوبصورت لمحوں کی کوئی یادگار تو ہونی چاہئے ناں اپنے پاس''

اس نے نروپا سے کہا اور تاج محل اس کی طرف بڑھا دیا۔

نروپا ایک لمحے کے لئے آنکھوں میں حیرت اور استعجاب لئے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے تاج محل پکڑ لیا..... ہمیشہ کی طرح ایک ابدی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر موجود تھی۔

نقار خانے کے دروازے سے گزر کر دونوں اس پر موجودہ عجائب گھر میں پہنچے جہاں قدیم جنگی ساز و سامان موجود تھا پھر تاریخی دیوان عام پر دھرے سنگ مرمر کے تخت پر دوسروں کی طرح بیٹھ کر دونوں نے یہاں کی رسم پوری کی۔ تخت نشیمن کا نظارا کیا جہاں کبھی ظل الٰہی قدم رنجہ فرمایا کرتے تھے۔

نروپا رائے اسے ایک ایک دیوار کا تعارف کرواتی جا رہی تھی اور اب دونوں دیوان خاص میں پہنچ گئے تھے۔ جب اچانک ہی نعمان نے اس طرح گرنے کی اداکاری کی کہ نروپا کے پیچھے اس کا چہرہ چھپ گیا۔ نروپا کو اس بات کا اندازہ نہ ہو سکا کہ نعمان کا یہ فعل بالکل ارادی تھا کیونکہ ناٹے قد کا وہ گدھا جو موٹر سائیکل پر ان کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آیا تھا اور اب بظاہر دوسرے لوگوں کی طرح تصاویر اتارنے کے چکر میں نعمان کی تصویر اتارنا چاہتا تھا نعمان کی نظر میں آ چکا تھا۔

نروپا کو اس نے اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ فتح پوری کی پارکنگ سے یہاں تک اپنے تعاقب میں آنے والے اس سفید پوش کو اس نے نوٹ کر لیا ہے۔ نعمان کے لئے یہ کوئی اچنبھے کی بات بھی نہیں تھی کیونکہ وہ اس خوش فہمی کا کبھی شکار نہیں رہا تھا کہ ہائی کمیشن کے گیٹ سے باہر نکلنے والے کسی بھی ذی نفس کو انڈین انٹیلی جنس نظر انداز کر سکتی ہے۔

اسے اس تعاقب کا یقین تھا لیکن یہ بات اس کے لئے بہر حال پریشان کن تھی کہ کہیں یہ لوگ نروپا رائے کو پریشان نہ کریں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نروپا کو اس کی وجہ سے کسی قباحت کا سامنا ہو۔

''میرے خیال سے اب چلنا چاہئے''.....

نعمان نے گھڑی کی سوئیوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''جیسے آپ کا حکم''.....

نروپا نے سر تسلیم خم کرنے کے انداز میں جواب دیا۔

دونوں اب فتح پوری کی طرف جا رہے تھے۔ تعاقب کرنے والے کو شاید نعمان کی باخبری اور اپنی بیوقوفی کا اندازہ ہو گیا تھا کیونکہ اب وہ منظر سے غائب تھا یا پھر اتنا محتاط ہو کر ان کا تعاقب کر رہا تھا کہ نعمان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا..... نعمان نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ اب اس کی جگہ کسی دوسرے نے سنبھال لی ہو گی جبکہ نروپا یہ سوچ رہی تھی کہ شاید اسے یہاں تک ہی ان کے ساتھ آنے کی ہدایت کی گئی ہو.....

.....☆.....

دھنپت سنگھ معمول کے مطابق ہی دو بجے کے بعد ڈانسنگ سکول پہنچا تھا۔ گیٹ پر موجود چوکیدار سے جو اس کا ''باقاعدہ سورس'' بن چکا تھا اس نے حسب معمول نروپا کے معمولات سے متعلق دریافت کیا تھا اور جب اسے چوکیدار نے بتایا کہ کوئی نروپا رائے کو ملنے آیا تھا تو دھنپت سنگھ کو باقاعدہ بجلی کا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہا اور اس تصور سے لرزاں ہونے لگا کہ جب وہ اشیش کمار کے سامنے اس نالائقی کی وضاحتیں پیش کر رہا ہو گا۔

یہ بات وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اشیش کمار نے ضرور نروپا رائے پر کاؤنٹر چیک لگایا ہو گا اور کسی دوسرے ایجنٹ نے ضرور نروپا رائے اور نعمان پر چیک رکھا ہو گا جس کے بعد اس کے پاس جھوٹ بولنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔

نعمان اس کی توقع سے بڑھ کر چالاک ثابت ہوا تھا.....

اس کا اس طرح اچانک آنا یہ ثابت کرتا تھا کہ وہ بھی دھنپت سنگھ کی طرح اس

برادری کا ممبر ہے اور ایسے بہت سے داؤ پیچ جانتا ہے جن سے آشنائی اس کے ہم پیشہ لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ اس ''سورس'' سے دھنپت کو کوئی ڈھنگ کی بات تو کیا معلوم ہوتی الٹا وہ کنفیوژن کا شکار ہو گیا کیونکہ جس طرح کا ناک نقشہ وہ نعمان کا بیان کر رہا تھا نعمان اس سے کچھ مختلف تھا.....

''کہیں نروپا نے کوئی اور تو.....''

اس کے ذہن میں اچانک ہی شک پیدا ہوا۔

لیکن نہیں.....

اس نے سوچا ایسا ممکن ہی نہیں کہ اشیش کمار کو بے خبر رکھ کر نروپا رائے کوئی کھیل کھیلنے کی کوشش کرے۔ کافی دیر تک وہ اس ڈانسنگ سکول کے سامنے سڑک کی دوسری طرف چائے کی دکان پر بیٹھ کر نروپا رائے اور نعمان کا انتظار کرتا رہا لیکن انہیں نہ آنا تھا اور نہ ہی وہ آئے۔

شام دہلی پر اترنے لگی تھی جب دھنپت سنگھ وہاں سے روانہ ہوا۔ اس نے اپنی روزانہ کی رپورٹ میں صرف اتنا تذکرہ کیا تھا کہ فلاں وقت پر نروپا رائے سے نعمان ملنے آیا۔ فلاں وقت پھر وہ سکول سے نکلے اور شام تک واپس نہیں لوٹے۔ بہر حال اس بات کا اسے بخوبی اندازہ تھا کہ اشیش کمار اس سے مطمئن نہیں ہوگا۔

☆☆☆

''ویل ڈن''.....

اپنے سامنے موجود نروپا رائے کو دیکھ کر اشیش کمار نے کہا..... ''زبردست..... بہت اچھا جا رہی ہو..... اسے اگلے دو چار دن میں اپنے بیڈ روم میں لے آؤ.....''

بالآخر اس نے نروپا رائے کو فائنل ٹاسک دے دیا۔

''مجھے تو بہت خوشی ہوگی سر! لیکن یہ ذرا مختلف قسم کا بندہ ہے.....''

نروپا نے ڈرتے ڈرتے کہہ دیا۔

''میں سمجھا نہیں.....''

اشیش کمار نے سگریٹ کا لمبا کش لگا کر دھواں فضا میں بکھیرا۔

''میرا مطلب ہے سر کہ.....''

''ڈیم اٹ۔ دیکھو نروپا رائے تھوڑے بہت فرق سے سب مرد ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ وہ کوئی مریخ کا باشندہ نہیں۔ اسی زمین پر بسنے والا انسان ہے۔ اور عورت سب کی کمزوری ہوتی ہے..... خاص طور پر تمہارے جیسی خوبصورت عورت.....''

اس نے نروپا کی بات کاٹ دی۔

نروپا کو آج صبح ہی اشیش کمار نے اپنے ایک ماتحت کے ذریعے ''سیف ہاؤس'' میں طلب کیا تھا۔ یہ ''سیف ہاؤس'' وہ لوگ بطور خاص ایسے ہی آپریشنز کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ دہلی کے ایک پوش ایریا میں موجود ایک شاندار اور مہنگے فلیٹ میں بڑے خصوصی آلات نصب کئے گئے تھے۔ جن کے ذریعے یہاں داخل ہونے والے کی کوئی بھی حرکت یا گفتگو کیمرے کی آنکھ سے بچ نہیں سکتی تھی.....

جن سفارتکاروں کو ان لوگوں نے اپنے جال میں پھانسنا ہوتا تھا انہیں نروپا رائے جیسی شاطر لڑکیاں اپنے دام حسن میں پھنسا کر یہاں لے آتی تھیں اور یہاں آنے کے بعد خود کو ''شہزادہ اندر'' سمجھنے والا سفارت کار جب یہاں سے فارغ ہو کر سفارتی مشن پر پہنچتا تھا تو اسے بڑے شاندار طریقے سے اس رات کی ساری ریکارڈنگ پہنچا کر ملاقات کی دعوت دی جاتی۔ یہ ملاقات اس کی محبوبہ کی بجائے کوئی منجھا ہوا آفیسر کیا کرتا تھا جو سفارتکار کو بلیک میلنگ، لالچ اور ہوس کے جال میں پھانس کر اپنا بندۂ بے دام بنا لیتا۔ ایسا بہت کم ہوا تھا کہ کوئی بھی سفارت کار ان کے اس خطرناک حملے سے بچ پائے.....

اب اشیش کمار یہی کھیل نعمان کے ساتھ کھیلنے جا رہا تھا..... اس نے اپنی دانست میں یہ اندازہ لگایا تھا کہ نعمان بھی دوسرے ریشہ خطمی مردوں کی طرح نروپا رائے کے جسمانی زاویوں کا اسیر بن چکا ہے اور اب کھیل کو زیادہ لمبا کرنے کے بجائے جلد ہی اپنی مرضی کے

نتائج حاصل کر لئے جائیں۔

نروپا رائے کے لئے اپنے باس کا یہ حکم کوئی نئی بات نہیں تھی.....

اس بزنس میں یہی کچھ ہوتا تھا۔ اپنا ٹارگٹ حاصل کرنے کے لئے یہ لوگ کہاں تک جا سکتے تھے اس کا انہیں بخوبی علم تھا۔ نروپا رائے اور اس جیسی دوسری لڑکیوں کو جنہیں بطور خاص کاؤنٹر انٹیلی جنس کے لئے منتخب کیا جاتا تھا مردوں کو اپنے جنسی جال میں پھانسنے کے جدید ترین طریقے سکھائے جاتے تھے۔ انہیں جنسیت کے اس کھیل میں طاق کرنے کے لئے عملی مراحل طے کروائے جاتے تھے اور ''را'' کے ماہرین نفسیات اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیتے تھے کہ جس لڑکی پر وہ کام کر رہے ہیں اس نے شعوری اور لاشعوری دونوں طرح اسے دل و جان سے قبول کیا ہے یا بادل نخواستہ ایسا کر رہی ہے.....

نروپا رائے ان تمام مراحل سے گزر چکی تھی.....

اس کے نزدیک عورت کی نسوانیت نام کی شے کا وجود باقی نہیں رہ گیا تھا لیکن نجانے کیوں دو تین ملاقاتوں کے بعد ہی اسے یہ محسوس ہونے لگا تھا جیسے نعمان کے ساتھ وہ اپنے باس کی توقعات کے مطابق یہ کھیل نہیں کھیل پائے گی۔ اسے الجھن محسوس ہو رہی تھی لیکن اپنی کسی بھی حرکت سے اپنے دلی جذبات کا اظہار اپنے باس پر کرنے کا مطلب وہ اچھی طرح جانتی تھی..... ملازمت سے چھٹی یا پھر ساری عمر کے لئے کھڈے لائن لگے رہنا۔ جو اسے ہرگز منظور نہیں تھا وہ تو اپنے تمام تر ذہنی اور جسمانی کمالات کے ذریعے جلد از جلد فارن سروسز جوائن کرنا چاہتی تھی۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی تین ہم منصب لڑکیاں اس نوعیت کے کارنامے سرانجام دینے کے بعد دیگر ممالک میں موجود بھارتی سفاتی مشنوں میں گلچھرے اڑا رہی تھیں۔

اشیش کمار نے اسے سیف ہاؤس کے دوسرے کارکنوں سے جو یہاں چوکیدار اور خانساماں کے روپ میں موجود تھے متعارف کروا کر اس کی ایک چابی تھما دی تھی اور اس کی کمر تھپتھپا کر اپنی دانست میں اسے ہلہ شیری دینے کی کوشش بھی کی تھی۔

''بڑا اہم سبجیکٹ Subject ہے نروپا..... اسے قابو کر لو..... اگر تم نے یہ ٹارگٹ ہٹ Hit کر لیا تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں Abroad (باہر) جانے سے نہیں روک سکتی۔ یہی خواب ہے ناں تمہارا''.....

اس نے نروپا کی آنکھوں میں براہ راست جھانکتے ہوئے کہا تھا۔

''یس سر''.....

نروپا نے بہترین اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی..... تھوڑی دیر بعد مزید ہدایات کے ساتھ وہ یہاں سے واپس جا رہی تھی۔

☆☆☆

اس روز ہائی کمیشن کے اس ٹھنڈے کمرے میں بیٹھا نعمان سوچ رہا تھا کہیں وہ نروپا کے سامنے کمزور تو نہیں پڑ گیا؟ کہیں اسے نروپا سے محبت تو نہیں ہو گئی؟ اپنی دانست میں تو وہ خود کو ان سوالات کے جوابات ''ناں'' کی صورت میں دے رہا تھا لیکن اس کا دل و دماغ اس کے دیے ان جوابات کو تسلیم کرنے سے انکاری تھا اور وہ اس سوچ ہی سے لرزاں تھا کہ اگر واقعی وہ دل کے فیصلے پر صاد کرتا ہے تو یہ اس کے لئے کتنا تباہ کن ہو سکتا ہے۔

یہ لڑکی کہیں ''را'' کا بچھا ہوا کوئی جال تو نہیں؟

اس نے پہلی ملاقات سے اب تک درجنوں مرتبہ یہ بات سوچی تھی لیکن ہر دفعہ مطمئن ہو جاتا تھا کہ اس کی سوچ غلط ہے۔ ابھی تک نروپا رائے نے کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا جس سے وہ اندازہ لگا سکتا کہ وہ اصل میں ہے کون؟ اس نے تو پہلے ہی دن سے نعمان کو بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ یہ تو نعمان تھا جس نے اپنی تربیت کے مطابق تمام حفاظتی تدابیر اختیار کر رکھی تھیں ورنہ دوسری طرف سے بظاہر ایسا کوئی خطرہ اُسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

نعمان نے اس روز لال قلعہ سے واپس آنے کے بعد کم از کم یہ بات ضرور سوچ لی تھی کہ اب وہ بہت جلدی نروپا سے ملاقات نہیں کرے گا۔

اس کی خوش قسمتی تھی کہ اگلے ہی روز اسے ایک ضروری کام سے سری لنکا جانا تو جہاں اس نے تین روز تک قیام کیا۔ اپنی ولی سے روانگی کی اطلاع اس نے نروپا رائے نہیں دی تھی لیکن تین روز کے بعد جب وہ دہلی چانکیا پوری میں واپس پہنچا تو اس کی Answaring مشین پر نروپا کے دس بارہ پیغامات موجود تھے وہ دن میں تین چار مرتبہ روزانہ فون کر کے اس سے بات کرنا چاہتی لیکن دوسری طرف اسے موجود نہ پا کر ''فون ملیں'' کا پیغام ریکارڈ کروا کر فون بند کر دیتی تھی۔

نعمان کی دہلی سے سری لنکا کے لئے روانگی ''را'' کے علم میں تھی..... اس بات کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ یہاں کسی سفارتی اہلکار کی نقل و حرکت ان سے پوشیدہ رہے خاص طور سے جب کہ وہ سب کچھ ''آن ریکارڈ'' ہو رہا ہو۔

اشیش کمار نے نروپا رائے کو بتا دیا تھا کہ اب نعمان کی واپسی تین دن کے بعد ہوگی کیونکہ اس نے ریٹرن ٹکٹ لیا تھا جس کی کمپیوٹرائزڈ کاپی اس کی میز پر موجود تھی۔ نعمان کی ولی سے انڈین ایئر لائنز کے ذریعے سری لنکا روانگی' اس کا فلائیٹ نمبر' واپسی کی تاریخ اور فلائیٹ نمبر ایک ایک تفصیل کا اسے علم تھا لیکن..... اس نے نروپا سے یہی کہا تھا کہ اپنے ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے وہ یہ بات اپنے دل و دماغ سے بالکل ہی نکال دے کہ نعمان ولی سے باہر گیا ہے اور بالکل اجنبیوں کی طرح اس سے رابطہ قائم کرے۔

اور..... نروپا نے ایسا ہی کیا تھا۔

لیکن..... اُس روز اچانک ہی ایک بڑا سوال نروپا کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس نے سوچا کیا وہ نعمان کو بار بار فون صرف اپنی ڈیوٹی اور مشن کے سلسلے میں کر رہی ہے یا اس سے آگے بھی کوئی بات ہے؟

اور..... اسے جلدی ہی اس سوال کا جواب مل گیا کہ کھیل ہی کھیل میں وہ بہت آگے نکل گئی ہے۔ گو کہ ابھی تک نعمان سے اس کا کوئی جسمانی تعلق نہیں بندھا تھا لیکن جانے کن کمزور لمحوں میں وہ چپکے سے نروپا کے دل پر براجمان ہو گیا تھا؟

اب وہ واقعی اس کی ضرورت محسوس کرنے لگی تھی.....

''اے بھگوان!..... یہ مجھے کیا ہو گیا۔ اتنی کمزور نہیں تھی میں.....''

اس نے دل ہی دل میں کہا اور اپنی اسی سوچ سے لرز کر رہ گئی۔

کیا وہ اس کھیل کو اشیش کمار کی خواہشات کے مطابق جو اس کے لئے احکامات کا درجہ رکھتی تھیں آگے بڑھا پائے گی؟ کہیں وہ خود تو تماشا نہیں بن کر رہ جائے گی؟

نروپا یہی کچھ سوچ رہی تھی جب اچانک فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف لائن پر نعمان موجود تھا۔ نعمان کی ''ہیلو'' سنتے ہی اس کا سارا بدن جھنجنا اٹھا۔ اسے یوں لگا جیسے اچانک ہی کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہو.....

''کہاں تھے تم نعمان''؟

اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ خود ہی حیران رہ گئی اس نے نعمان کے ساتھ ''صاحب'' کا صیغہ استعمال نہیں کیا تھا۔

''بس اچانک جانا پڑا۔ بھئی ہمارا کام ہی ایسا ہے..... آج کل ''سارک میلے'' کی تیاریاں ہو رہی ہیں ناں..... بس اسی سلسلے میں.....''

نعمان کی نامکمل بات اس نے کاٹ دی۔

''اوہ نعمان مجھے بتا کر تو جاتے..... فون تو کر سکتے تھے ناں کولمبو سے..... جانتے ہو کتنا مس کیا ہے میں نے تمہیں''.....

''اور میں نے بھی.....''

نعمان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

نروپا اس سے بڑھ چڑھ کر گلے شکوے کر رہی تھی جیسے نعمان اس کا منگیتر یا خاوند تھا جو اسے بتائے بغیر اچانک غائب ہو گیا۔ طویل گفتگو کے بعد نعمان نے اگلے روز ملاقات کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

دھپت سنگھ نے فون کٹتے ہی ٹیپ ریکارڈ کا سوئچ آن کر دیا دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سے بہت نمایاں اور سمجھ میں آ رہا تھا۔ دھپت سنگھ کے لئے کسی کی گفتگو کو بگ Bug کرنا معمول کی کارروائی تھی اور وہ عموماً بگنگ Bugging مشین کی کارگزاری چیک کرنے کے لئے ریکارڈ شدہ گفتگو کا ٹیپ افسران بالا کو پیش کرنے سے پہلے ضرور سنا کرتا تھا تاکہ کوئی تکنیکی خرابی آ رہی ہو تو سے ''باس'' کی ڈانٹ سے پہلے ہی سنوار لے..... اس نوعیت کی گفتگو اس کے لئے بڑی دلچسپ ہوا کرتی تھی جس کے بعد وہ اپنے مطلب کی باتیں نکال کر اپنے Subject سبجیکٹ کو بلیک میل بھی کیا کرتے تھے.....

یہ سب اس کی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں میں شامل تھا اور معمولی کارروائی سے زیادہ اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

لیکن..... اس روز ٹیپ سننے کے بعد نجانے کیوں اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

''کہیں یہ سالی الٹے نعمان کے جال میں تو نہیں پھنس رہی''؟

اچانک ہی ایک سوال اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

گفتگو کی بے ساختگی دھپت سنگھ جیسے مہا کلاکار کو یہ بتانے اور سمجھانے کو کافی تھی کہ یہ نروپا رائے کی صرف ''پروفیشنل اپروچ'' نہیں معاملہ اس سے آگے بڑھ چکا ہے۔ اور یہ خطرے کا سگنل تھا!

اس کا جذبہ حسد جاگ اٹھا۔ کچھ روز پہلے کی ہزیمت نے اس حسد کو مزید ہوا دی اور اس کو اپنے نمبر بنانے کی فکر دامنگیر ہوئی۔

اشیش کمار نے لال قلعہ والے واقعہ کے بعد اس کی اچھی خاصی خبر لی تھی۔ دھپت سنگھ کو اپنے گزشتہ کیریئر میں اس نوعیت کی ڈانٹ ڈپٹ کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

وہ اس بے عزتی کا ذمہ دار صرف اور صرف نروپا رائے کو گردان رہا تھا۔ کسی بھی لمحے اس سے بدلہ لینے کے لئے بے چین بھی ہو رہا تھا۔ اور آج وہ لمحہ آ گیا تھا..... اس نے ایک دو مرتبہ نہیں دس مرتبہ دونوں کی ریکارڈ شدہ گفتگو سنی تھی اور اس کا تجربہ چیخ چیخ کر دھائی

دے رہا تھا کہ یہ صرف اوپر اوپر کی باتیں نہیں۔ نروپا رائے اس گورے چٹے اور کسرتی بدن کے کلچرل اتاشی کے عشق میں گرفتار ہے اور عین ممکن ہے اب وہ نروپا رائے کے ہاتھوں استعمال ہونے کے بجائے نروپا رائے کو اپنے لئے استعمال کرنا نہ شروع کر دے۔

''اب آیا شکار چھری کے نیچے''

اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور ریکارڈ شدہ گفتگو کا کیسٹ محفوظ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

دو گھنٹے بعد وہ سیف ہاؤس میں اشیش کمار کے سامنے بیٹھا اپنی کارگزری بیان کرنے کے بعد اپنے تجربے کے حوالے سے اپنے تحفظات کا اظہار کر رہا تھا۔ اشیش کمار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد ٹیپ کو دوبارہ چلا دیا وہ وقفہ وقفہ سے ٹیپ ریکارڈ کو روکتا اور چلاتا رہا۔ درمیان میں وہ اچانک کچھ سوچنے لگتا۔

چار پانچ مرتبہ یہ عمل دھرانے کے بعد اشیش کمار کسی خاص نتیجے پر پہنچ گیا۔ یہ اس کا کمال فن تھا کہ وہ اپنے دل و دماغ میں قائم کردہ اندازہ کو اپنے ماتحت پر اس وقت تک ظاہر نہیں کرتا تھا جب تک کہ وہ صد فی صد سچ ثابت نہ ہو جائے اور اس مرتبہ بھی اس نے ایسا ہی کیا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا..... ایسی کوئی بات نہیں''.....

اس نے خلاف توقع کہا اور دھپت سنگھ گھبرا گیا۔

''سر! میرا مطلب اصل میں یہ نہیں تھا۔ میں تو.....''

''میں جانتا ہوں دھپت سنگھ تمہارا کیا مطلب تھا..... اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم نے ایک اچھے انٹیلی جنس آفیسر کی طرح تصویر کے دونوں رخ سامنے رکھے ہیں..... دیکھو مسٹر سنگھ مجھے مشین کی طرح صرف کام کرنے والے نہیں بلکہ دماغ سے سوچنے اور سمجھنے والے لوگ زیادہ پسند ہیں..... ہم پولیس والے نہیں جو صرف احکامات پہ ڈنڈا اٹھا کر عمل

کرتے ہیں۔ ہمیں ان سے کچھ مختلف ہونا چاہئے دھپت سنگھ..... کچھ مختلف..... ہمیں اس سے کام لینا ہے اس سے''.....

اس نے دھپت سنگھ کی بات کاٹتے ہوئے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔

''یس سر''.....

دھپت سنگھ سمجھ گیا کہ وہ اشیش کمار کے دماغ میں شک کا بیج ڈالنے میں بہر حال کامیاب ہو چکا ہے اب اس بیج سے پودا پھوٹتا ہے یا نہیں؟..... اس کا بہر حال اسے انتظار رہتا۔

''ٹھیک ہے..... ویل ڈن..... بہت اچھا جا رہے ہو..... لیکن صرف اس حد تک جانا جہاں تک جانے کی تمہیں اجازت دی گئی ہے..... میری بات سمجھ گئے ناں''.....

اشیش کمار نے اسے چتاونی دیتے ہوئے کہا۔

''یس سر''.....

دھپت سنگھ کچھ گھبرایا لیکن سنبھل گیا۔

''اب تم جاؤ''.....

اگلا حکم موصل ہوا اور دھپت سنگھ وہاں سے چمپت ہو گیا۔

☆☆☆

ودیالے سے نکل کر وہ معمول کے مطابق اپنی کار میں گھر جا رہی تھی۔ کار کے شیشے میں اسے اپنے تعاقب میں آتا دھپت سنگھ بخوبی دکھائی دے رہا تھا۔ گو کہ نروپا رائے کے لئے یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں تھی اسے اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ اس کی کوئی بھی حرکت خصوصاً ان دنوں ہیڈ کوارٹر کی نظروں سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ اور نہ صرف اس کے گھر اور آفس کے ٹیلی فون بگ ہو رہے ہیں بلکہ اس کی ہر حرکت پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ اس کی جگہ کسی اور کو بھی اگر یہ مشن سونپا جاتا تو اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اس روز نجانے کیوں وہ شدید الجھن محسوس کر رہی تھی۔ پہلی مرتبہ اسے یوں محسوس

ہو رہا تھا جیسے اس کی پرائیویسی غیر محفوظ ہو گئی ہے اور اس کی حیثیت ''را'' کے نزدیک ایک مشکوک ایجنٹ جیسی ہو کر رہ گئی ہے۔

نروپا رائے کے سر میں صبح سے ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا جس کی وجہ بیرونی سے زیادہ اندرونی تھی اس نے اپنے من پسند کافی شاپ کے سامنے گاڑی روکی یہاں وہ اکثر کافی پینے آیا کرتی تھی جس کی ضرورت آج زیادہ شدت سے محسوس کر رہی تھی گاڑی جب وہ پارکنگ میں کھڑی کر رہی تھی تو شاید دھپت سنگھ جان بوجھ کر اس کے قریب سے آگے نکلا اور موٹر سائیکل کھڑی کر کے اس کے تالے کو اس طرح الٹنے پلٹنے لگا جیسے نروپا رائے کے اندر جانے کا انتظار کر رہا ہو۔

نروپا نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور اندر چلی گئی۔ یہاں کا سٹاف اسے پہچانتا تھا لیکن کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کیا کام کرتی ہے۔ سب یہی جانتے تھی کہ نروپا رائے کسی سرکاری دفتر میں ملازم ہے۔ اپنی مخصوص سیٹ پر وہ بیٹھ گئی جو اتفاق سے خالی تھی۔ شیشے کی دیوار کے قریب موجود اس سیٹ سے وہ باہر بازار میں چیختی چلاتی زندگی کا بخوبی نظارہ کر سکتی تھی۔

کافی ہاؤس والوں کو اس کے ٹیسٹ کا علم تھا ویٹر نے مسکرا کر اسے ''نمسکار'' کیا اور کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

حیرت انگیز طور پر اس سے کچھ فاصلے پر موجود ایک سیٹ پر دھپت سنگھ آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے اور ویٹر کو آواز دے کر بلانے کا انداز بتا رہا تھا کہ جیسے وہ چاہتا ہے کہ نروپا اس کی موجودگی کا نوٹس لے..... نروپا رائے نے یہ بات محسوس کی تھی لیکن نوٹس لئے بغیر شیشے کی دیوار کے پار جھانکتی رہی۔

ویٹر نے کافی کا کپ اس کے نزدیک لا کر رکھ دیا۔ جب اس نے گردن گھما کر کپ اٹھایا تو بے اختیار اس کی نظریں دھپت سنگھ سے ٹکرائیں جو اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا اس وقت کافی شاپ میں جہاں عموماً رش رہا کرتا تھا بمشکل آٹھ دس گاہک بیٹھے تھے۔

نروپا رائے کی الجھن بڑھنے لگی۔ اسے احساس ہوا کہ دھنپت سنگھ اسے نہ صرف اپنا موجودگی کا احساس دلانا چاہتا ہے بلکہ اس سے بات کرنے کی کوشش بھی کرے گا۔

یہ کوئی سازش تو نہیں؟

اسے آزمانے کا کوئی نیا ڈھنگ؟

اس نے سوچا اور کافی کا لمبا گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے خود کو آنے والے حالات کے لئے تیار کرنے لگی۔

دھنپت سنگھ کی شکل اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔ اسے محکمانہ طور پر یہ اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ دھنپت سنگھ اسے چیک کر رہا ہے۔ بنہ ہی وہ یہ مفروضہ قائم کر سکتی تھی۔ یہ تو اس کی تربیت تھی جس نے اسے احساس دلایا تھا کہ آشیش کمار کی طرف سے اس پر نظر رکھنے کا کارنامہ یہی شخص انجام دے رہا ہے۔ اسے تو دھنپت سنگھ کے نام کا ہی علم نہیں تھا۔

اگر دھنپت سنگھ اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اس سے ''ابنارمل سلوک'' نہیں کر سکتی تھی یہ بات اس کی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کے خلاف جاتی تھی..... لیکن اگر دھنپت سنگھ اسے چیک کر رہا ہے تو وہ خود کو نروپا رائے پر ظاہر کیوں کرنا چاہتا ہے؟ یہ تو سراسر دھنپت کا احمق پن اور نالائقی تھی جس پر اس کی زبردست باز پرس ہو سکتی تھی آخر چکر کیا ہے؟

نروپا رائے کی دلچسپی بڑھنے لگی تھی۔

عین ممکن ہے کہ وہ اسے اصلیت بتا کر باہمی تعاون کی درخواست کرے تاکہ دونوں کا فائل ورک چلتا رہے اور وہ ایک دوسرے سے تعاون کر کے ایک دوسرے کا مسئلہ بھی حل کرتے رہیں۔ ایسا سننے میں آتا تھا۔ محکمے میں اس کی ایک دو مثالیں بھی اس کے علم میں تھیں۔

''کچھ بھی ہو..... دیکھا جائے گا''.....

اس نے الٹے سیدھے خیالات کو جھٹک کر کافی کا آخری گھونٹ حلق میں اتارا اور

اپنے پرس سے ایک نوٹ وہاں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کافی شاپ کے باہر اپنی گاڑی تک پہنچنے سے پہلے ہی سے احساس ہو گیا تھا کہ دھنپت سنگھ اس کے فوراً بعد ہی باہر آ گیا ہے اور ایسا ہی ہوا.....

ابھی دروازے کا لاک کھولا ہی تھا جب پشت سے ''ہیلو'' کی آواز سنائی دی۔

ذہنی طور پر پہلے سے تیار نروپا رائے نے سنبھل کر اس کی طرف دیکھا اور معمول کی مسکراہٹ اچھالتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

''معاف کیجئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں''۔

''لیکن میں آپ کو جانتا ہوں''.....

دانت نکالتے ہوئے دھنپت سنگھ نے کہا۔

''واقعی''؟

نروپا رائے نے بظاہر حیرت سے کہا۔

''جی ہاں..... آپ مشہور ڈانسنگ ودیالے والی مس نروپا رائے ہیں ناں..... مجھے کلاسیکل ڈانس سے بہت دلچسپی ہے۔''

دھنپت سنگھ نے بات آگے بڑھائی۔

''شکریہ۔ اس وقت مجھے ضروری کام ہے۔ مجھے چلنا ہوگا''.....

نروپا نے لاتعلقی کے انداز میں دروازہ کھولا۔

''پلیز مجھے کچھ وقت دیجئے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔ بہت ضروری.....''

دھنپت سنگھ نے اچانک ہی اس کے بالکل سامنے پہنچ کر کہا۔

نروپا رائے ٹھٹک گئی۔ آخر یہ شخص اسے کیا بتانا چاہتا ہے۔ اسے نروپا سے ہمدردی تو نہیں ہو رہی یا پھر وہ نروپا پر کوئی اہم انکشاف کر کے اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے چکر میں ہے۔ نروپا کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ اس جیسا خوبصورت اور انتہائی پرکشش چہرہ

اور جسم رکھنے والی لڑکی کسی بھی ریشہ خطمی مرد کی کتنی کمزوری بن سکتی ہے..... وجہ کچھ بھی رہی ہو وہ متجسس تھی۔

''کیا بات ہے''؟

اس نے دلچسپی لینے کے انداز میں پوچھا۔

''کچھ وقت دیجئے مجھے''.....

دھنپت سنگھ نے کہا۔

''ٹھیک ہے آپ کل سکول میں مل لیں مجھے۔''

نروپا رائے نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

''کتنے بجے''؟

اگلا سوال ہوا۔

''دس بجے صبح''.....

نروپا رائے نے کہا اور اس کے اگلے سوال سے بچنے کے لئے دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ونڈ سکرین سے اس نے دھنپت سنگھ کو ہاتھ باندھ کر شکریہ اور نمسکار کرتے دیکھ لیا تھا لیکن کچھ ردعمل ظاہر کئے بغیر گاڑی اسٹارٹ کر کے وہ نکل گئی۔ وہ دھنپت سنگھ پر کسی بھی طرح اپنی کوئی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

بڑی سڑک پر پہنچ کر اچانک ہی ایک خیال نے گرفت کی اور اس نے اپنے گھر جانے کی بجائے گاڑی کا رخ تبدیل کر دیا۔

☆☆☆

انسپکٹر کامنی کے فلیٹ پر پہنچنے تک اس نے ہر ممکن طریقے سے اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ دھنپت سنگھ اس کا تعاقب نہیں کر رہا۔ اس کے باوجود اگر ایسا ہو جاتا تو بھی یہ کوئی معیوب بات نہیں کیونکہ اشیش کمار نے اسے اپنے آفس کے ساتھیوں سے ملنے جلنے سے متعلق کوئی ہدایت نہیں دی تھی.....

کامنی اسے اچانک اپنے سامنے پا کر بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔ اس بات کا تو اسے اندازہ تھا کہ اس ''بزنس'' میں جب کسی لڑکی کو کسی خاص قسم کا مشن سونپا جائے تو وہ کئی کئی دن کے لئے آفس سے غائب ہو جایا کرتی ہے خود کامنی کے ساتھ بھی بھلے دنوں میں یہی کچھ ہوا کرتا تھا اس لئے اس نے کوئی حیرت ظاہر نہیں کی..... چونکہ دونوں تربیت یافتہ تھیں اس لئے انہیں علم تھا کہ انہیں آپس میں کس حد تک ایک دوسرے کو معلومات فراہم کرنا ہیں کون سی بات آن دی ریکارڈ ہے اور کون سی آف دی ریکارڈ..... اس کے ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود کامنی نے اس کے لئے چائے کا ایک کپ تیار کر دیا تھا اور اب دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔

''میڈم آپ کی ایک معاملہ میں ضرورت آن پڑی تھی''.....

نروپا نے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

''میری ضرورت.....؟ اس عمر میں.....''

اس نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بائیں آنکھ دبائی۔

''بس جانے دیجئے میڈم..... اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ اب بھی آپ کسی سے کم نہیں۔ تین چار نام تو ابھی لے سکتی ہوں میں آپ کے چاہنے والوں کے.....''

نروپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''او۔ کے او۔ کے اب زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں بتاؤ.....''

اس نے خوشگوار موڈ میں کہا۔

انسپکٹر کامنی گو کہ فورٹی پلس تھی لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اب بھی اس کا شمار ڈیپارٹمنٹ کی خوبصورت عورتوں میں کیا جاتا تھا۔ یہ تو اپنے خاوند سے علیحدگی کے بعد اس نے خود کو میک اپ وغیرہ سے قدرے بے نیاز کر لیا تھا ورنہ آج بھی اس کے کئی امیدوار موجود تھے۔

آفس میں اس کی شہرت ایک مہربان اور تعاون کرنے والی آفیسر کی تھی چونکہ اب

وہ فائل ورک ہی کرتی تھی اس لئے سب کو اس کی ضرورت رہتی تھی خصوصاً آفس کارسپانڈنٹ کے لئے تمام نئی لڑکیاں میڈم کامنی کے گرد جمع رہتی تھیں۔ شاید وہ واحد ایسی انسپکٹر تھی جس کی سالگرہ اس کے دفتر میں گزشتہ سات سال سے باقاعدگی سے منائی جارہی تھی جس میں ڈائریکٹر کی سطح کے لوگ بھی شامل ہوا کرتے تھے۔

فائل ورک کے حوالے سے چونکہ انسپکٹر کامنی کا آنا جانا ڈیپارٹمنٹ کے قریباً ہر آفس میں لگا رہتا تھا اور وہ بہرحال نروپا رائے سے بہت زیادہ معلومات رکھتی تھی۔

نروپا اس سے دھنپت سنگھ کا جغرافیہ معلوم کرنے آئی تھی۔ یہ اس کا کمال تھا کہ جس شخصیت کو وہ ایک مرتبہ دیکھ لیتی اس کی تصویر اپنے دماغ پر نقش کرلیا کرتی تھی۔ اپنی اسی شاندار Observation کی بنیاد پر ہی اسے ''را'' میں جاب ملی تھی۔ نروپا کو یقین تھا کہ ڈھلتی عمر کی نرم دل انسپکٹر کامنی جس نے اس ڈیپارٹمنٹ مین زندگی کے پندرہ سال بسر کرنے کے بعد بہت سے نشیب وفراز دیکھ رکھے ہیں ضرور اس سے تعاون کرے گی۔

''میڈم مجھے ایک شخص سے متعلق معلومات چاہئیں۔''

اس نے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

''کیا ارادے ہیں؟''.....

کامنی نے حسب عادت مسکراتے ہوئے آنکھ دبائی۔ وہ نئی لڑکیوں سے اسی طرح دل لگی کیا کرتی تھی۔

''کچھ پرسنل ہے''.....

نروپا رائے نے بڑے لائٹ موڈ میں کہا۔

''پرسنل''.....

کامنی نے الفاظ چباتے ہوئے کہا اور بے اختیار ہنس دی۔

دو چار مذاق کی باتیں کرنے کے بعد نروپا رائے نے اس کے سامنے دھنپت سنگھ کا حلیہ بیان کرنا شروع کردیا۔

''بس۔بس۔بس..... سمجھ گئی میں..... کہاں ملا تھا یہ سالا تمہیں''.....

میڈم کامنی نے قدرے غصے سے پوچھا۔

''ایک آپریشن پر۔ ہم اکٹھے کام کررہے تھے''.....

نروپا رائے نے کہا۔

''دھنپت سنگھ نام ہے ناں اس کا.....''

کامنی نے اپنی بات کا آغاز کیا اور نروپا نے ہونقوں کی طرح خوامخواہ سر ہلا دیا۔

اس کے بعد کامنی نے دھنپت سنگھ کے کارنامے بتانے شروع کئے۔ وہ دھنپت کے ساتھ کسی آفس میں دو سال تک کام کرچکی تھی۔

کامنی کے ذریعے اسے علم ہوگیا کہ خوبصورت عورت دھنپت سنگھ کی کتنی بڑی کمزوری ہی اور اس کی خلوت حاصل کرنے کے لئے وہ کہاں تک جاسکتا ہے۔ کامنی نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ دھنپت سنگھ کے سائے سے بھی بچ کر رہے کیونکہ عورتوں کا یہ شکاری جس عورت کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑ جائے اسے حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی کرسکتا ہے۔

''بہت مکار بہت خطرناک..... حرامی ہے حرامی!''

کامنی اس کے سامنے دھنپت سنگھ کے نام پر اس طرح نفرت سے تبصرہ کررہی تھی جیسے ذاتی طور پر اسے دھنپت کا تجربہ رہا ہو.....

''تھینک یو میڈم..... بہت شکریہ۔ میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی..... پلیز Take it off the record.....''

اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ میڈم کامنی کو وہ یوں تاثر دے رہی تھی جیسے اس نے نروپا کی زندگی تباہ ہونے سے بچالی ہو اور کامنی اسے دروازہ تک چھوڑتے ہوئے بھی تلقین کررہی تھی کہ وہ اس وحشی درندے سے بچ کر رہے.....

تھوڑی دیر بعد نروپا رائے قدرے مطمئن اپنے گھر کی طرف جارہی تھی۔ اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ دھنپت سنگھ اس کے نزدیک آنے کے لئے کوئی ڈرامہ کرے گا کیونکہ

یہ بات دنوں جانتے تھے کہ اس ''ملاقات'' کا انکشاف دونوں میں سے جس نے بھی آشیش کمار کے سامنے کیا وہ پھنس جائے گا۔ اس کے نزدیک دونوں مشکوک ہو جائیں گے۔

نروپا رائے نے دھنپت سنگھ کے عزائم کا اندازہ کرنے کے بعد کم از کم اس بات کا فیصلہ ضرور کر لیا تھا کہ وہ دھنپت سنگھ کی مرضی کے میدان میں کھیلنے کے بجائے اسے اپنی مرضی کی وکٹ پر کھلائے گی۔ اسے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد تھا۔ اس نے زندگی کا سارا سفر اسی اعتماد کے بل بوتے پر طے کیا تھا۔

''اُلو کا پٹھا''

اپنے بستر پر گرتے ہوئے اس نے دھنپت سنگھ کو القاب سے نوازا اور سرہانے رکھے فون سے نعمان کا نمبر ملانے لگی..... نعمان سے کچھ دیر باتیں کر کے وہ اپنا موڈ ہلکا کرنا چاہتی تھی لیکن خلاف توقع دوسری طرف آنسرنگ Answering مشین چل رہی تھی جس کے ذریعہ اس سے معذرت کرتے ہوئے درخواست کی جا رہی تھی کہ گھنٹی کی آواز سننے کے بعد اپنا نام اور پیغام چھوڑ دے واپسی پر سے فون کیا جائے گا۔

نروپا رائے نے صرف اپنا نام بتا کر فون بند کر دیا..... بستر پر لیٹے لیٹے اس نے کروٹ بدل کر سرہانے دھرا ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول اٹھایا اور مختلف چینلز پر طبع آزمائی کرنے لگی۔

☆☆☆

اگلے روز ٹھیک دس بجے دھنپت سنگھ اس کے دفتر میں موجود تھا۔

نروپا رائے اس کے استقبال کی مکمل تیاری کر چکی تھی اور اب خاصی مطمئن ہو کر بیٹھی تھی۔

''آپ وقت کے پابند ہیں..... کوئی سرکاری ملازم لگتے ہیں''.....

نروپا نے اس کے اپنی طرف بڑھے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے نمسکار کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں..... بہت صحیح اندازہ لگایا آپ نے.....''

دھنپت سنگھ خاصا ڈھیٹ دکھائی دیتا تھا اور نروپا رائے کو اس کی ہی توقع بھی تھی۔

''فرمایئے..... میرے لائق کوئی کام''.....؟

نروپا کا لہجہ بدستور سنجیدہ تھا۔

''پہلے آپ یہ سن لیجئے.....''

دھنپت جس کے ہونٹوں پر بدستور زبردستی کی مسکراہٹ جمی تھی ڈھٹائی سے بولا اور ایک کیسٹ اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ کیا ہے؟ آپ کیا پیشہ ور گائیک ہیں یا.....''

نروپا نے انجان بنتے ہوئے پوچھا.....

''اسے سننے کے بعد آپ کو تمام سوالوں کا جواب مل جائے گا..... ویسے میں گائیک نہیں آپ جیسا بلکہ آپ ہی میں سے ایک ہوں''۔

دھنپت حسب دستور مسکرا رہا تھا۔ نروپا چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ اس گدھے کی طرف سے فوراً اپنی اصلیت کا انکشاف اس کے لئے حیران کن تھا کیونکہ یہ ان کی تربیت اور اصولوں کے بالکل برعکس تھا۔

''میرے پاس کیسٹ پلیئر نہیں ہے''۔

نروپا نے سنبھل کر کہا۔

''اس کا بندوبست ہے میرے پاس''

یہ کہتے ہوئے دھنپت نے اپنے بریف کیس سے ایک چھوٹا کیسٹ پلیئر نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ ''بیٹری ہے اس میں۔ آپ استعمال کر سکتی ہیں''..... اس نے کیسٹ پلیئر نروپا کے قریب کر دیا۔

نروپا نے کیسٹ اسی میں ڈالی اور بٹن آن کر دیا دھنپت سنگھ کی توقعات کے برعکس جب نروپا نے اپنی اور نعمان کی باتیں سنیں تو وہ گھبرانے کے بجائے

مسکرانے لگی۔ سوئچ اس نے آف کر دیا اور استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ اشیش کمار نے مجھے آپ کی نگرانی پر لگا رکھا ہے''.....

دھنپت سنگھ قدرے سیریس ہو گیا۔

''ویل''.....

نروپا نے صرف اتنا ہی کہا۔

''میں نے سوچا ہمارے درمیان معاملات طے پا جائیں تو زیادہ اچھا ہے''.....

دھنپت نے بات آگے بڑھائی۔

''کیسے معاملات مسٹر دھنپت سنگھ''.....

اس نے اچانک ہی دھنپت سنگھ کو اس کا نام لے کر چونکا دیا۔ دھنپت سمجھ گیا کہ نروپا نے ''ہوم ورک'' کر لیا ہے۔ لیکن یہ اس کے لئے نئی بات نہیں تھی اسے جال کاٹ کر بھاگ نکلنے والی مچھلیوں کا شکار کرنے میں زیادہ مزہ آتا تھا۔

''یہ گفتگو ظاہر کرتی ہے کہ آپ نعمان کے ساتھ صرف پروفیشنل نہیں رہیں معاملہ اس سے آگے نکل گیا ہے..... جو ثابت کر سکتا ہے کہ آپ ''ڈبل کراس'' بھی کریں گی''.....

دھنپت نے پہلا حملہ کیا۔

''ہوں ں ں..... تو یہ بات ہے آپ کیا چاہتے ہیں مجھ سے.....''

اس نے نارمل لہجے میں پوچھا۔

''ڈیل Deal''.....

دھنپت مسکرایا۔

''لیکن کیا؟ ظاہر ہے میرے پاس دینے کے لئے پیسے تو ہیں نہیں''.....

نروپا بالکل نارمل تھی۔

''ارے صاحب کس کافر کو پیسے چاہئیں وہ تو ہم آپ پر لگائیں گے۔ دراصل مس نروپا رائے آپ جیسی خوبصورت عورتیں بہت بڑی کمزوری ہیں۔ جہاں

سے آپ کو میرے نام کا علم ہوا ہے وہاں سے شاید میری شہرت بھی جان گئی ہوں گی۔ مجھے پیسہ نہیں آپ کا قرب چاہئے.....''

دھنپت کی رال ٹپکنے لگی۔

''تو آپ مجھے بلیک میل کرنے آئے ہیں کہ اگر میں نے آپ کی گندی خواہش پوری نہ کی تو آپ اس کیسٹ کو ڈیپارٹمنٹ میں میرے خلاف استعمال کریں گے''.....

نروپا کی سنجیدگی اور بے خوفی سے دھنپت سنگھ کو الجھن ہونے لگی تھی۔

''ہاں..... اشیش کمار کو آپ جانتی ہیں..... معمولی شک پر آپ کا کیا انجام ہو گا اس کا بھی آپ کو علم ہے..... ابھی تک میں نے یہ کیسٹ آن دی ریکارڈ نہیں کی..... صرف میرے اور آپ کے درمیان ہے..... اور آپ چاہئیں تو..... یہ تو آپ جانتی ہی ہیں نا کہ میں Bugging بگنگ ایکسپرٹ سمجھا جاتا ہوں اور میری ماہرانہ رائے تسلیم بھی کی جاتی ہے۔ اس کیسٹ سے میں ثابت کر سکتا ہوں کہ آپ اپنے مشن سے ہٹ کر دشمن کی ایجنٹ بن رہی ہیں''.....

اس نے اپنی دانست میں بڑا گہرا وار کیا تھا۔

''مسٹر دھنپت آپ انتہائی بد دیانتی کا مظاہرہ کر رہے ہیں..... آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے اس طرح تو ہمارا سارا سسٹم ہی تباہ ہو جائے گا''.....

''او ہو..... آپ تو خوامخواہ جذباتی ہو رہی ہیں..... دیکھئے مس نروپا رائے کسی کے ساتھ رات گزارنا آپ کے لئے کوئی نیا کام نہیں..... کوئی ستی ساوتری نہیں ہیں آپ اور پھر اُس پاکستانی کے مقابلے میں تو مجھے ٹھکرانا زیادتی ہے''.....

دھنپت بھی بڑا پکا کھلاڑی تھا۔

نروپا نے اب باقاعدہ گھبرانے اور خوفزدہ ہونے کی اداکاری شروع کر دی تھی اور دھنپت دل ہی دل میں مطمئن ہو کر اس کے ساتھ اپنی آنے والی رات کے سپنوں میں گم ہو رہا تھا۔

''پلیز آپ اب جایئے..... میں کل آپ کو جواب دوں گی''.....

اس نے دھنپت سے بڑی عاجزی اور گھبراہٹ سے کہا۔

''ٹھیک ہے..... لیکن کل..... میرا مطلب ہے پرسوں نہیں..... اور ہاں! کل کیسے جواب دیں گی..... میرا مطلب ہے فون تو غیر محفوظ طریقہ ہے ناں.....''

اس نے مسکراتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''آپ کل اسی وقت یہاں آ جایئے.....'' نروپا نے جواب دیا۔

دھنپت کچھ سوچنے لگا وہ براہ راست نروپا کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا جہاں اسکے لئے گھبراہٹ اور خوف کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔

''کوئی بھی ہوشیاری آپ کے لئے کتنی بری ثابت ہوگی اس کا اندازہ آپ کو ہو گیا ہوگا..... اور ہاں یہ مت بھولنا کہ میں بھی تمہاری طرح پروفیشنل ہوں۔ بہت پرانا کھلاڑی ہوں میں اس میدان کا''.....

اب وہ براہ راست دھمکی دے رہا تھا۔

دروازے پر آہٹ سے دونوں نے جان لیا کوئی اندر آنا چاہتا ہے۔

''او۔ کے مسٹر دھنپت۔ کل ملاقات ہوگی''.....

نروپا نے کھڑے ہو کر کہا۔

''او۔ کے''.....

دھنپت نے دروازہ کھولا۔ سامنے سکول کی ملازمہ شاید اس کے لئے کوئی پیغام لے کر آئی تھی۔ دھنپت باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ملازمہ سے نمٹ کر نروپا رائے نے اسے رخصت کیا اور کمرے کے دروازے کو اندر سے لاک کر دیا۔ اب وہ میز کے دوسرے کونے پر اس کرسی پر بیٹھ گئی جس پر تھوڑی دیر پہلے دھنپت سنگھ براجمان تھا۔ اپنا دایاں ہاتھ بڑھا کر اس نے میز کی نچلی سطح پر کرسی کے

بالکل سامنے ٹیپ سے چپکایا ہوا وہ بمشکل دو تین انچ کا ریکارڈنگ مائیک اتار لیا جس سے منسلک تار اسی طرح ٹیپ سے چپکا اسکے دراز تک گیا تھا۔ اس دراز میں ایک انتہائی حساس ٹیپ ریکارڈ موجود تھا جس کے ذریعے اس نے دھنپت سنگھ کی ساری دھمکیاں اپنے پاس ریکارڈ کر لی تھیں۔ میڈم کامنی سے ملاقات کے بعد اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ دھنپت سنگھ اس سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی.....!!

ان کے ڈیپارٹمنٹ میں لڑکیوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے اور بلیک میلنگ کے ذریعے گھناؤنے مقاصد حاصل کرنے کا کوئی نہ کوئی واقعہ دو تین ماہ بعد منظر عام پر آتا رہتا تھا۔ ایسا کوئی بھی واقعہ صرف اس صورت میں منظر عام پر آتا تھا جب فریقین میں سے کوئی ایک طیش میں آتا یا غیر معمولی بے احتیاطی کا مظاہرہ کرتا بصورت دیگر ایسی درجنوں آف دی ریکارڈ باتیں لڑکیاں ایک دوسری کو سناتی رہتی تھیں۔

نروپا کے لئے کسی مرد کی خواہشات پوری کرنا بھی کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا لیکن وہ دھنپت سنگھ کی بلیک میلنگ کے سامنے جھکنے والی نہیں تھی۔ دھنپت سنگھ نے اس سے متعلق صحیح معلومات بھی حاصل نہیں کی تھیں ورنہ شاید وہ دوسری لڑکیوں کی طرح نروپا رائے کو ''سافٹ ٹارگٹ'' نہ سمجھتا۔

نروپا رائے کی انا پرستی سے اس کے ہمکار بخوبی آگاہ تھے اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اپنی مرضی کے بغیر وہ شاید ڈی جی کے ساتھ بھی ڈیٹ Date پر جانا پسند نہ کرے۔

نروپا نے ٹیپ ریکارڈر میں موجود کیسٹ کو دو تین مرتبہ چلا کر چیک کر لیا تھا۔ حساس ریکارڈنگ سسٹم نے دھنپت سنگھ کی تمام دھمکیاں ریکارڈ کر لی تھیں اور اب وہ جوابی حملے کے لے پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔

☆☆☆

اگلے روز دھنپت سنگھ طے شدہ وقت سے پانچ منٹ پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا۔ نروپا سامنے بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

''بہت اتاولے ہو رہے ہو تم..... وقت سے پانچ منٹ پہلے ہی چلے آئے''.....

اس نے بیٹھے بیٹھے مسکراہٹ اچھالی۔

''میری بیقراری کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتی ہو''.....

دھنپت سنگھ نے بے شرمی سے دانت نکالے اور سامنے بیٹھ گیا۔

''وہ تو میں نے کل ہی لگا لیا تھا مسٹر دھنپت سنگھ''.....

نروپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا حکم ہے پھر داس (غلام) کے لئے''.....

دھنپت نے مسخروں کی طرح جھکتے ہوئے کہا۔

''مسٹر دھنپت! کل تمہاری آمد میرے لئے ایک ''سرپرائز'' تھی..... لیکن اتنا بڑا نہیں کیونکہ مجھے کچھ اندازہ ہو گیا تھا۔ تمہاری شہرت جان چکی تھی ناں میں..... لیکن آج میں تمہیں ایسا سرپرائز دوں گی کہ جو شاید اس سے پہلے تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ رہا ہو.....''

اس نے اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھا نہیں''.....

دھنپت کو واقعی ابھی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''کیسٹ پلیئر تو تمہارے بریف کیس میں موجود رہتا ہے ہر وقت.....''

نروپا نے اگلا سوال کیا۔

''ہاں..... لیکن.....''

اس کی حیرانگی برقرار تھی۔

''نکال لو..... اور یہ کیسٹ بھی سن لو''.....

اس نے اپنے دراز سے ایک کیسٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔

دھنپت سنگھ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب نروپا نے آگے بڑھ کر اپنے کمرے کا دروازہ لاک کر دیا۔

''نخرے دکھا رہی ہے سالی..... یہ تو مجھ سے بھی زیادہ جلدی میں دکھائی دیتی ہے ..... کوئی ادا ہو گی اس کی''.....

ہوس کے مارے دھنپت سنگھ نے سوچتے ہوئے کیسٹ پلیئر نکالا اور اس میں کیسٹ چلا کر سننے لگا۔ اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ نروپا رائے اسکی پشت پر پہنچ چکی ہے۔

جوں جوں کیسٹ چل رہی تھی دھنپت کا غصہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ اس نے ختم ہونے سے پہلے ہی سوئچ آف کر دیا۔

''Bitch کتیا''.....

غصے سے کھولتے ہوئے اس نے کہا اور لاشعوری طور پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن اگلے ردعمل کا اسے قطعاً اندازہ نہیں تھا۔

نروپا رائے نے اس کے منہ پر الٹے ہاتھ سے گھومتے ہوئے اتنا زوردار پنچ مارا کہ دھنپت کو اپنی بتیسی ٹوٹنے کا احساس ہوا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ نروپا مارشل آرٹس کی خصوصی تربیت حاصل کر چکی ہے۔

گالیاں بکتے ہوئے وہ پلٹ کر نروپا رائے پر حملہ آور ہوا لیکن اگلے دو منٹ بعد اسے یوں لگا جیسے یہاں مزید چار پانچ منٹ رکنے کے بعد وہ زندگی بھر اپنے قدموں پر چل کر جانے کے قابل نہیں رہے گا۔ اس کا منہ خون سے بھر گیا تھا..... اور ناک سے خون کسی بھی لمحے باہر آنا چاہتا تھا۔

بے بسی اور غصے سے وہ بے دم ہو کر دیوار سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گیا۔

''دفع ہو جاؤ''.....

نروپا نے دروازے کی کنڈی کھول دی۔

غصے سے نیم پاگل لیکن خوفزدہ دھنپت سنگھ نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور منہ پر رومال رکھ کر تیزی سے بغیر کچھ کہے باہر نکل گیا۔ اپنا کیسٹ پلیئر اور کیسٹ وہ یہیں چھوڑ گیا تھا۔

''اُلو کا پٹھا''.....

نروپا رائے بڑبڑائی اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اُس نے ٹانگیں میز پر رکھ دیں۔

دو منٹ بعد وہ نارمل ہو چکی تھی۔

☆☆☆

اُس کی توقعات کے عین مطابق دھنپت سنگھ نے دوبارہ اُس سے ملاقات نہیں کی تھی لیکن اس حادثے کے بمشکل پانچویں ہی دن اچانک اشیش کمار نے اُسے طلب کر کے اگلا حکم سنا دیا۔ انڈین انٹیلی جنس اپنی کسی ہزیمت کا بدلہ چکانے کے لئے کسی پاکستانی سفارتکار کی ہڈی پسلی برابر کرنے کا منصوبہ بنا چکی تھی۔ ظاہر ہے اس کے لئے نعمان سے اچھا شکار کون ہو سکتا تھا؟

نعمان کو دھوکے سے بلا کر اشیش کمار نے اس گھناؤنے منصوبے پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے اس طرح پاکستان انٹیلی جنس کو بڑا ''سٹرانگ میسج'' (Strong Message) پہنچے گا اور اُن کی جھوٹی انا کی بھی اچھی خاصی تسکین ہو جائے گی۔

یہ کارنامہ نروپا رائے کے ذریعے انجام پانے والا تھا.....!!

.....☆.....

نعمان کے لئے انکار ممکن ہی نہیں تھا۔ جب نروپا نے اُسے اپنی سالگرہ کے متعلق بتایا اور ساتھ ہی یہ بھی انکشاف کر دیا کہ وہ اس مرتبہ سالگرہ صرف اُس کے ساتھ تنہائی میں منائے گی۔

''میں چاہتی ہوں یہ لمحات زندگی کے یادگار لمحات بن جائیں''

اس نے نعمان کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے کہا۔ نعمان کو نروپا کی گرم سانسوں کا احساس اپنی گردن اور شانوں پر ہو رہا تھا۔ خود اُس کے لئے خود کو سنبھالے رکھنا کار دارد تھا۔

''کیا میں کبھی اتنا کمزور بھی ہو جاؤں گا''

اُس نے خود سے سوال کیا اور کچھ شرمندگی اپنے آپ سے محسوس کرنے لگا۔

''خود کو سنبھالو برخوردار کہیں.....''

کسی نادیدہ طاقت نے اُس کے کانوں میں سرگوشی کی.....اور وہ سنبھل گیا۔

نروپا کی بانہیں اُس نے آہستگی سے اپنے گلے سے الگ کیں اور اُس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''نروپا تم نے مجھے بہت بے بس کر دیا ہے۔ معلوم نہیں میں تمہاری کسی بھی بات کو انکار کیوں نہیں کرتا''۔

اور نروپا مسکرا دی۔

نعمان اندازہ نہ کر سکا اُس لمحے نروپا کس کرب سے گزر رہی تھی۔ اُس کی یہ مسکراہٹ نعمان سے زیادہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے لئے تھی۔

ایک بے نام سی خلش نے نروپا کو کچھ دنوں سے کچھ زیادہ ہی بے چین کر دیا تھا۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ نعمان کو دھوکہ دے رہی ہے حالانکہ یہ اُس کا بزنس تھا اور اس کھیل میں اُسے مہارت حاصل تھی لیکن نروپا اس کیفیت سے خود کو چھٹکارا نہ دلا سکی۔

نعمان نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگلے روز شام کو جب وہ نروپا کی سالگرہ کے لئے ملیں گے تو ایسے ہی نازک لمحات میں وہ نروپا کو اپنے لئے کام کرنے کی پیشکش کر دے گا۔ اُس نے اپنی دانست میں نروپا پر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی cultivation کر لی تھی اور اب اس ''زرخیز زمین'' پر وہ اپنی مرضی کا بیج بڑی آسانی سے ڈال سکتا تھا۔

اُس روز دونوں بڑے بھرپور اور جذباتی انداز میں ایک دوسرے سے الگ ہوئے تھے۔ دونوں کے لئے اگلا دن دونوں کے بڑے امتحان کا دن تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر بڑی بھرپور گھات لگائی تھی اور اب ایک دوسرے کا شکار کھیلنے جا رہے تھے۔ اس بات سے دونوں ہی بے خبر تھے کہ وہ دراصل اپنا شکار ہو چکے ہیں۔

نروپا نے طویل مدت کے بعد اُس رات اپنے ضمیر کی خلش سے نجات حاصل کرنے کے لئے شراب کا سہارا لیا تھا۔

تقریباً دو سال پہلے اس نے اس عزم کے ساتھ شراب چھوڑی تھی کہ اب زندگی بھر کبھی اسے ہاتھ نہیں لگائے گی۔ لیکن اُس کا اپنے آپ سے کیا یہ وعدہ کانچ کے گلاس کی

طرح ٹوٹ گیا۔ سرِ شام ہی وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی اور ٹی وی کے ریموٹ پر مسلسل طبع آزمائی کرتے کرتے اب تنگ آ گئی تھی۔

تین چار مرتبہ تو اُس کی ماں نے نروپا کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا کر اُسے کھانے کی دعوت دی لیکن اُدھر سے مسلسل انکار کے بعد وہ بھی زچ ہو کر اپنے کام میں لگ گئی۔

رات دو پہر بیت چکی تھی جب نروپا نے اپنے گھر کے ڈرائنگ روم کے کونے میں بنے ایک چھوٹے سے بار روم سے باپ کی پسندیدہ شرابوں کی ایک بوتل سے اپنے لئے بڑا پیگ بنایا اور چپکے سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ بے سدھ ہو کر سو گئی۔ نروپا کی آنکھ سرہانے دھرے ٹیلی فون کی گھنٹی مسلسل بجنے کے شور سے کھلی اور اُس نے سب سے پہلے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے سامنے دیوار سے لگی گھڑی پر نظر ڈالی تو اُسے زوردار جھٹکا لگا۔

صبح کے نو بج رہے تھے۔

اس وقت اُسے اپنے آفس میں ہونا چاہئے تھا اور وہ سو رہی تھی۔ فون اٹھانے پر دوسری طرف سے اشیش کمار کی آواز نے اُس کے چودہ طبق روشن کر دیے۔

''سو رہی ہو کیا ابھی تک''

اشیش کمار کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور دماغ کو زوردار جھٹکا لگا۔

''نو سر! یس سر!..... وہ سر! دراصل رات ''ہون'' کیا تھا ناں''

اُس نے جس طرح گھبراتے ہوئے یہ بات کہی اُس سے وہ بخوبی اندازہ لگا سکتی تھی کہ اشیش کمار نے اُس کا جھوٹ پکڑ لیا ہے۔

"Get ready Bab"

خلاف توقع اشیش کمار نے اپنی امریکن سٹائل انگریزی کا مظاہرہ کیا۔

"Coming Sir"

اُس نے سکھ کا لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی گھبراؤ نہیں..... بارہ بجے تک پہنچ جانا..... فائنل بریفنگ کے لئے''
اشیش کمار نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

نروپا نے جھٹکے سے خود کو بستر سے الگ کیا اور باتھ روم میں جا گھسی۔ عرصہ بعد کی گئی شراب نوشی کی وجہ سے اُس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔ تیز اور کڑوی کافی کے تین چار بڑے بڑے گھونٹ بھر کر اُس نے سر درد سے نجات حاصل کی اور ڈرائنگ روم میں چلی آئی جہاں سوائے خانساماں کے اور کوئی موجود نہیں تھا۔ اُس کے تینوں بہن بھائی اپنے کالجوں میں، ماتا پتا اپنے اپنے بزنس پر جا چکے تھے۔

''بہت دیر کر دیا میڈم آج''
بنگالی خانساماں نے اُسے مطلع کیا۔

'''سوری''.....

خاندانی ملازم کے سامنے اس سے زیادہ وہ کیا کہتی۔

خانساماں نے اُس کے سامنے ناشتہ پروستے (رکھتے) ہوئے اُسے یہ اطلاع بھی دے دی تھی کہ سب نے اُس کا ناشتے کی میز پر بہت انتظار کرنے کے بعد ناشتہ کیا تھا۔

کار کو قریباً وہ اُڑاتی ہوئے آفس پہنچی تھی۔ اتنے دنوں بعد اُسے اپنے درمیان پا کر اُس کے باقی ساتھی خاصے خوش دکھائی دے رہے تھے۔ ٹھیک بارہ بجے وہ بریفنگ ہال میں موجود تھی جہاں اشیش کمار اُس ٹیم کے ساتھ جس نے نعمان کی ٹھکائی کرنی تھی موجود تھا۔

اُس نے ٹیم کے اراکین اور نروپا کو آخری بریفنگ میں ساری پلاننگ سمجھانے کے بعد سختی سے اس بات کی ''چیتاونی'' دے دی تھی کہ اُن میں سے کوئی بھی ہرگز پریس کے ہاتھ نہیں آئے گا اور کسی بھی مرحلے پر اپنی شناخت نہیں بتائیں گے۔ ایمرجنسی کی صورت میں ایجنسی خود ہی تمام معاملات کو کنٹرول کر لے گی۔

نروپا کے لئے تشویش کی بات یہ تھی کہ اس گروپ کی کمان دھنپت سنگھ کر رہا تھا جس نے اس مسئلے کو بالکل پرسنل بنا لیا تھا اور وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ جب دھنپت سنگھ جیسے

بھیڑیے کے سامنے ہاتھ پاؤں باندھ کر نعمان کو پھینکا جائے گا تو وہ اُس سے کیا سلوک کرے گا۔

☆☆☆

میٹنگ برخاست ہونے کے بعد سب اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل دیئے۔

نجانے کیوں نروپا ایک مرتبہ پھر شراب کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ لیکن اب ایسا ممکن نہیں رہا تھا۔ اُسے بہرحال اپنے حواس بحال رکھنے تھے بصورت دیگر کوئی نئی مصیبت اُس کے گلے پڑ سکتی تھی۔

ایک مرتبہ پھر اُس نے ہوٹل پیراڈائز کا جائزہ لیا جسے انہوں نے اس اپریشن کے لئے منتخب کیا تھا۔

ہوٹل انتظامیہ کے متعلق اُسے کوئی غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی یہ سب اُن کے اپنے لوگ ہیں جن سے عموماً اس نوعیت کی خدمات لی جاتی تھیں۔

نعمان مقررہ وقت پر اُس کے سامنے موجود تھا۔

آج پہلی مرتبہ نعمان کو دیکھ کر نجانے کیوں اُس کے دل پر ایک زوردار گھونسا لگا۔

نروپا نے اپنی آنکھوں میں آئے آنسو بڑی ہمت سے کنٹرول کیے ہوئے تھے!

آج نجانے کیوں نعمان کی شکل پر نظر پڑتے ہی اُس کا دل بھر آیا..... وہ چاہتی تھی کہ نعمان اس انجام سے بچ جائے جس کی تیاری اُن لوگوں نے کر رکھی تھی..... اسے زندگی میں پہلی مرتبہ پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اُس نے اس سیدھے سادے نوجوان کو اپنی محبت کے جال میں پھانس کر آخر اس انجام تک کیوں پہنچا دیا۔

اسی لمحے اُسے نعمان سے زیادہ خود پر ترس آ رہا تھا کیونکہ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ اپنی مرضی کے بالکل برعکس کسی حکم کی تعمیل کرنے جا رہی تھی۔

''کیا بات ہے کچھ اُداس لگ رہی ہو''
نعمان کو نجانے کیسے اس کی اُداسی کا علم ہو گیا۔ نروپا چونکی..... یہ کوئی اچھا سائن

نہیں تھا۔ اُسے خود کو نارمل رکھنا تھا۔

''نہیں تو..... بھلا تمہارے ہوتے ہوئے کیسی اداسی''

اُس نے بظاہر ہونٹوں پر مسکراہٹ جمائی لیکن نعمان کو بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ زبردستی کی مسکراہٹ ہے۔

''شاید عمر کا ایک اور سال گزر جانے کا دکھ ہو رہا ہے''

اُس نے مسکراتے ہوئے اپنی دانست میں نروپا رائے کو نارمل کرنا چاہا۔

''ہاں تمہارے بغیر اتنے سال گزر گئے.....''

نجانے کیوں اُس لمحے نروپا کو نعمان پر بہت ترس آیا۔ اُس نے سوچا تھوڑی دیر بعد نعمان جس انجام سے دوچار ہونے والا ہے وہ نعمان کے لئے کتنا بھیانک تجربہ ہوگا۔

اور..... نعمان نے اُسے مسکراتے دیکھ کر سوچا کہ آج بہرصورت وہ نروپا کو اپنے ساتھ کام کرنے پر رضامند کر لے گا۔

دونوں تھوڑی دیر بعد ہی پیراڈائز ہوٹل میں موجود تھے۔

نروپا نے اُسے یہی بتایا تھا کہ اُس نے پہلے سے میز ریزرو کروا رکھی ہے اور دونوں اب اُسی میز پر بیٹھے تھے۔ جب کہ نروپا جانتی تھی انہیں اُسی میز پر بیٹھنا ہے جو اس کے لئے پہلے سے اشیش کمار نے مختص کی ہوئی تھی۔

دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور مودب ویٹر اُن کا آرڈر نوٹ کر رہا تھا۔ جب نروپا نے اپنے سامنے کی تیسری میز پر دھنپت سنگھ اور اس کے دو ساتھیوں کو بیٹھے دیکھا نجانے کیوں دھنپت سنگھ کو دیکھتے ہی شدید نفرت کی لہر اُس کے سارے بدن میں سرایت کر گئی۔

''اب وہ اپنے محبوب کی پٹائی دھنپت سنگھ سے کروائے گی؟''

نروپا نے سوچا اور لرز کر رہ گئی۔

ایک لمحہ اس کی سائیکی پر قیامت ڈھا گیا۔ نروپا نے اپنے اندر نامحسوس لیکن

انقلابی تبدیلی محسوس کی اور دوسرے ہی لمحے وہ ایک بدلی ہوئی نروپا رائے تھی۔

''تم سے ایک بہت ضروری بات کہنی تھی نعمان''

اُس نے اچانک ہی نعمان کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

''اور میں نے بھی.....''

نعمان نے اُسی طرح سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''نعمان پلیز پہلے میری بات سن لو..... ممکن نہیں کہ زندگی دوبارہ یہ کچھ کہنے کا موقعہ دے''۔

اُس نے نعمان کے میز پر دھرے دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

نعمان اب کسی زبردست رومانٹک فقرے کی امید کر رہا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے اپنے بدن میں بجلی کا زوردار کرنٹ دوڑنے کا احساس ہوا۔

''وقت بہت کم ہے نعمان! غور سے میری بات سننا۔ میرا تعلق ''را'' سے ہے اور تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ہمارے آپریشن کا حصہ ہے۔ نعمان آج ان لوگوں نے تمہاری زبردست پٹائی کا پروگرام بنا رکھا ہے جس کے لئے اس ہوٹل کے باہر اہتمام کیا گیا ہے..... مجھے معاف کر دینا نعمان..... کاش تم مجھ سے کبھی نہ ملے ہوتے..... ان آخری لمحات میں مجھے اقرار کرنا ہے نعمان کہ میں واقعی تم سے شدید محبت کرنے لگی ہوں شاید زندگی بھر میں خود کو معاف نہ کر سکوں''۔

نعمان نے محسوس کیا بات کرتے ہوئے نروپا نے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنکھوں میں آئے آنسو روک رکھے تھے البتہ اُس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگنے لگی تھیں۔

دوسرے ہی لمحے نعمان کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں نروپا..... میں بھی تمہیں کبھی نہیں بھول پاؤں گا..... میں

ان لوگوں کے ہاتھوں اتنی آسانی سے پٹنے والا نہیں ہوں..... تمہارا باس یہ بات جانتا ہے۔ اب میں یہاں سے جا رہا ہوں نروپا..... بہر حال تمہارا شکریہ آخری لمحات میں ہی سہی تم نے میری مدد تو کی..... او کے..... زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔ پلیز نارمل رہنا..... ورنہ وہ لوگ تم پر شک کریں گے اور تمہارے لئے پرابلم نہ کھڑی کریں..... خدا حافظ..... Take Care نروپا۔ I miss you'' اس نے آہستگی سے نروپا کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلایا اور اُٹھ کر واش روم کی طرف چل دیا۔

اُسے اٹھتے دیکھ کر دھنپت سنگھ نے کروٹ بدلی پھر شاید اُسے واش روم میں گھستے دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔

☆☆☆

نعمان کے جسم میں بجلیاں بھر گئی تھیں۔

اُسے ساری بات اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی اور اُس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ کم از کم اپنے ساتھیوں کو خود پر ہنسنے کا موقعہ نہیں دے گا کیونکہ اُس کے متعلق یہ بات کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس طرح انڈین انٹیلی جنس کے ''ٹریپ'' (Trap) میں پہنچ جائے گا۔

واش روم کے اندر گھستے ہی اس نے اطراف کا جائزہ لیا اور اپنی خوش قسمتی پر مسکرا دیا۔ ہوا کی آمد و رفت کے لئے برآمدے کی طرح بنی گیلری کے دونوں اطراف کھڑکیاں لگی تھیں جبکہ سامنے قطار میں واش روم موجود تھے۔

اگلے ہی لمحے وہ ایک کھڑکی کے پٹ کھول رہا تھا جس کے ذریعے نعمان نے باہر چھلانگ لگائی اور زمین سے بمشکل پانچ چھ فٹ بلند کھڑکی سے وہ با آسانی دوسری طرف اُتر گیا۔ یہ ہوٹل کا ''بیک یارڈ'' تھا جہاں ایک بڑے قطعہ اراضی پر گھاس کا ایک جنگل سا اُگا ہوا تھا جس میں جگہ جگہ ہوٹل کا ناکارہ فرنیچر گل سڑ رہا تھا۔

چیتے کی طرح چوکنا نعمان پنجوں کے بل بھاگتا انداز سے اسی سمت جا رہا تھا

جدھر سے اُسے امید تھی کہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ مل جائے گا۔ جلد ہی اُسے ہوٹل کی ''وال باؤنڈری'' دکھائی تھی جس کی اونچائی تو اُس کے لئے کوئی بڑا مسئلہ پیدا نہیں کر سکتی تھی لیکن دیوار پر لگے خاردار تاروں نے اس کے ارادوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ان حالات میں وہ کم از کم ان تاروں سے گزرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بادل نخواستہ اس نے گیٹ کا رخ کیا۔

پیراڈائز ہوٹل کے سامنے دو بڑے گیٹ لگے تھے جن میں سے ایک آنے اور دوسرا جانے کے لئے تھا۔ دونوں دروازوں پر مستعد دربان آنے والوں کا سواگت کرنے اور جانے والوں کو ''بائی بائی'' کرنے کے لئے موجود رہتے تھے۔ نعمان کا رخ سوئے اتفاق سے باہر جانے والے دروازے کی طرف تھا جس کا اُسے ابھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

''سر جی! پانچ منٹ ہو گئے اُسے.....''

سب انسپکٹر کمیش نے دھنپت سنگھ کے سر پر ٹائم بم چلایا جو پوری قوت سے پھٹا۔

''ہاں یار..... ذرا دیکھو تو سہی''

دھنپت نے اُسے ہدایت کی۔

''او کے سر.....''

کمیش واش روم کی طرف گیا اور وہ خود نامحسوس انداز میں نروپا رائے کی طرف چل دیا جو ابھی تک اپنے بکھرے وجود کو مجتمع کر رہی تھی۔

''ہیلو''

اُس نے نروپا رائے کو نامحسوس انداز میں مخاطب کیا۔

لیکن..... دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا کیونکہ نروپا رائے شاک کی جس کیفیت سے گزر رہی تھی اُس نے نروپا کی حسیات کو تھوڑی دیر کے لئے موت جیسی نیند سلا دیا تھا اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی سننے اور بولنے کی قوتیں سلب ہو گئی ہیں البتہ

کانوں میں ایک فقرے کی تکرار مسلسل گونج پیدا کر رہی تھی۔

''مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں نروپا.....ٹیک کیئر نروپا.....آئی مِس یو نروپا''۔

نروپا کا سارا بدن ان فقروں سے مسلسل جھنجھنا رہا تھا۔ بمشکل اُس نے اپنے حواس مجتمع کئے اور اپنی دنیا میں واپس لوٹی جہاں تلخ حقائق مگرمچھ کی طرح منہ کھولے اُسے نگلنے کے لئے اُس کے سامنے موجود تھے۔

''کیا کروں؟'' اُس نے خود سے سوال کیا۔ ''بھاگ جاؤ نروپا''..... جواب ملا۔

''لیکن کہاں''.....اُس نے خود سے پوچھا۔ جن لوگوں سے اس کا تعلق جڑ گیا تھا وہ تو اسے زمین کی ساتویں تہہ سے بھی نکال کر باہر لے آتے۔

''ایک ذلت آمیز موت''.....کسی نادیدہ طاقت نے کہا۔

اور.....نروپا رائے ڈھل کر رہ گئی۔

واقعی اب اسے ایک ذلت انگیز موت سے دوچار ہونا تھا۔ تفتیش و تحقیق کے لاینحل مراحل اس کے منتظر تھے۔ اب وہ ''مشکوک ایجنٹ'' تھی جس نے ''را'' کے جال میں پھنسی ایک موٹی اور تازہ مچھلی کو نہ صرف جال سے نکالا بلکہ دوبارہ پانی میں پھینک کر نئی زندگی سے ہمکنار بھی کیا تھا۔

وہ جانتی تھی اب اُسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ تفتیش کے انتہائی تکلیف دہ مراحل سے گزارا جائے گا اور طویل ذہنی جسمانی اور نفسیاتی تکالیف سے گزارنے کے بعد اگر وہ یہ ثابت کرنے میں بھی کامیاب ہو گئی کہ اس نے نعمان کو فرار نہیں کروایا بلکہ یہ سب اتفاقیہ ہوا تو بھی ساری زندگی کے لئے وہ ایجنسی میں ''بلیک لسٹ'' ہو جائے گی۔

اول تو اسے نوکری سے برخواست کر دیا جائے گا ممکن ہے اس کے باپ کی سرکاری حیثیت آڑے آ جائے تو اسے بحال رکھا جائے لیکن وہ ساری زندگی Under Surveillance (زیرِ نگرانی) رہے گی۔

''خودکشی کر لو''

شکست خوردہ دل و دماغ نے راہنمائی کی۔

پستول اس کے پاس موجود تھا اور یہاں کوئی بھی اسے کنپٹی پر فائر کر کے خود کو ہلاک کرنے سے نہیں روک سکتا تھا۔

لیکن.....اگلے ہی لمحے ایک اور نادیدہ شکتی نے اسے مضبوط بنا دیا۔

''کیوں کروں میں خودکشی؟ کیا جرم کیا ہے میں نے؟ کیسے دھوکہ دے سکتی تھی میں نعمان کو؟ محبت کرتا تھا وہ مجھ سے؟ اور میں بھی.....پھر کیا جرم کیا تھا اس نے؟''

کئی سوالات بیک وقت دل و دماغ میں جنم لے رہے تھے.....اسی لمحے نروپا کی تربیت آڑے آئی اور اُس نے مضبوطی سے حالات کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔

☆☆☆

کمیش واش روم سے باہر آ کر ہاتھ کے اشارے سے دھنپت سنگھ کو اپنی طرف بلا رہا تھا جو قریباً بھاگتا ہوا اُس کے پاس پہنچا اور جوں ہی دونوں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے گیلری نما راستے کے دائیں طرف سے کھلی کھڑکی سے ہوا کا زوردار تھپیڑا دھنپت سنگھ کے منہ پر لگا۔

کمیش نے اسے انگلی کے اشارے سے ہی کھلی کھڑکی دکھائی تھی.....جبکہ دھنپت سنگھ سب سمجھ گیا۔

''ہے بھگوان'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''وہ تو نکل گیا سر''.....

کمیش نے تصدیق مزید کی تو دھنپت سنگھ چڑ گیا۔

''میں اندھا نہیں ہوں.....اب یہاں کیا جھک مار رہے ہو۔ باہر کی سڑکوں کی کیا پوزیشن ہے.....'' اس نے کمیش کو قریباً ڈانٹ دیا۔

''سر! آٹھ جوان موجود ہیں باہر.....''

کمیش نے اپنے حواس قائم کیے۔

''انہیں ریڈ سگنل دے دو..... میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو''

دھنپت سنگھ نے چڑ کر کہا۔

''But سر! وہ سبجیکٹ'' Subject کو نہیں پہچانتے..... پلان کے مطابق ہم نے سبجیکٹ کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے اس کی شناخت کروانی تھی۔

کمیش نے اگلا دھماکہ کیا۔

''بہے بھگوان..... ہے بھگوان..... کیا ساری ایجنسی کے گدھے میرے مقدر میں ہی لکھے تھے'' دھنپت سنگھ نے باقاعدہ ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''سوری سر!''

کمیش نے اپنی دانست میں اپنے ''صاحب'' کی اشک شوئی کی تھی۔

''ڈیم اِٹ سگنل تو دو''

دھنپت نے غصے سے کہا اور کمیش نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سے گیجٹ نکال کر اس کا سرخ بٹن پش کیا۔ باہر موجودہ تمام جوانوں کو اپنے اپنے ''واکی ٹاکی'' پر ''ریڈ سگنل'' مل گیا جس کا مطلب تھا ''سبجیکٹ فرار ہو گیا ہے''.....!

''ڈھونڈو اسے..... اگر وہ نکل گیا تم سب مارے جائیں گے۔ اشیش کمار کو جانتے ہو ناں؟''

اُس نے بڑی وحشت زدہ آواز میں کمیش سے کہا جو اگلی کوئی ڈانٹ سننے کے بجائے فوراً وہاں سے نکل گیا۔

کمیش کا رُخ ہوٹل کے باہری دروازہ کی طرف تھا جبکہ غصے اور کرودھ سے بھرا دھنپت سنگھ نروپا رائے کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆

نروپا کے سامنے وہ اُسی کرسی پر بیٹھ گیا جس پر تھوڑی دیر پہلے اُس کا سبجیکٹ نعمان بیٹھا تھا..... یہاں ایک اور حیرت اس کے سر پر قیامت بن کر ٹوٹی۔ اس سے پہلے کہ دھنپت

سنگھ کے منہ سے کوئی بات نکلے' پہلے سے تیار نروپا نے طے شدہ پلان کے مطابق اُس کے کانوں میں پگھلتا ہوا سیسہ انڈیلا۔

''بھگا دیا اُسے''

نروپا کے منہ سے نکلے الفاظ نے دھنپت سنگھ کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ غصے سے اس کی زبان پر بھی جیسے لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

''کیا بک رہی ہو''

اُس نے سارا غصہ اور کرودھ چار الفاظ میں سمیٹ کر نروپا کی طرف اچھالا۔

''ڈبل کراس..... مجھے تو پہلے ہی دن سے شک تھا تم پر''

نروپا نے اگلا حملہ کیا اور دھنپت سنگھ آپے سے باہر ہو گیا۔ اُس کے منہ سے بے اختیار مغلظات کا طوفان باہر آ رہا تھا۔

لیکن..... نروپا اپنی جگہ مکمل شانت بیٹھی تھی..... البتہ دوسری میزوں پر بیٹھے گاہک اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''شٹ اپ''

نروپا نے اُسے صرف ڈانٹنے پر اکتفا کیا اور باہر کو لپکی۔

''کدھر جا رہی ہے.....''

دھنپت سنگھ نے نروپا کو غلیظ گالی دے کر کہا۔ لیکن اس مرتبہ گالی دینا اُسے کچھ مہنگا پڑ گیا۔ ساتھ والی سیٹ سے ایک لمبا تڑنگا سکھ اٹھ کھڑا ہوا۔

''اوئے شرم نہیں آتی تجھے لڑکی کو گالیاں دے رہا ہے''۔

''نامرد کہیں کا''

''ان لوگوں کا زور صرف ماں بہن پر چلتا ہے جی''۔

''سالے کی شکل دیکھو..... کیسی لعنت برس رہی ہے.....''

سردار جی نے صرف ابتدا کی تھی اور یہاں آدھا ہال نروپا رائے کی حمایت میں

اٹھ کھڑا ہوا۔

دھنپت کا بھیجا بالکل آؤٹ ہو گیا۔ غصے اور ذلت کے احساس سے بے قابو اس نے سب کو گالیاں اور دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ وہ لوگ بھی جیسے اسی ردعمل کے منتظر تھے۔ اس مرتبہ بھی ابتدا سردار جی نے ہی کی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر دھنپت کو زوردار گھونسا رسید کر دیا جس کے بعد باقی لوگوں کی باری آ گئی۔ چند منٹ میں انہوں نے مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔ گو کہ ہوٹل منیجر کے وہاں پہنچنے تک دھنپت سنگھ کی شکل خاصی تبدیل ہو چکی تھی لیکن اس نے فوراً اپنے ''افسر'' کو پہچان لیا اور اپنے سٹاف کی مدد سے اسے بچا کر بغلی کمرے میں لے آیا۔

''یہ کیا ہو گیا سر''

حیران پریشان ہوٹل منیجر نے اسے کرسی پر سہارا دے کر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

جواب میں دھنپت سنگھ نے اس پر گالیوں کی بارش کر دی۔

''میرا کیا قصور ہے سر!''

ہوٹل منیجر نے بمشکل خود پر قابو پا کر پوچھا۔

''کہاں مر گئے تھے تم سب لوگ''

دھنپت سنگھ نے اپنے جبڑے سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''سر! آپ نے ہی کہہ دیا تھا کہ کوئی ہال میں نظر نہ آئے''۔

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... باہر سے کمیش کو بلاؤ''

دھنپت کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہئے۔ نروپا رائے نے ہال کمرے سے نکلتے ہوئے آخری منظر یہی دیکھا تھا کہ دھنپت کی تین چار نوجوان مل کر دھنائی کر رہے تھے۔

☆☆☆

نعمان نے ہوٹل کے لان سے باہر نکلنے تک کا فاصلہ بمشکل دو منٹ میں طے کیا تھا

اور اب ہوٹل کی دیوار کے باہر قطار میں کھڑی ٹیکسیوں میں سے ایک میں بیٹھ کر اسے ایک غلط منزل کی طرف لے جا رہا تھا۔

یہاں پہنچ کر اُس نے سائیکل رکشہ اس کے بعد ایک اور ٹیکسی کے ذریعے ہائی کمیشن تک کا فاصلہ طے کیا اور کچھ دور ہی اتر گیا۔ اس کی توقعات کے عین مطابق یہاں اس کے استقبال کے لئے انڈین انٹیلی جنس کے لوگ ہر وقت موجود رہتے تھے اور عین ممکن ہے کہ انہیں اس کے فرار کی اطلاع مل گئی ہو۔

اسی خدشے کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے ایسے حالات سے نمٹنے کے لئے پہلے سے تیار شدہ ایک پلان پر عمل کرتے ہوئے اپنی بخیریت واپسی کو ممکن بنایا تھا..... چونکہ ہائی کمیشن کے لوگوں کو اکثر ایسی صورت حال کا سامنا رہا تھا اس لئے انہوں نے ایسے ہنگامی منصوبے بنا رکھے تھے جن کے ذریعے ایک مرتبہ انڈین انٹیلی جنس کو ''ڈاج'' دے کر نکلنے والوں کی ہائی کمیشن میں محفوظ واپسی کو ممکن بنایا جا سکتا۔

نعمان کو بھی ایسے ہی ایک ایکسرسائز (exercise) کے ذریعے محفوظ کیا گیا تھا۔ اور اب وہ اپنی سیٹ پر بیٹھا گزرے وقت پر غور کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اگر آج ''را'' کے قابو آ جاتا تو اُس کا کیا حشر ہوتا۔ ابھی تک وہ نروپا کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکا تھا لیکن یہ بات اچھی طرح جان گیا تھا کہ آج وہ نروپا ہی کی وجہ سے بچ نکلا ہے۔

اب نروپا کا کیا انجام ہو گا؟

☆☆☆

دھنپت سنگھ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اشیش کمار کا سامنا کیسے کرے گا۔ اُسے یقین تھا کہ نروپا نے نعمان کو فرار کروا دیا ہے۔

اشیش کمار غصے اور حیرت سے دھنپت سنگھ کو دیکھ رہا تھا.....!

دھنپت سنگھ کے ذریعے اُس نے جو حشر نعمان کا کروانے کے لئے یہ سارا گھڑاگ پھلایا تھا اُس سے نعمان بچ کر نکل گیا اور دھنپت سنگھ خود نعمان کے متوقع حشر سے دوچار اس کے سامنے موجود تھا۔

''ملی ہوئی ہے سالی اُسے سر! اُس نے خود بھگایا ہے اُسے''.....

دھنپت سنگھ کے لئے اپنے اندر کے اُبال پر قابو پانا ممکن نہیں رہا تھا۔

''ہوں ں ں.....تو یہ بات ہے''

اشیش کمار نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تو نجانے کیوں دھنپت سنگھ کا سارا اُبال ٹھنڈا پڑ گیا۔

''مجھے تو شروع ہی سے شک تھا اس پر سر! ڈبل کراس کر رہی تھی''۔

دھنپت نے قدرے نارمل لہجے میں بات کی تھی۔

''دھنپت سنگھ''.....اچانک ہی اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اشیش کمار نے اُسے مخاطب کیا۔

''یس سر''۔

دھنپت کو اس کی آنکھیں اپنے وجود میں برمے کی طرح سوراخ کرتی محسوس ہونے لگی تھیں۔

''یہ بات تمہارے متعلق کیوں نہیں کہی جا سکتی''۔

اشیش کمار نے گو یہ بات اُس کی طرف دیکھے بغیر کہی تھی لیکن سر سے پاؤں تک دھنپت سنگھ لرز کر رہ گیا۔

نجانے کیوں اُس نے پوچھ لیا۔

''میں نے کوئی اجنبی زبان نہیں بولی دھنپت سنگھ! انگریزی تم بھی اچھی طرح بول اور سمجھ لیتے ہو.....کم از کم میری اطلاعات تو یہی ہیں''۔

اشیش کمار نے اس مرتبہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''I am sorry Sir لیکن یہ میری ایماندارانہ رائے تھی''۔

دھنپت کو تلخی سی محسوس ہو رہی تھی آخر اُس کا باس اس کی بات پر یقین کیوں نہیں کر رہا اُس نے سوچا!

''او کے.....دھنپت سنگھ سبجیکٹ کا اس طرح ہاتھ آ کر نکل جانا ہمارے لئے ڈوب مرنے کی بات ہے۔ کم از کم میں اُسے معاف نہیں کر سکتا.....اگر تمہاری بات سچ ہے تو اسے ثابت کرو.....ثابت کرو کہ نروپا رائے نے ڈبل کراس کیا ہے.....اگر تمہارے لئے یہ ممکن نہیں تو.....؟

بات نامکمل چھوڑ کر اُس نے دھنپت کی آنکھوں میں جھانکا تو دھنپت کو یوں لگا جیسے ابھی اُسے زمین پر بٹھا کر ترپم کر دیا جائے گا۔

''تم جا سکتے ہو''۔

اُس نے دھنپت کی طرف دیکھے بغیر کہا اور دھنپت کی ٹانگیں کانپنے لگیں کیونکہ اُسے اپنی رپورٹ submit کروانے کے بجائے صرف اُسے گھر سے نکل جانے کیلئے کہا جا رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ ذال میں کالا ہے۔

اُس نے اشیش کو سلیوٹ کیا اور بمشکل ڈگمگاتے قدم سنبھالتا کمرے سے نکلا تو اُس کے خدشات کی تصدیق ہو گئی۔ دروازے پر ''انٹرنل سیکورٹی'' کے دو مستعد جوان اُس کے منتظر تھے جنہوں نے اُس کے ہاتھوں کو کمر کے پیچھے لے جا کر ہتھکڑی میں باندھ کر اُس کی آنکھوں پر کالی پٹی چڑھا دی۔ اب اُن کا رخ اسی عمارت کے تہہ خانے میں موجود انٹیروگیشن سیل کی طرف تھا جہاں دھنپت سنگھ کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہونے والا تھا۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد ہی نروپا رائے اُس کے سامنے موجود تھی۔

''ڈبل کراس ہے سر دھنپت سنگھ؟''

اُس نے چھٹتے ہی کہا.....اپنی طرف سے وہ مکمل تیاری کر کے آئی تھی۔

''تم جانتے ہو ایک دوسرے کو؟''

اُس نے اگلا سوال کیا۔

''یس سر.....''

نروپا نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''کب سے؟''

اگلا سوال آیا۔

''جب سے اُس نے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی سر''۔

نروپے طے شدہ پلان کے مطابق قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو تم.....؟''

اشیش نے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

سر! مجھے اپنا bag منگوانے کی اجازت دیں میں ثابت کروں گی سر''۔

اُس نے ڈائریکٹر اشیش کمار سے اجازت لی۔

کمرے میں داخلے سے پہلے اس کے جسم کی اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد تمام چیزیں باہر رکھ لی گئی تھیں۔

اشیش کمارے نے ایک لمحے کے لئے اُس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں بظاہر اطمینان اور طمانیت کے علاوہ اسے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے اُس نے اپنے انٹرکام پر باہر ہدایت جاری کی اور ایک مسلح سیکورٹی آفیسر نروپا کا وہ بیگ اندر لے آیا جو انہوں نے باہر رکھا ہوا تھا۔ اشیش کمار نے اُس باہر جانے کا اشارہ کیا تو وہ روبوٹ کی طرح واپس مڑ گیا۔

نروپا رائے نے اشیش کمار کی اجازت سے اپنے بیگ سے وہ کیسٹ نکالی جو شاید

آج ہی کے دن کے لئے اُس نے دہلی کے ڈانسنگ سکول میں ریکارڈ کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اشیش کمار کو ٹیپ ریکارڈر پر دھنپت سنگھ کی وہ دھمکی والی کیسٹ سنا رہی تھی۔

ٹیپ کے خاتمے پر اُس نے اشیش کمار کو تمام واقعات سے آگاہ کیا۔

''تم نے پہلے کیوں رپورٹ نہیں کیا؟''

اشیش نے پوچھا۔

''میں نے ضرورت نہیں سمجھی سر! It was personal (یہ ذاتی تھا) میں نے ایجنسی کو درمیان میں لانا مناسب نہیں جانا سر.....''

نروپا نے جم کر جواب دیا۔

''اوہ! تو یہ بات ہے''۔

اشیش نے بظاہر لاتعلق ہونے کے انداز میں کہا۔

اس کے بعد اُس نے سگریٹ سلگایا.....پھر اپنی عادت کے مطابق کمرے کے دو چکر لگا کر کچھ سوچتا رہا اور اچانک وہ نروپا کے سر پر پہنچ کر مخاطب ہوا

''میں تمہارے ساتھ کئی راتیں گزارنے کی شدید خواہش رکھتا ہوں.....تم ایک خوبصورت اور سیکسی لڑکی ہو.....لیکن duty is duty.....اب تم جا سکتی''۔

نروپا کو اس رات کی اچھی طرح سمجھ ہو گئی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے.....وہ ذہنی طور پر اس صورتحال کے لئے تیار ہو کر ہی آئی تھی۔

توقعات کے عین مطابق اُسے کمرے سے باہر نکلتے ہی گرفتار کر کے انٹیروگیشن سیل میں پہنچا دیا گیا۔

☆☆☆

دھنپت سنگھ کے ساتھ کیا گزری؟

اس کا اُسے کبھی علم نہ ہو سکا لیکن اُسے پندرہ دن تک مسلسل ذہنی' نفسیاتی اور

جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا..... اُس کے باپ کا عہدہ اس کے کسی کام نہ آ سکا..... پندرہ دن کی تفتیش کے بعد وہ اس مقصد میں بہر حال کامیاب ہو گئی تھی کہ خود کو بے گناہ ثابت کر سکے۔

یہ بات اُس کے لئے بہر حال حیرت انگیز تھی کہ اسے ''پولی گراف مشین'' (جھوٹ پکڑنے والی مشین) سے نہیں گزارا گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ تفتیش کے ابتدائی دنوں میں انسپکٹر سانسی کے ساتھ گزاری اس کی وہ دو راتیں تھیں جو اُسنے اپنی مرضی کے بالکل برعکس محض خود کو پیش آمدہ عذاب سے نجات دلانے کے لئے انسپکٹر سانسی کے ساتھ بطور رشوت گزاری تھیں۔

انسپکٹر سانسی نے اُس کے خوبصورت جسم سے مکمل قیمت وصول کی تھی لیکن اپنا وعدہ نبھایا اور اُس کے متعلق آخر میں او کے رپورٹ لکھ دی جس کا مطلب تھا کہ وہ under observation تو رہے گی لیکن فی الوقت وہ clear تھی۔

کرنل رائے خود آرمی انٹیلی جنس کے ایک ایڈوانس یونٹ کی کمانڈ کر رہا تھا لیکن اُسے بعد از خرابیٔ بسیار صرف اتنا ہی علم ہوا کہ اُس کی صاحبزادی نروپا رائے کی انویسٹی گیشن ہو رہی ہے جس کے بعد اُس نے اس معاملے میں کسی دلچسپی کا اظہار قطعاً نہیں کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کا مطلب سوائے اپنے اور اپنی بیٹی کے لئے کوئی نئی مصیبت کھڑی کرنے کے اور کچھ نہیں تھا۔

اس بات کا اُسے یقین تھا کہ بقائمی ہوش و حواس اُس کی بیٹی دشمن کی ایجنٹ نہیں بن سکتی۔ البتہ اُس کی بیوقوفی سے کوئی غلط فہمی پیدا ہونا بہر حال ممکن تھا۔

نروپا رائے کو ایک ماہ کی جبری رخصت پر بھیجا گیا تھا۔

یہ سارا وقت اس نے گھر میں سوتے جاگتے یا کبھی کبھی اپنی سہیلیوں کے یہاں آنے جانے میں گزارا۔ اس دوران درجنوں مرتبہ اس کا دل چاہا کہ ہائی کمیشن میں فون پر ہی نعمان سے بات کر لے لیکن..... اپنی اس خواہش کو وہ کبھی عملی جامہ نہ پہنا سکی۔ وہ خود تو

نعمان سے معافی مانگ کر اپنے گناہ کا ''پراشچت'' کرنے کی ہر قیمت ادا کرنے کے لئے تیار تھی..... لیکن اگر اس کی کوئی کال ''بگ'' ہو جاتی جس کے صد فی صد چانسز موجود تھے تو اس کے سارے خاندان کی زندگی جہنم بنا دی جاتی اور وہ یہ کبھی برداشت نہ کر پاتی۔

اب اس کی زندگی کی صرف ایک ہی خواہش باقی رہ گئی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہے وہ نعمان کے ساتھ کیے گئے فریب کا کفارہ ادا کرے۔

وہ اب تک اسے فریب اور دھوکہ ہی سمجھ رہی تھی حالانکہ اُس کے دماغ نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اُسے سمجھایا تھا کہ اُس نے جو کچھ بھی کیا مجبوری میں کیا کیونکہ اُسے ایسا کرنا ہی تھا۔ یہ اُس کی ڈیوٹی تھی۔ البتہ آخری لمحات میں اُس نے نعمان کو خبردار کر کے اُس کے فرار کے لئے راہ ہموار کرنے کا جو کارنامہ انجام دیا تھا اُس پر اُس کے دل و دماغ میں ہمیشہ جنگ چھڑی رہی۔ اس کا دل اسے بالکل جائز اور برحق قرار دے رہا تھا جبکہ دماغ اسے تسلیم کرنے سے انکاری تھا اور اُس نے نروپا رائے کو ''دیش دروھی'' (ملک دشمن) قرار دے دیا تھا۔

بات کچھ بھی رہی ہو.....

نروپا نے یہ جان لیا تھا کہ اب اُس کی اگلی زندگی ایک قیدی کی زندگی ہے اور اُسے یہ زندگی محدود آزادی کے ساتھ بسر کرنا تھی۔

دوران تفتیش اور اس کے بعد بھی ایک لمحے کے لئے نعمان اُس سے جدا نہ ہوا۔ جب انسپکٹر سانسی اُس کی بوٹیاں نوچ رہا تھا اُن لمحات میں بھی اُس نے نعمال کو خود سے الگ نہ کیا اور انسپکٹر سانسی کے چلے جانے کے بعد زندگی میں وہ پہلی مرتبہ بے بس لاچار اور بے کس دوشیزاؤں کی طرح آنسو بہاتی رہی۔

اُسے نجانے کیوں احساس ہو رہا تھا جیسے وہ نعمان کے ساتھ کوئی بد دیانتی کر رہی ہے جیسے وہ نعمان کی کسی امانت میں خیانت کی مرتکب ہوئی ہے۔

وہ پہروں اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی چھت کو گھورتی رہتی تھی۔

اُس کے والدین خود سرکاری آفیسر تھے۔ اُس کی بدلی ہوئی ذہنی کیفیات سے بخوبی آگاہ تھے۔ لیکن انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ اُس کے درد کا مداوا کیسے کریں؟

وہ تو اُسے ڈھنگ سے تسلی بھی نہیں دے سکتے تھے۔

نروپا کو رہ رہ کر ایک ہی خلش تڑپا رہی تھی کہ نعمان نے اُس کے متعلق کیا رائے قائم کی ہوگی؟

اس سوال کا جواب اُس کے دل نے درجنوں مرتبہ اُسے اثبات میں دے کر مطمئن کیا تھا لیکن ایک عجیب بے کلی سی اُسے لگی رہتی تھی۔

کیا کرے؟

کدھر جائے؟

کسے اپنا دُکھڑا سنائے؟

اُس کا المیہ تو یہ تھا کہ خود پر ٹوٹنے والی قیامت سے کسی کو آگاہ ہی نہیں کر سکتی تھی۔

کس کو بتاتی کہ وہ ایک پاکستانی ڈپلومیٹ کے عشق میں مبتلا ہے۔

یہ ناقابل معافی جرم تھا؟

اُس کو غدار سمجھا جاتا جو وہ نہیں تھی۔ یا اُس کے ذہن میں دور دور تک غداری کا کوئی تصور بھی موجود نہیں تھا..... اسے اپنے دیش سے اُتنی ہی محبت تھی جتنی کسی بھی بھارتی ماگرک کو ہو سکتی تھی۔

اُسے تو یہ گمان بھی نہیں تھا کہ کبھی نعمان نام کا کوئی نوجوان اس طرح اُس کے دل میں آ کر چپکے سے بیٹھ جائے گا اور پھر کبھی وہاں سے نکلنے کا نام بھی نہیں لے گا۔

خود کو نارمل ظاہر کرنا بھی اُس کی مجبوری تھی..... وہ ایک فوجی گھرانے کی بیٹی تھی جس کی ایک ساکھ تھی..... نام تھا اور سب سے بڑھ کر دلی شہر میں ایک مقام تھا..... آج سے غالباً تیس سال پہلے اُس کے دادا بنگال سے یہاں آئے تھے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس کا باپ آرمی کا کرنل اور ماں ہوم ڈیپارٹمنٹ کی اعلیٰ آفیسر تھی۔

وہ ان لوگوں کے سامنے نہ تو خود کوئی ''احساس جرم میں گرفتار'' ہونے کا تاثر دے سکتی تھی اور نہ ہی اس بھرے پُرے شہر میں اپنی کسی دوست کو اپنا ہمراز بنا سکتی تھی۔ اب اُسے ساری زندگی اسی خلش کے ساتھ اکیلے ہی جینا تھا۔

کتنا بڑا المیہ تھا کہ وہ اپنے اندر پھوٹنے والے دُکھ کے اس زہر باد سے کسی کو آگاہ کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتی تھی۔

اُس روز پہلی مرتبہ وہ اپنی ماں کے ساتھ ''کالکا مندر'' گئی اور کافی دیر تک دیوی ماں کے سامنے دونوں ہاتھ باندھے اپنے دل کا حال سناتی رہی.....!

خاموش اور پتھریلی آنکھوں والی دیوی ماں اپنی اس بھگت کا دُکھڑا سنتی رہی لیکن اُسے دلاسا نہ دے سکی۔

نروپا نے دل ہی دل میں دیوی ماں سے کئی سوالات کئے تھے۔ اپنا گناہ اور جرم دریافت کیا تھا..... لیکن پتھر کی دیوی ماں خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ شاید اُس کے پاس نروپا کے ان سوالوں کا کوئی جواب ہی نہیں تھا۔

ایک ماہ کے بعد آفس جانے پر اُسے بتایا گیا کہ اُس کا تبادلہ ریکارڈ آفس میں کر دیا گیا ہے۔ اُسے ''آپریشنل ونگ'' سے الگ کر دیا گیا تھا اور ریکارڈ آفس میں جانے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ اب وہ ''را'' کے لئے عضو معطل بن چکی ہے۔

اُس روز پہلی مرتبہ اُس نے باپ کو اعتماد میں لے کر ساری رام کہانی بیان کر دی۔ کرنل رائے نے اپنی بیٹی کی تمام باتیں بڑے غور سے سنیں اور اگلے روز تک اُس سے جواب دینے کی مہلت طلب کی۔

اگلے روز اُس نے اپنی بیٹی سے کہا کہ اگر وہ چاہے تو ان سروسز سے استعفیٰ دے سکتی ہے۔ وہ گزشتہ 24 گھنٹے صرف یہی جاننے کے لئے کوشاں رہا تھا کہ اپنی بیٹی کو ''را'' سے نجات کیسے دلا سکتا ہے اور اپنے اثر رسوخ سے متعلقہ معلومات اور تعاون کی یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد اُس نے اپنی بیٹی کو یہ آپشن (option) دیا تھا۔

''میں اب یہی چاہتی ہوں ڈیڈی! اس فضا میں زیادہ وقت گزارنا شاید میرے لئے ممکن ہی نہ ہو''۔

اور.....اگلے دس روز میں اُسے ''میڈیکل گراؤنڈز'' پر ''را'' سے الگ کر دیا گیا۔

☆☆☆

دھنپت سنگھ بڑا گھاگ کھلاڑی تھا۔

شومئی حالات نے اُسے گو کہ بری طرح رگیدا لیکن اتنی جلدی ہار ماننے والا وہ بھی نہیں تھا۔ اُس کی گزشتہ خدمات کا ریکارڈ آڑے آیا اور پندرہ دن بعد اُسے ''انٹیروگیشن'' سے ''وارننگ'' کے ساتھ نجات مل گئی۔

معمول کے مطابق اُسے بھی ایک ماہ کی رخصت پر بھیجا گیا تھا۔ یہ بات وہ جانتا تھا کہ اس دوران اُس کی مکمل اور بھرپور نگرانی کی جارہی تھی اور اُس کے افعال و عادات اور روزمرہ معمولات کا سخت محاسبہ ہو رہا تھا جس کے بعد ہی ایجنسی کے عالی دماغ کسی نتیجے پر پہنچ سکتے تھے۔

اُس نے خود کو مکمل نارمل رکھا اور اس صورتحال پر جس سے وہ دوچار ہوا تھا صرف معمولی سا حادثہ جان کر نظر انداز کر دیا.....دوبارہ اپنی پرانی پوزیشن کے حصول کے لئے اس نے کوئی ایسی غلطی نہیں کی تھی جس کا نوٹس لیا جاتا۔

ایک ماہ بعد جب وہ واپس آیا تو اُس نے بھگوان کا شکر ادا کیا کہ اُسے ابھی تک اس کے اعلیٰ افسران نے ''آپریشنل ونگ'' سے الگ نہیں کیا تھا.....جس کا مطلب تھا کہ اب وہ under surveillance نہیں ہے اور پہلے کی طرح نارمل زندگی بسر کر سکتا ہے۔

دھنپت سنگھ نے قسم کھائی تھی کہ اُسے جھوٹا الزام لگا کر انٹیروگیشن سنٹر تک پہنچانے والی نروپا رائے سے۔ وہ اپنی اہانت کا بدلہ ضرور لے گا.....وہ ٹھنڈا لیکن بے انتہا منتقم مزاج

شخص تھا۔ نروپا کے ہاتھوں اُس نے بہت ذلت اٹھائی تھی۔ ابھی وہ نروپا کا پہلا قرض نہیں اُتار سکا تھا کہ اُس کی طرف سے دوسری قسط جاری ہو گئی تھی۔

اس بات کا اُسے یقین تھا کہ جلد یا بدیر اب نروپا رائے ایجنسی میں رہے گی نہیں کیونکہ یہاں اس کے اصول وضوابط کی زد میں آنے کے بعد کسی کا بچ رہنا ممکن نہیں.....!

☆☆☆

اپنے آفس پہنچنے کے بعد کافی دیر تک نعمان اس کے متعلق سوچتا رہا۔ اُسے حیرانگی اس بات کی تھی کہ آخری لمحات تک وہ نروپا رائے کی اصلیت کیوں نہ جان پایا۔ نروپا نے اُسے آخری لمحات میں گو کہ چونکا دیا تھا اور ایک ہی وقت میں اُس کی زندگی کے دو اہم ترین سرپرائز دیئے تھے۔ ایک اس بات کا انکشاف کر کے کہ اس کا تعلق ''را'' سے ہے اور دوسرا اُسے فرار ہونے کا موقعہ دے کر.....

نعمان کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ نروپا سے متعلق کیا رائے قائم کرے.....زندگی میں پہلی مرتبہ اُس نے کسی کو اپنے دل سے اتنا قریب محسوس کیا تھا کہ اب وہ واقعی نروپا کی کمی محسوس کرنے لگا تھا۔

نروپا اُس کی بہرحال محسنہ تھی جس نے اُسے بروقت ہوٹل سے نکل جانے کا موقعہ فراہم کیا تھا بصورت دیگر نعمان کو شدید جسمانی کے ساتھ ساتھ نفسیاتی تکلیف کا سامنا بھی کرنا پڑتا کیونکہ بھارتی انٹیلی جنس والے کسی بھی پاکستانی کو شدید ترین تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد اُسے مکمل بے بس کر کے اُس کی عجیب وغریب فلم بناتے تھے اور بعد میں پولیس میں اس کے خلاف یہ مقدمہ بھی درج کروا دیا جاتا تھا کہ متعلقہ اہلکار فلاں بھارتی باشندے سے جاسوسی دستاویزات وصول کر رہا تھا یا اُسے پیسے دے رہا تھا۔ اب تک تین چار کیس ایسے بھی ہوئے تھے جہاں پاکستان ہائی کمیشن کے ملازمین کو اس طرح بازاروں سے پکڑ کر اُن پر جعلی کرنسی چلانے کے الزامات عائد کئے گئے تھے۔

نعمان کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ اگر ایسا ہو جاتا تو کیا وہ خود کو کبھی

معاف کر پاتا؟

امر واقعہ تھا کہ اُسے نروپا رائے نے اپنے حسن و عشق کے جال میں الجھا کر اس انجام تک پہنچانا تھا جبکہ وہ خود اُسے اپنا شکار بنانے جا رہا تھا..... شکاری کا خود شکار ہو جانا کیا چھوٹا سا المیہ ہوتا؟

اب اُسے خود سے زیادہ نروپا رائے کی فکر ہو رہی تھی۔ نروپا نے اُس کے لئے قربانی تو دے دی تھی..... اپنا پراشچت (کفارہ) تو کر لیا تھا..... لیکن اس قربانی کی اُسے کتنی قیمت ادا کرنی پڑے گی؟ اس کا تصور بھی بڑا جان لیوا تھا۔

وہ انٹیلی جنس کمیونٹی کا بندہ ہونے کے ناطے اچھی طرح اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ اُس کے فرار کے فوراً بعد ''را'' نے رائے کو گرفتار کر لیا ہوگا..... اُسے گرفتاری کے بعد کن کن مراحل سے گزارا جائے گا؟ یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اُسے ایک ہی خوف دامنگیر تھا کہ اگر کسی مرحلے پر نروپا رائے نے ہتھیار ڈالتے ہوئے یہ بات تسلیم کر لی کہ اُس نے ہی نعمان کو فرار ہونے کا موقعہ دیا ہے تو نروپا رائے کو نا قابل بیان حشر سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اُس کی شدید خواہش تھی کہ کم از کم نروپا کے انجام کی اسے خبر ہو جائے اور وہ یہ بھی جان لے کہ نروپا رائے اب کس حال میں ہے۔

نروپا رائے کی کوئی خبر جاننے کے لئے اسے پندرہ دن انتظار کے کرب سے گزرنا پڑا۔ گو کہ اس دوران وہ کاروبار حیات کو بطریق احسن چلاتا رہا لیکن نروپا کا خیال ایک لمحے کے لئے بھی اُس سے الگ نہ ہو سکا۔ بالآخر اس نے اپنے ایک ''سورس'' کے ذریعے یہ جان لیا کہ نروپا رائے کو رہا کر کے گھر بھیج دیا گیا ہے جس کا مطلب تھا اُس کی جان بچ گئی۔

یہ خبر ملنے کے اگلے ہی روز وہ واپس اپنے وطن جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ بھارتی اُسے ''پرسن نان گریٹا'' (PNG) قرار دیکر بھارت سے نکل جانے کا حکم دیتے اُسے ہائی کمیشن سے ہٹا لینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

نعمان کی تعیناتی اب مڈل ایسٹ میں ہو چکی تھی۔ تین سال تک وہ مڈل ایسٹ

کے مختلف ممالک میں خدمات انجام دیتا رہا جس کے بعد اُسے نیپال بھیج دیا گیا۔

ان تین سالوں میں درجنوں ہنگامے اُس کی زندگی میں ہوئے۔ حسب معمول اُس نے کئی ایڈونچر خود انجام دیئے اور کئی اُس کے ساتھ انجام پائے۔

لیکن..... اُس نے نروپا کو کبھی نہ بھلایا۔ ایک عجیب سی خلش اُسے لگی تھی کہ کسی بھی طرح زندگی میں دوبارہ نروپا سے مل سکے۔ نیپال جاتے ہوئے اس خواہش نے زیادہ شدت اختیار کر لی تھی۔

.....☆.....

تین سالوں میں درجنوں مرتبہ اشیش کمار نے نعمان کو یاد کیا تھا۔ نعمان کی وجہ سے اُسے اپنے ہمکاروں میں جو سبکی اٹھانا پڑی اور اُس کے بوڑھے سینئر افسران نے جن کے متعلق وہ اٹھتے بیٹھتے ریمارکس پاس کیا کرتا تھا اشیش کمار کی جس طرح بھد اڑائی اس حادثے کو وہ کبھی نہ بھول پایا۔ اس نے ''کالی ماں'' کی مورتی کے سامنے کھڑے ہو کر ''وچن'' دیا تھا کہ زندگی میں جب کبھی موقعہ ملا وہ نعمان سے اپنی اس بے عزتی کا بدلہ ضرور لے گا اور سارا قرض سود سمیت وصول کرے گا۔

اُس نے تین سال تک خود کو کبھی نعمان سے بے خبر نہیں رکھا۔ دنیا کے جس ملک میں بھی نعمان نے خدمات سنبھالیں اُسے رپورٹ مل جایا کرتی تھی۔ اُس نے نعمال کی فائل کبھی بند نہیں ہونے دی۔ اُس روز جب کھٹمنڈو میں ''را'' کے مرکزی دفتر کی طرف سے اُسے اطلاع ملی کہ نعمان یہاں پاکستانی قونصلیٹ میں آ گیا ہے تو خوشی سے وہ جھوم اُٹھا۔ اُس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ اس موقعہ سے بہر حال فائدہ اُٹھائے گا اور نعمان

کو ایسا سبق دے گا جو وہ کبھی نہ بھلا پائے۔ اس مرتبہ کسی ممکنہ قباحت سے بچنے کے لئے اُس نے کسی پر اٹھار کھنے کے بجائے خود میدان میں اُترنے کا فیصلہ کیا تھا اور نیپال جا کر خود ''ریکی'' کرنے کے بعد ہی کوئی منصوبہ بنانے کی ٹھانی تھی۔

اگلے روز وہ ایک بھارتی بزنس مین کے روپ میں کھٹمنڈو پہنچ چکا تھا جہاں اُس کے ماتحتوں نے اُسے نعمان کے درشن کرانے کا پورا پورا اہتمام کر رکھا تھا۔

☆☆☆

نیپال میں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قریباً دو ماہ بعد نعمان کو گھر سے نکلنے کا موقعہ ملا تھا اور وہ ''بھگتا پور'' جا رہا تھا۔ مندروں، مجسموں، دیوی دیوتاؤں اور پراسرار دنیاؤں والے اس شہر کو دیکھنے کی تمنا ہر کسی کو ہوتی تھی۔ نعمان اپنی عادت کے مطابق اکیلا ہی اس طرح آیا تھا۔ وہ عموماً اکیلا ہی سیر و سیاحت کو نکل جایا کرتا تھا۔

سرخ نانک چندی اینٹوں سے بنی تنگ اور قدرے شان وانی سڑکوں، لکڑی کی قدیم پراسرار عمارتوں اور مندروں والا یہ طلسماتی شہر اُسے بہت پسند تھا۔ بارہ سال پہلے وہ ایک مرتبہ یہاں آیا تھا اور تب سے اب تک یہاں دوبارہ آنے کی تمنا رکھتا تھا۔

نعمان نے نیپال کے متعلق بہت سی کہانیاں سن رکھی تھیں۔ آئے روز اُن کے لئے یہاں انڈین انٹیلی جنس کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کئے رکھتی تھی خصوصاً تین ماہ پہلے کھٹمنڈو سے اغوا ہونے والے انڈین ایئر لائنز کے جہاز کے واقعہ میں پاکستان کو زبردستی ملوث کرنے کا سلسلہ ابھی تک زور شور سے جاری تھا۔ بھارتی اپنی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے جو انہوں بھارت کی ایک آزادی پسند تحریک کے ہاتھوں جہاز اغوا ہونے کی صورت میں اٹھائی تھی دن رات پاکستان کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔

گذشتہ تین ماہ میں تین پاکستانی قونصلیٹ کے اہلکاروں کو زبردستی غلط کاموں میں ملوث کرنے کی کوششیں ناکام ہونے کے بعد اب اُن کی حالت زخم خوردہ سانپ جیسی ہو رہی تھی۔

ان حالات میں نعمان کی نیپال میں تعیناتی نے ''را'' کے کان ضرورت سے زیادہ کھڑے کر دیئے تھے۔

اس وقت وہ بھگتاپور کے اُس قدیم بازار سے گزر رہا تھا جس کے دونوں اطراف صدیوں پرانے لکڑی کے طلسماتی مندر کھڑے تھے اور جہاں چاروں طرف غیر ملکی جوڑے ایک دوسرے سے چمٹے چرس کے کش لگا رہے تھے۔ نعمان اپنی دانست میں چوکس تھا اور اُس نے خود کو کسی بھی پیش آمدہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا ہوا تھا۔

لیکن..... اُسے اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ اُس کے بالکل سامنے بازار کے کونے پر بنے ہوٹل ''ہمالیہ ہورائی زن'' کی کھڑکیوں سے تصاویر اُتارتے فوٹو گرافروں میں اشیش کمار بھی موجود ہے۔ جس کے کیمرے کے انتہائی طاقتور لینز نے اُسے پوری طرح اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ اس جدید کیمرے کے ذریعے اُس نے نعمان کی بیس منٹ کی فلم بنائی تھی جس میں اُسے ہر اینگل سے ایکسپوز کر لیا تھا۔ اب وہ مطمئن ہو کر اپنے کمرے کی طرف واپس جا رہا تھا۔

اگلے روز اشیش کمار سری لنکا کی فلائٹ سے واپس چلا گیا۔ ائرپورٹ سے وہ اپنے آفس کی طرف جانے کے بجائے سیدھا ہیڈ کوارٹر گیا تھا جہاں اُس کا (ہارد ھایک من سے سواگت) خوش دلی سے استقبال کیا گیا تھا۔ ڈائریکٹر آپریشن مسٹر نگم نے اُسے دفتر کے دروازے پر خود خوش آمدید کہا تھا اور اب دونوں نگم کے کمرے میں موجود ٹی وی کی سکرین پر نعمان کی وہ فلم دیکھ رہے تھے جو ''را'' کے اس زیرو زیرو سیون جیمز بانڈ نے بنائی تھی۔

فلم کو جگہ جگہ روک کر اشیش کمار نعمان کی مختلف جسمانی حرکات اور خدوخال کی اپنے الفاظ میں بڑے بے ہودہ انداز میں وضاحت کرتا جا رہا تھا۔

''ویل ڈن یار کمال کر دیا''..... نگم نے اُس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دیئے کیونکہ ایسا کرنا اُس کی مجبوری تھی.....

وہ جانتا تھا اشیش کمار ڈی جی آئی ٹو کا داماد ہے۔ جس کے پاس نگم کی کیس فائل پہنچ

چکی تھی اور جس نے نگم کی مزید ترقی کے احکامات کرنے یا پھر اُسے پرانی تنخواہ پر گزارہ کرنے کا حکم سنانا تھا۔

نگم نے خلاف عادت اپنے کمرے میں خود ہی دو پیگ تیار کیے اور اب وہ اشیش کمار کی پیشگی کامیابی کا جشن منا رہے تھے۔ بیس روز بعد بالآخر اُسے وہ اطلاع بھی مل گئی جس کے لئے وہ بہت اُتاؤلا ہو رہا تھا۔

☆☆☆

پانچوں پتھر کے مجسموں کی طرح آنکھیں جھپکائے بغیر اُس کی طرف دیکھ رہے تھے.....!!

اشیش کمار نے انہیں ایک بڑے میز کے سامنے بیٹھا رکھا تھا جس کے دوسرے کونے پر وہ ایک چھڑی لیے کھڑا تھا۔

تین گھنٹے سے وہ ان پانچوں کو بریفنگ دے رہا تھا اور اب انہیں سارا پلان حفظ ہو چکا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے ایک ایک تفصیل آسانی سے دہرا رہے تھے۔

''ویل ڈن''۔

اشیش کمار نے اُنکی حوصلہ افزائی کی۔

ان پانچوں کو ملک کے مختلف کونوں سے یہاں اکٹھے کیا گیا تھا۔ دو کا تعلق تامل ناڈو سے ایک کا مہاراشٹر سے ایک کا یوپی سے اور پانچواں دیوان چنداس کا اسسٹنٹ اور ایجنسی کا مانا ہوا تخریب کاری کا استاد تھا۔ اُس کے تربیت یافتہ ہائی جیکروں نے دو کامیاب اغوا کروارداتیں کر کے دنیا بھر میں سنسنی پھیلا دی تھی۔

دیوان چنداں چاروں کا کمانڈر تھا۔

چاروں مختلف دہشت گرد تنظیموں سے تعلق رکھتے تھے گو کہ ان کی حیثیت بھارت کے دشمنوں کی تھی اور وہ ''مطلوب دہشت گرد'' تھے..... لیکن اس حقیقت سے صرف ایجنسی کے چند لوگ آگاہ تھے کہ یہ چاروں اپنی اپنی تنظیموں کو ''ڈبل کراس'' کر رہے ہیں اور

دراصل ''را'' کے زرخرید ایجنٹ ہیں جنہیں ''را'' نے مختلف مواقع پر گرفتار کرنے کے بعد بلیک میلنگ سے اپنے لئے کام پر آمادہ کیا اور ان کے ''فرار'' کے شاندار منصوبے بنا کر انہیں نہ صرف فرار کروایا بلکہ میڈیا کے ذریعے اُنکے اتنی تشہیر کی گئی کہ وہ اپنی اپنی تنظیم میں خصوصی اہمیت اختیار کر گئے۔ اُن کی حیثیت علیحدگی پسندوں کے نزدیک ہیروز کی ہو کر رہ گئی تھی آج ان چاروں کو ایک اضافی اہم مشن کے لئے یہاں جمع کیا گیا تھا۔

مشن کی انتہائی اہم اور انتہائی خفیہ اہمیت کے پیش نظر اس ''آپریشن'' کو ''را'' کے صرف پانچ عالی دماغوں تک محدود رکھا گیا تھا جن میں سے ایک کا نام اشیش کمار بھی تھا جس نے دراصل یہ سارا خطرناک مشن پلان کیا تھا اور اس کی کامیابی کا مطلب تھا ساری دنیا میں ''بھارت ماتا کی وجے'' اور پاکستان کا بطور ''دہشت گرد ملک'' کے پراپیگنڈہ جس کے بعد وہ آسانی سے پاکستان کو اگلے تین چار ماہ کے لئے اس عذاب میں مبتلا رکھ کر اپنا اُلو آسانی سے سیدھا کر سکتے تھے۔

اشیش کمار کے لئے اس مشن کی ایک اہمیت صرف اس لحاظ سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی کہ وہ اس میں کامیابی حاصل کر کے تین سال پہلے کی ہزیمت کا بدلہ چکا کر اپنی مجروح انا کی تسکین کا سامان بہم کر سکتا تھا اور اپنے اُن حاسدوں کا ہمیشہ کے لئے منہ بند کر سکتا تھا جس اس کی کامیابی کا راز اُس کے ''سسر'' کو گردانتے تھے جو ''را'' میں انتہائی حساس عہدے ڈائریکٹر آپریشن پر فائز تھا۔

یہ سمجھا جاتا تھا کہ اشیش کمار کی اس محکمے میں موجودگی کا سب سے اہم اور مضبوط جواز اُس کا سسر اجے سکسینہ ہے جس کی صاحبزادی شومئی قسمت سے اکیڈمی میں دوران تربیت اشیش کمار سے ٹکرائی اور اشیش کی دھرم پتنی بن گئی حالانکہ اُرملا سکسینہ نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ کسی سے شادی کرے گی۔ اُس کے لئے آئی سی ایس افسران سے دوستی، جسمانی تعلق اور پھر اُڑانا معمول کی کارروائی تھی۔

اشیش کمار اُس کی زندگی میں آنے والا کوئی پہلا ایسا مرد نہیں تھا اس سے پہلے وہ

اشیش کمار جیسے کئی اعلیٰ لیکن نوجوان اور تازہ وارد افسروں کو بھگتا چکی تھی۔

لیکن..... اشیش کمار کی جہاندیدہ نظروں نے سونے کی اس چڑیا کو اپنے پنجرے میں قید کر کے اپنا مستقبل ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اجے سکسینہ کی ریٹائرمنٹ میں ابھی دس سال باقی ہیں اور اس کا شمار ایجنسی کے دس بارہ اعلیٰ ترین افسروں میں ہوتا ہے۔ اپنی ریٹائرمنٹ تک اس نے ''را'' ہی میں کسی نہ کسی اعلیٰ عہدے پر فائز رہنا تھا اور اُس کا داماد بننے کا مطلب تھا تیزی سے ترقی کے زینے طے کرنا۔

چار سالہ ازدواجی زندگی میں ایسے درجنوں مواقع آئے جب اس کا جی چاہا کہ اُرملا کو کان سے پکڑ کر اپنے گھر سے نکال دے۔ اب تک تین مرتبہ تو وہ اُسے اپنے ہی گھر میں رنگے ہاتھوں پکڑ چکا تھا..... لیکن اُس نے اپنی غیرت اور غصے کو ان فضول باتوں پر ضائع کرنے کے بجائے اپنے مستقبل کو زیادہ عزیز جانا اور سب کچھ برداشت کرتا رہا۔

جب کبھی اُس کا ضمیر اسے ملامت کرتا تو اشیش کمار خود کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتا کہ وہ بھی تو وہی کچھ کرتا ہے جو اُس کی دھرم پتنی کر رہی ہے۔ پھر گلہ کس بات کا.....

اُسے تو آگے بڑھنا تھا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

☆☆☆

دیوان چند اور اُس کے چاروں دہشت گرد ساتھی اگلے دو دنوں میں مختلف طریقوں سے نیپال میں داخل ہوئے تھے۔ پانچوں کی منزل کھٹمنڈو تھا جہاں انہیں اپنی الگ الگ حیثیت میں پانچ الگ الگ ٹھکانوں پر قیام کرنا تھا۔

یہ پانچوں ٹھکانے اُن کے لئے بڑے محفوظ اور ''را'' کی نگرانی میں تھے۔ مشن کی انتہائی خفیہ اہمیت کے پیش نظر ان کی شناخت کا ہر ممکن طریقہ ختم کر دیا گیا تھا۔ منصوبہ بازوں نے ہر ایسے امکان کو پیش نظر رکھا تھا جس کا سامنا انہیں ہو سکتا تھا۔

دیوان چند نے چاروں سے الگ الگ ملاقات کر کے فائنل چیکنگ مکمل کر لی تھی۔ ان چاروں میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے کے ٹھکانے کی اطلاع نہیں تھی۔ البتہ

دیوان چند کو اُن کے تمام معمولات کا علم تھا۔ اُس نے سختی سے چاروں کو ہدایت کی تھی کہ وہ اگلے حکم تک اپنے ٹھکانوں تک ہی محدود رہیں گے۔ ان ٹھکانوں پر چاروں کو دنیا کی ہر وہ عیاشی میسر تھی جس کی وہ خواہش رکھتے ہوں۔

دو دن تک دیوان چند اُن کے ساتھ الگ الگ طویل ملاقاتیں کرتا رہا۔ اس دوران اُس نے اس بات کی یقین دہانی حاصل کر لی تھی کہ چاروں اُن کے طے شدہ پلان کے مطابق ہی خود کو تیار کر رہے ہیں۔

دیوان چند کو صرف ایک ہی بات کی فکر تھی کہ جہاں وہ موجود تھے وہاں تمام تر اثر رسوخ کے باوجود ہر ممکن سہولت کے باوجود بھی خطرہ اُن کے سر پر منڈلا رہا تھا کہ یہاں پاکستانی انٹیلی جنس بھی سرگرم عمل ہے اور خصوصاً پاکستان کی طرف سے ان کی کسی بھی حرکت کا کسی بھی لمحے نوٹس لے کر اُس کا جواب بڑے بھرپور طریقے سے دینے کی ماضی میں کئی مثالیں بھر موجود تھیں۔

دیوان چند کی شدید خواہش تھی کہ اپنے باس اشیش کمار کی توقعات پر صد فی صد پورا اُترے اور کوئی ایسی غلطی اُن سے نہ ہو جس سے یہ منصوبہ ابتدا ہی میں کھٹائی میں پڑ جائے۔

اُسے بہت سوچ سمجھ کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم آگے بڑھانا تھے۔ گو کہ اس ملک کو وہ بھارت کی ذیلی ریاست سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے تھے اور یہاں کوئی بھی جائز ناجائز کام کرنے کی انہیں مکمل آزادی تھی..... لیکن پاکستانی انٹیلی جنس کسی بھی لمحے ان کے کباب میں ہڈی بن کر بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔

اُسے اب بے چینی سے اشیش کمار کے سگنل کا انتظار تھا جس کے بعد انہیں ''ان ایکشن'' ہو جانا تھا۔

☆☆☆

پی آئی اے کی وہ فلائٹ پہلے ہی اوور بکنگ کا شکار تھی اور نعمان یہاں کوئی بھی

ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے اُس کے ''خصوصی'' ہونے کا گمان گزرے۔ اُس نے ٹریول ایجنٹ سے فون پر کہہ دیا تھا کسی اور ائر لائن سے ٹکٹ بک کروا دے۔ روانگی میں ابھی تین دن باقی تھے اور 19 تاریخ کے خصوصی تہوار کی وجہ سے 19 تاریخ کی ہر فلائٹ بہت پہلے سے بک تھی۔

ٹریول ایجنٹ شاہد میاں نے اُسے سری لنکن ائر لائن کی اکانومی کلاس میں سیٹ دلا دی تھی۔ اس فلائٹ کو کھٹمنڈو سے دہلی اور پھر کراچی جانا تھا۔ قانونی ضابطوں اور خصوصی احکامات کی وجہ سے اُسے سیٹ اپنی اصلی شناخت کے ساتھ بک کروانی تھی۔

یہ اُس کی مجبوری تھی۔

بکنگ کلرک مس سمانتھا نے جو مقامی لڑکی اور گذشتہ تین سال سے ٹریول ایجنسی سے وابستہ تھی بڑی پھرتی اور اپنے ذاتی اثر رسوخ سے کام لے کر شاہد میاں کی خصوصی فرمائش پر یہ سیٹ حاصل کی تھی۔

شاہد میاں مقامی مسلمان اور گذشتہ 20 سال سے ٹریول کے بزنس سے منسلک تھے لیکن انہیں سمانتھا جیسی سمارٹ لڑکیوں کی ضرورت ہمیشہ سے رہی تھی۔ کھٹمنڈو بہت بڑا بزنس سٹیشن نہیں تھا انہیں عموماً بمبئے اور دہلی سے فلائٹس لینا پڑتی تھیں جس کے لئے اُن کا آنا جانا بھارت لگا رہتا تھا۔ سمانتھا کے سماجی تعلقات ان کے بہت کام آتے تھے۔ جو کام وہ اپنی کاروباری ساکھ اور اثر رسوخ سے نہیں لے سکتے تھے وہ سمانتھا کی صرف ایک مسکراہٹ اور ادا سے ہی ہو جایا کرتا تھا۔ اُس نے کئی ناممکن سیٹیں اُن کے لئے ممکن بنا دی تھیں۔ ''سمانتھا'' کو بھی اپنے مالک کی اس کمزوری کا احساس تھا جس کا وہ اپنی حیثیت کے مطابق فائدہ اٹھاتی رہتی تھی۔

شاہد میاں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ ''سمانتھا'' ان سے زیادہ کسی اور کی نوکری کر رہی ہے جس کا اُسے الگ سے بڑا خطیر معاوضہ ملتا تھا۔ چونکہ سمانتھا کی یہ ''نوکری'' ایسی نہیں تھی جس سے براہ راست شاہد میاں یا اُن کا بزنس متاثر ہوتا اس لئے انہیں بھی اس کی کوئی

خاص فکر نہیں تھی۔

اس ''نوکری'' کا آغاز قریباً دو سال پہلے ہی تب ہوا تھا جب شدید بارش میں ایک روز پرکاش نے اُسے اپنی کار میں لفٹ دے کر گھر تک پہنچایا تھا۔

کھٹمنڈو کی زوردار بارش اور ذاتی گاڑی کے بغیر سفر کرنا کار دارد تھا۔ سمانتھا اُس روز واقعی بہت پریشان تھی جب نجانے کہاں سے پرکاش کسی فرشتے کی طرح اُس کو مدد کو آیا اور اُس نے مسکرا کر سمانتھا کو گھر پہنچانے کی آفر دی۔

عام حالات میں اگر وہ ایسی کوئی آفر کرتا تو ممکن ہے سمانتھا کچھ دیر کے لئے سوچتی لیکن ایسی شدید بارش میں اُس نے پرکاش کی اس آفر کو خداوند یسوع کا خصوصی تحفہ ہی جانا اور دوسرے ہی لمحے مسکراتے ہوئے کار کا اگلا دروازہ کھول کر اُس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

راستے میں پرکاش نے اس سے کوئی خاص بات سوائے موسم کے نہیں کی تھی اور معمول سے زیادہ ہونے والی بارشیں ہی دونوں کا موضوع رہیں البتہ گھر کے دروازے پر اتارتے ہوئے جب اس نے بتایا کہ اس کا اپنا گھر بالکل مخالف سمت میں اور یہاں سے قریباً چھ کلومیٹر دور ہے تو سمانتھا کا دل دھک سے رہ گیا..... وہ کوئی ایسی حسن پری بھی نہیں تھی جس کے لئے پرکاش جیسا خوبصورت اور قد آور نوجوان اس طرح قربانی دیتا۔

''گھبرائیے نہیں میں آپ کو جانتا ہوں اور روزانہ آپ کو دیکھتا بھی ہوں''۔

اگلے انکشاف نے سمانتھا کا دل مٹھی میں بھینچ لیا۔

''آپ مجھے.....''

حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے وہ بات بھی مکمل نہ کر پائی۔

''کیا ہم اسی طرح کھڑے کھڑے باتیں کرتے رہیں گے''۔

پرکاش نے اُس کی طرف مسکراہٹ اچھالی۔ بادل زور سے گرجا اور سمانتھا کا دل دہل کر رہ گیا۔

''آئی ایم سوری..... آیئے ناں..... آیئے ناں''

اُس نے عجب سرشاری کے عالم میں پرکاش کو اپنے فلیٹ پر بلایا جہاں آجکل وہ اکیلی ہی رہتی تھی کیونکہ اُس کی ماں کچھ روز پہلے ہی اپنی مشنری کے ساتھ کسی دور دراز علاقے میں گئی تھی۔

سمانتھا نے پرکاش کے لئے کافی تیار کی اور اُس کی باتوں کے نشے میں ڈوبتی چلی گئی۔ پرکاش کی باتیں اُسے بہت عجیب لیکن بڑی دلنشین لگ رہی تھیں۔ پرکاش نے بتایا وہ بزنس مین ہے۔ تامل ناڈو کا رہنے والا ہے اور گذشتہ پندرہ بیس روز سے سمانتھا کو چھپ کر دیکھتا رہتا ہے۔

سمانتھا کا ''فگر'' اُس کی کمزوری بن گیا تھا۔ اُس نے کھل کر اس بات کا اعتراف بھی کر لیا کہ آج وہ بہر حال سمانتھا سے اظہار محبت کرنے والے تھا.....!

سمانتھا کے لئے یہ سب کچھ کسی خواب کے موافق تھا۔ خوشی سے اُس کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔ اُس کے بضد ہونے پر ہی پرکاش نے وہ رات سمانتھا کے فلیٹ میں گزاری اور پہلی ہی رات یہ بات بھی اپنے عمل سے ثابت کر دی کہ اُسے واقعی سمانتھا کا ''فگر'' بہت پسند ہے۔

پرکاش اور سمانتھا کی محبت بانس کے درخت کی طرح پروان چڑھی۔ پرکاش نے اُسے تامل ناڈو آنے کی دعوت دی اور اس کے لئے سارے اخراجات بھی خود ہی برداشت کیے۔

تامل ناڈو میں سمانتھا کا استقبال کسی شہزادی کی طرح ہوا جس سے سمانتھا پگھل پگھل گئی۔

دونوں کی محبت کا آغاز بڑا ہی طوفانی تھا۔

تین ماہ تک دونوں ایک دوسرے کی شدید ضرورت بنے رہے۔ سمانتھا کی زندگی میں پرکاش کو پہلا آدمی تو آیا نہیں تھا' البتہ بہت عرصے بعد اُسے پرکاش جیسا جواں مرد نصیب ہوا تھا۔

ایک روز پرکاش نے اُسے اپنی آمدن ڈبل کرنے کی ایسی آسان ترکیب بتائی کہ سانتھا عش عش کر اٹھی۔

''زیادہ تر ایجنسی کے لوگ تمہاری ٹریول ایجنسی کے گاہک ہیں..... تم نے کچھ نہیں کرنا بس معمول کا کام کرتی رہو البتہ جب کسی بھی ایجنسی خصوصاً پاکستان اور چین کی ایجنسیوں کی کوئی ٹکٹ بنے تو اس کی تفصیلات کا ایک ''فیکس'' اس نمبر پر کر دیا کرو''۔

اُس نے ایک نمبر لکھ کر سانتھا کو دیا۔

''لیکن اس طرح کوئی پرابلم تو نہیں آئے گا ناں''۔

سانتھا نے لالچی نگاہوں سے اُس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''نو پرابلم ڈارلنگ!''

پرکاش نے اُسے اپنی بانہوں میں بھینچتے ہوئے کہا۔

اور..... سانتھا نے سر تسلیم خم کر دیا۔

☆☆☆

اُس کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

کھٹمنڈو میں قریباً ہر قابل ذکر سفارتخانے یا قونصلیٹ کے ملازمین ائر لائن کا ٹکٹ بنوانے کے لئے شاہد میاں کی ایجنسی میں ہی آیا کرتے تھے۔

سانتھا ٹکٹ ہولڈر کا نام فلائیٹ کا نمبر اور وقت الگ سے نوٹ کرتی اور فیکس کر دیتی..... ہر ماہ بندھی ہوئی رقم کا لفافہ اُسے اپنے گھر وصول ہو جاتا جو عموماً دستی دیا جاتا تھا۔

سانتھا کو اب اس کام کا مزا آنے لگا تھا۔

ایک سال بعد ہی پرکاش غائب ہو گیا لیکن اب سانتھا بھی بڑی سمجھدار ہو گئی تھی۔ اُسے اچھی طرح اس بات کی سمجھ آ گئی تھی کہ پرکاش کون تھا؟ اور اب اس کی جگہ ''را'' کا کون سا سٹیشن آفیسر اُس سے رابطہ کر رہا ہے۔

اُسے مزید سہولت کے لئے مقامی فون نمبر دے دیا جاتا تھا جہاں فون کر کے وہ

کسی بھی سفارت کار کی ٹکٹ سے متعلق معلومات بتایا کرتی تھی۔

یہ بڑا آسان اور محفوظ طریقہ تھا۔ اس دوران سانتھا نے خود پیشرفت کر کے اپنی پی آر میں اضافہ کر لیا تھا اور اپنے دوستوں کے ذریعے اکثر بھارت کے بڑے بڑے شہروں کے چکر لگا لیا کرتی تھی۔ تحفے تحائف اُسے الگ مل جایا کرتے تھے اور ہر ماہ بندھا ہوا مشاہرہ تو تھا ہی.....!

اب سانتھا کو اس بات کا علم بھی ہو گیا تھا کہ اُس کے ''دوستوں'' کو زیادہ تر کن ''مسافروں'' میں دلچسپی ہوتی ہے۔ پاکستان اور چین کے سفارتکاروں کا ٹکٹ بننے کے بمشکل دس منٹ بعد ہی اُن کے فلائیٹ شیڈول سے وہ اپنے ''دوستوں'' کو مطلع کر دیا کرتی تھی۔

اُس روز جب شاہد میاں نے اُسے پاکستان ایمبیسی کے آفیسر نعمان کے لئے خصوصی سیٹ حاصل کرنے کے لئے کہا تو سانتھا کے ذہن میں شاہد میاں سے زیادہ اُس کا نیا باس ''اشوک'' موجود تھا جو نہ صرف پرکاش کی جگہ لے چکا تھا بلکہ پرکاش کی طرح سانتھا نے اُس سے پکی دوستی بھی کر لی تھی..... پانچ چھ روز بعد ایک آدھ رات دونوں اکٹھے ضرور بسر کر لیا کرتے تھے تاکہ انکی دوستی مزید مضبوط ہوتی رہے۔

اب سانتھا کی آمدن بھی کافی بڑھ گئی تھی۔

اُس کا مشاہرہ تو پہلے سے دوگنا ہو ہی گیا تھا اس کے علاوہ بھی مختلف بہانوں سے اشوک اُسے نوازتا رہتا تھا۔ تحفے تحائف اس کے سوا ہوتے۔

نعمان ٹریول ایجنسی پر خود ٹکٹ بنوانے آیا تھا اس لئے اُس کا ناک نقشہ بھی سانتھا نے ذہن نشین کر لیا تھا جس میں اب وہ کافی ماہر بھی ہو چکی تھی۔

اُسی روز شام چھ بجے اشوک نے اُس سے معمول کی ملاقات کرنی تھی۔ اور جب اُس نے اشوک کو نعمان کی بکنگ سے متعلق بتایا تو جیسے اشوک کی زندگی کا شاندار سرپرائز مل گیا ہو۔

اُس نے اگلے ہی لمحے سانتھا سے اجازت طلب کی تو سانتھا حیران ہی رہ گئی۔۔۔
لیکن خلاف توقع ایک لفافہ اُس نے سانتھا کی طرف وقت سے پہلے ہی بڑھا دیا تھا جسے سانتھا نے حیرت سے وصول کیا۔

''لیکن آج تو.....''

''16 تاریخ ہے''

اشوک نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں اور میں تو.....''

''بھول جاؤ اُسے سانتھا ڈارلنگ! یہ میری طرف سے سپیشل گفٹ ہے۔ کرسمس گفٹ اس کے علاوہ ہوگا''۔

اُس نے سانتھا کی بات پھر کاٹ دی۔

اور.....سانتھا کو اچھی طرح سمجھ آ گئی۔ اب وہ بہت ہوشیار ہو چکی تھی۔ اُسے اندازہ ہو گیا کہ لاشعوری طور پر سہی اُس نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جس کا اُسے معمول سے زیادہ انعام مل رہا ہے۔

اشوک کے اس طرح اچانک وہاں سے چلے جانے پر تو اُسے اپنی بات کا یقین ہو چلا تھا کیونکہ آج انہوں نے سابقہ معمول کے مطابق یہاں سے اکٹھے شام کو ڈنر کے لئے جانا تھا جس کے بعد اشوک اس کے ساتھ رات گزار کر علی الصباح واپس جایا کرتا تھا۔

اشوک نے یہ خبر اور متعلقہ مسافر کی تفصیلات ذہن نشین کرنے کے بعد اپنے آفس میں آ کر کمپیوٹر سنبھال لیا تھا۔ کمپیوٹر کو دی گئی نعمان کی صورت سے متعلق تفصیلات نے کمپیوٹر سکریپ پر نعمان کا جو خاکہ دکھایا تھا وہ بالکل اُس تصویر سے ملتا تھا جس کی درجنوں کاپیاں ''را'' کے ڈپٹی ڈائریکٹر آپریشن اشیش کمار کی طرف سے انہیں فراہم کی گئی تھیں۔

اُس نے فتح کے نشے میں سرشار فون پر یہ اطلاع جب اشیش کمار کو دی تو اشیش کمار نے جس گرمجوشی سے اُس کا شکریہ ادا کیا اس کا احساس اُسے فون پر ہی ہو گیا تھا۔

''اور ہاں.....لڑکی پر نظر رکھنا''۔

اُس نے آخری بات کہہ کر فون رکھ دیا۔

اشوک زیرلب مسکرا دیا۔

''لڑکی کہیں نہیں بھاگی جا رہی سر.....سالی ہم سے بچ کر جا کہاں سکتی ہے''۔

وہ زیرلب بڑبڑایا پھر خود ہی ہنسنے لگا۔

☆☆☆

ہلٹن ہوٹل کے کمرہ نمبر 223 میں موجود فلائیٹ انجینئر راجن سنگھے نے معمول
کے مطابق صبح اٹھ کر ''بیڈ ٹی'' لی تھی۔ اس کے بعد وہ نہانے کے لئے باتھ روم میں گھس گ
اور تیار ہونے کے بعد اُس نے ناشتہ اپنے کمرے میں منگوالیا۔ ناشتے کے دوران وہ ٹی وی
پر معمول کی خبریں سنا کرتا تھا کیونکہ اخبار دیکھنے کا موقعہ اُسے کم ہی ملتا تھا۔

ہلٹن ہوٹل کے مین کچن میں کمرہ نمبر 223 سے ناشتے کے لئے آنے والی کال
ہیڈ ویٹر دھن راج بہادر نے سنی اور اب وہ معمول کے مطابق اُس کے لئے ناشتہ ٹرے میں
سجا رہا تھا۔ ٹرے اٹھا کر اُس نے انچارج کچن کو بل سے آگاہ کیا جہاں سے ایک کال
اکاؤنٹس برانچ کو چلی گئی اور کچن سے باہر نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لفٹ کے سامنے کھڑا تھا۔

خالی لفٹ میں داخل ہو کر اُس نے آخری منزل کا بٹن دبایا اور اپنے ایپرن کی
جیب میں موجود ایک پڑیا نکال کر اُسے احتیاط سے کھولتے ہوئے سارا سفوف چائے کی

چائنک میں انڈیل دیا۔ یہ کام اس نے بڑی تیزی سے اور بغیر کسی گھبراہٹ کے کیا تھا جیسے
اس کا عادی رہا ہو۔

لفٹ اس دوران آخری منزل پر پہنچ کر رُک گئی تھی جہاں سے اُس نے واپسی کے
لئے دوسری منزل کا پش بٹن دبا دیا اور اطمینان سے باہر نکل آیا۔ کمرہ 223 کے سامنے پہنچ
کر اُس نے بڑے شریفانہ انداز میں دستک دی۔ دروازہ راجن سنگھے نے کھولا۔

دھن راج بہادر نے مسکراتے ہوئے اُسے ''صبح بخیر'' کہا اور اندر داخل ہو کر
بڑے سلیقے سے چائے کے برتن میز پر سجا دیئے۔

''بیس منٹ بعد برتن لے جانا..... مجھے آج بارہ بجے چیک آؤٹ کرنا ہے''۔

راجن سنگھے نے اس کی طرف دیکھے بغیر ٹی وی پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''یس سر''

دھن راج بہادر نے اطاعت میں گردن ہلائی اور ''مزید خدمت'' کا استفسار
کرنے کے بعد کمرے سے باہر آ گیا۔

اس نے کچن کی طرف واپس جانے کے بجائے مین ہال کا رخ کیا اور ٹیلی فون
کاؤنٹر کی طرف چلا گیا جہاں ''لوکل کال فری'' کی سہولت موجود تھی۔ فون سے اُس نے ایک
لوکل نمبر ملایا اور دوسری طرف موجود ''مسٹر ورما'' سے بات کرتے ہوئے اسے ''کام ہو گیا
سر'' کہہ کر فون رکھ دیا۔

اب وہ اطمینان سے اپنے کچن کی طرف جا رہا تھا۔

''را'' کے نیپال میں موجود ''سب ہیڈ کوارٹر'' میں موجود مسٹر ورما نے جیسے ہی
دھن راج بہادر کی کال سنی اس نے اگلے ہی لمحے اس پیغام کو انتہائی محفوظ مواصلاتی رابطے پر
اشیش کمار تک پہنچا دیا جس نے مسکراتے ہوئے ورما کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ایک ہاتھ کی بند
مٹھی کو دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

''وہ مارا.....''

اُس نے کہا اور خود ہی ہنسنے لگا۔

''آپریشن ریڈ سٹار''.....شروع ہو چکا تھا۔

☆☆☆

راجن سنگھے نے معمول کا ناشتہ کرنے کے بعد اپنی گرل فرینڈ کا نمبر ملایا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے براس سٹیشن پر جہاں سری لنکن ائرلائن آپریٹ کرتی تھی وقت گزاری کے لئے کوئی نہ کوئی گرل فرینڈ ضرور رکھی ہوئی تھی۔ 45 سال عمر ہونے کے باوجود وہ بمشکل 30 سال کا دکھائی دیتا تھا اور ابھی تک کنوارہ تھا۔ اُس کا فلسفہ زندگی بڑا عجیب تھا اور وہ اپنے ساتھیوں سے اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر شادی کے بغیر کام چل رہا ہے تو یہ جھنجھٹ پالنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

ٹھیک 20 منٹ بعد اُس کے دروازے پر دستک ہوئی اور راجن سنگھے نے بڑبڑاتے ہوئے سنہالی زبان میں دھن راج بہادر کو گالی دے دی۔

''سالا ڈالر ٹپ کے لئے کیسا باؤلا ہوا جاتا ہے''۔

دروازہ کھولنے پر اُسے پھر دھن راج بہادر کا مسکراتا چہرہ دکھائی دیا۔

''اُٹھالو''۔

اس نے نگاہ غلط ڈالتے ہوئے اپنی جیب سے ایک ڈالر نکالا اور ٹرے پر پھینک دیا۔ ناشتے کا بل تو ائرلائن نے ادا کرنا تھا لیکن راجن سنگھے نے ٹپ دینے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ بھارت' نیپال اور سری لنکا کے قریباً تمام فائیو سٹار ہوٹلوں کے ویٹر اُسے پہچاننے لگے تھے۔

دھن راج بہادر نے ڈالر کا نوٹ اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے قریباً جھک کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کمرے سے باہر آ گیا۔

راجن سنگھے نے دوبارہ اپنی گرل فرینڈ سے فون پر بات چیت شروع کی اور اُسے اگلے چوبیس گھنٹے کے بعد اسی ہوٹل میں رات گزارنے کا مژدہ سنا کر فون بند کر دیا۔ اُسے یہ

فلائیٹ لے کر کھٹمنڈو سے دہلی وہاں سے لاہور اور اسی طرح واپس آنا تھا جس کے بعد دو دن آرام کے ملنے تھے جن سے راجن سنگھے نے بھرپور فائدہ اٹھانے کا منصوبہ ابھی سے بنا لیا تھا۔

فلائیٹ کی روانگی شام 7 بجے تھی اور اُسے چار بجے ائرپورٹ پر رپورٹ کرنی تھی کیونکہ جہاز میں سامان کی لوڈنگ اور ان لوڈنگ اسی کی نگرانی میں کی جاتی تھی۔

راجن سنگھے نے قریباً ساڑھے گیارہ بجے ہوٹل سے چیک آؤٹ کیا اور ائرلائن کے آفس چلا آیا۔ یہاں اُسے اپنے ساتھیوں سے گپ شپ لگانے کا موقعہ مل جایا کرتا تھا۔ ناشتہ کئے اُسے قریباً تین گھنٹے ہو گئے تھے۔ یہاں اُس کے ساتھیوں نے سٹیورڈ فرینکلن کی شادی کی خوشی میں چھوٹے سے جشن کا اہتمام کر رکھا تھا۔

راجن سنگھے نے بھی اپنے ساتھیوں کی دیکھا دیکھی سکاچ کا ایک چھوٹا پیگ لے لیا حالانکہ یہ خلاف قانون بات تھی کیونکہ فلائیٹ والے دن ان لوگوں کو ''ڈرنک'' کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

راجن سنگھے ڈسپلن کی خلاف ورزی کا کبھی جان بوجھ کر مرتکب نہیں ہوا تھا لیکن آج تو یہاں سب ہی ڈسپلن کی دھجیاں اڑا رہے تھے پھر وہ کیوں پیچھے رہتا۔

پندرہ بیس منٹ بعد یہ ہنگامہ فرو ہوا تو وہ ائرلائن سٹاف کے ''کامن روم'' میں ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔

دوپہر قریباً ڈیڑھ بجے اُسے اپنے پیٹ میں شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ بمشکل وہ واش روم تک پہنچا اور زندگی کے بدترین ''ڈائریا'' کا شکار ہو گیا۔ اسکی الٹیاں تو کنٹرول ہی نہیں ہو رہی تھیں۔

ساتھیوں نے راجن سنگھے کو بدقت تمام ایمرجنسی میں پہنچایا جہاں سے انہیں بتایا گیا کہ وہ تین چار دن تک کسی فلائیٹ پر جانے کے لائق نہیں رہا۔

☆☆☆

یہ کوئی خطرناک صورتحال نہیں تھی۔

عموماً ایسی ایمرجنسی پیش آتی رہتی تھی اسی لئے ائر لائن کی طرف سے خصوصاً انٹرنیشنل فلائٹس کے لئے کچھ عملے کو stand by رکھا جاتا تھا۔

تین بجے فلائیٹ انجینئر نرائن دت کو حکم ملا کہ وہ ایمرجنسی ڈیوٹی کے لئے ائرپورٹ پر پہنچ جائے۔

نرائن دت فون رکھ کر مسکرایا اور اُس نے فوراً ہی ایک لوکل کال کے ذریعے یہ اطلاع دیوان چند کو دے دی جس نے ''ویل ڈن'' کہہ کر فون رکھ دیا۔

نرائن دت اب ائرپورٹ کی طرف عازم سفر تھا جہاں اُس نے اچانک ملنے والی اس ڈیوٹی پر سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ آج اُسے کتنا اہم کام چھوڑ کر آنا پڑا۔

''یہ سالا راجن سنگھے بھی عجیب آدمی ہے..... کس نے کہا تھا بے وقت ڈرنک کرنے کو'' اُس نے بظاہر دل کی بھڑاس نکالی۔

''Leave it یار (چھوڑو اسے)''۔

کیپٹن داسا نے اُس کے کندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

اور..... نرائن دت نے اُس کی بات مان لی۔

تھوڑی دیر بعد ہی جہاز پر مسافروں کے سامان کی لوڈنگ شروع ہو گئی۔ اب سامان خورد و نوش اور دوسری ضروریات اندر پہنچائی جا رہی تھیں۔ اس سارے آپریشن کی نگرانی نرائن دت کر رہا تھا۔

لوڈنگ معمول کے مطابق ہو رہی تھی اور کسی کو اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ خوامخواہ اُس بڑے سیف نما ڈبے کو کھول کر دیکھے جس میں معمول کے سامان کے علاوہ کچھ ''غیر معمولی سامان'' بھی جہاز میں پہنچ چکا تھا۔

مسافروں نے ''چیک اِن'' شروع کر دیا تھا اور ابھی آدھے مسافر ہی بمشکل جہاز

میں داخل ہوئے تھے جب نرائن دت کا کام مکمل ہو گیا۔

جہاز کی نچلی منزل پر لوڈنگ مکمل ہونے کی اطلاع اس کی طرف سے ملنے پر معمول کے مطابق سیکورٹی سٹاف کے دو ممبران اندر آ گئے جنہوں نے بڑی بددلی سے اندر الماریوں اور گیلریوں میں ترتیب سے رکھے سامان پر سرسری نظریں دوڑائیں اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

نرائن دت نے پہلے سے گتے میں پھنسے کاغذ اُن کی طرف بڑھائے دونوں نے باری باری اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

نرائن دت نے مسکراتے ہوئے اُن کا شکریہ ادا کیا اور اُن کے ساتھ ہی جہاز کے پیٹ سے لگی سیڑھی کے ذریعے باہر آ گیا۔

تینوں اب گراؤنڈ پر کھڑے باتیں کرتے ہوئے اُن مسافروں کی طرف دیکھ رہے تھے جو قطار میں لگے جہاز میں سوار ہو رہے تھے۔ پھر دونوں سیکورٹی آفیسر اُس سے ہاتھ ملا کر اپنے لئے منتظر کار میں بیٹھ کر لاؤنج کی طرف چلے گئے جبکہ تکنیکی عملے نے جہاز کی نچلی منزل کو لاک کرنا شروع کر دیا۔

اگلے پندرہ منٹ بعد چیک اِن مکمل ہو گیا اور اب نرائن دت جہاز میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ معمول کے مطابق فسٹ کلاس میں اپنے لئے پہلے سے مختص سیٹ پر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

پنسل کی تمام لائٹس ایک ایک کر کے روشن ہو رہی تھیں۔

کیپٹن داسا نے جہاز کے معمول کے کل پرزے چیک کر لیے تھے اور اب وہ اے ٹی سی کی طرف سے اگلے اشارے کا منتظر تھا۔

''موسم کی پوزیشن کیا ہے؟''

اس نے معمول کا سوال کر دیا حالانکہ اسے علم تھا موسم ٹھیک ہی ہے۔

''ایک دم شاندار..... زبردست''۔

دوسری طرف سے جواب ملا۔

''تھینک گاڈ.....اب دیر کس بات کی ہے؟''

کیپٹن داسا نے کہا۔

''رن وے کلیئر ہو رہا ہے''۔

اے ٹی سی سے جواب ملا۔

اور.....اگلے ہی لمحے سبز لائٹ ٹمٹمانے لگی جس کا مطلب تھا کہ وہ ٹیک آف کر سکتا ہے۔

فسٹ کلاس میں موجود فلائیٹ پرسر کامنی نے مائیک سنبھالا اور مسافروں سے مخاطب تھا:

''خواتین وحضرات! کیپٹن داسا اور اُس کے عملے کی طرف سے آپ کو خوش آمدید.....ہم پرواز کے لئے تیار ہیں۔ براہ مہربانی اپنے سیٹ بیلٹ باندھ لیں.....سگریٹ بجھا دیں اور اپنے سامانے کی سیٹ میں رکھی احتیاطی تدابیر کی کتاب پڑھ لیں.....سری لنکا ائرلائن کے انتخاب کا شکریہ.....امید ہے ہمارا سفر آپ کے ساتھ بہت خوشگوار گزرے گا۔''

بوئنگ **737** کے مسافروں نے سکھ کا سانس لیا کہ فلائیٹ ان ٹائم تھی کیونکہ ایسا یہاں بہت کم ہوتا تھا۔ پہاڑی علاقہ اور بادلوں کی وجہ سے عموماً فلائٹس لیٹ ہو جاتی تھیں۔

بزنس کلاس میں بیٹھے نعمان نے ایک مرتبہ پھر کنکھیوں سے اپنے دائیں طرف کی آخری رو میں بیٹھے اُس لمبے تڑنگے سیاہی مائل گندمی رنگ والے نوجوان کو دیکھا اور دوبارہ اپنی نظریں اخبار پر جما دیں۔

اپنی تربیت یا عادت کے مطابق وہ عموماً جہاز میں بیٹھتے ہوئے اطراف کا جائزہ لے لیا کرتا تھا۔ نجانے کیوں یہ نوجوان شروع ہی سے اُسے کھٹک رہا تھا۔ اُسے یوں محسوس

ہو رہا تھا جیسے نوجوان جو دکھائی دینے کی کوشش کر رہا ہے وہ ایسا ہے نہیں اور اُس کے کپڑوں سے لے کر بیٹھنے کے سٹائل اور آنکھوں پر لگی رے بین عینک کی طرح سب کچھ جعلی ہے۔

''بھاڑ میں جائے مجھے کیا لینا دینا اس بات سے.....اس نے دلی اُتر جانا ہے دو ڈھائی گھنٹے بعد.....پھر یہ میرا مسئلہ تو نہیں''۔

اُس نے سوچا اور اُس ائرہوسٹس کی طرف متوجہ ہو گیا جو اُس کے سیٹ سنبھالنے کے فوراً بعد ہی خدمت پر جت گئی تھی۔

ائرہوسٹس جس کے سینے پر مونیکا کے نام کی بیلٹ سجی تھی اُس کے سامنے ٹرے میں نیم گرم تولیے لئے کھڑی تھی۔

نعمان نے شکریہ ادا کرتے ہوئے تولیہ اٹھایا اُسے کھول کر دو تین مرتبہ لہراتے ہوئے قدرے ٹھنڈا ہونے اُس سے اپنا منہ صاف کرنے کے بعد تولیہ دوبارہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔

☆☆☆

جہاز نے رن وے پر ٹیکسی کرنے کے بعد اب رفتار پکڑ لی تھی۔

''ہم ٹیک آف کر رہے ہیں.....عملہ اپنی سیٹیں سنبھال لے''۔

کیپٹن سنگھے کی آواز سنائی دی اور جہاز کے پہیے زمین سے بلند ہونے لگے۔

مناسب بلندی پر پہنچ کر پہیے سمٹنے کے بعد جہاز کے پیٹ میں داخل ہو گئے اور اب فلائیٹ نارمل انداز میں اپنی منزل کی طرف گامزن تھی۔

کھٹمنڈو کے پہاڑی سلسلے میں ہونے کی وجہ سے جہاز کے مسافروں کو ''سیٹ بیلٹ باندھے رکھنے'' کا مشورہ دیا گیا تھا لیکن اس مشورے پر سوائے چند مسافروں کے اور کسی نے عمل نہ کیا۔ جہاز کے نارمل ہوتے ہی فلائیٹ پرسر کامنی اپنی ساتھی ائرہوسٹس مونیکا کے ساتھ مشروبات کی ٹرالی گھسیٹتی ہوئی فسٹ کلاس کے مسافروں کی خدمت میں جُت گئی۔

نعمان اخبار بینی میں مصروف تھا۔ افسے علم ہی نہ ہو سکا کہ کب وہ مشتبہ نوجوان

اپنی جگہ سے اُٹھ کر فسٹ کلاس کی ''لیویٹری'' کی طرف گیا جس کے سامنے نرائن دت کھڑا تھا۔ نرائن دت اور نوجوان کی نظریں آپس میں ٹکرائیں اور دونوں نے مخصوص اشارہ دے دیا۔

نرائن دت کے اشارے پر وہی نوجوان ''لیویٹری'' سے ملحقہ ایک چھوٹا سا دروازہ کھول کر اندر جا گھسا۔ دروازے کے اندر کے راستہ جہاز کے پیٹ میں اُتر گیا جہاں اُن کا مطلوبہ سامان پہلے سے محفوظ تھا۔

فرش کا تختہ جو کھلا ہوا تھا سرکا کر وہ تیزی سے سیڑھیاں اُتر گیا۔ تختہ اُس نے اوپر سے بند کر دیا تھا اور اب تیزی سے اُس سیف نما بکس کو تلاش کر لیا تھا جس کو نرائن دت کی نگرانی میں کھٹمنڈو ائرپورٹ سے جہاز میں لوڈ کیا گیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے جہاز کی بوگی میں موجود ایک ایک بکس اور یہاں کی ساری ترتیب کا مکمل علم تھا۔

دو منٹ ہی بمشکل گزرے تھے جب وہ مطلوبہ باکس کے سامنے کھڑا تھا۔

اپنی جیب میں موجود ایک چابی سے اُس نے لاک کھولا اور اُس میں پہلے سے موجود ایک بیگ باہر نکال لیا..... بیگ کی زپ کھولنے پر وہ زیر لب مسکرایا۔ ایک پستول اُس نے نکال کر اُسے سٹینڈ بائی پوزیشن میں کیا اور بیگ کو دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر لاپروائی سے چلتا اوپر آ گیا۔

☆☆☆

نرائن دت بظاہر مسافروں سے معمول کی گپ شپ کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا لیکن اُس نے دروازے کے سامنے سے اپنی پوزیشن نہیں بدلی تھی۔ نوجوان کے نیچے اُترنے کے ٹھیک چار منٹ بعد وہ دروازے کے باہر پہنچ گیا۔

جہاز کے نیچے اُترنے کا یہ راستہ فسٹ کلاس اور اکانومی کلاس کے اتصال پر واقع تھا۔ اُسے وہاں پہنچے ابھی بمشکل ایک منٹ ہوا تھا جب اکانومی کلاس کی دوسری رو سے اٹھ کر ایک اور نوجوان اُس کی طرف بڑھا۔

اسے اٹھتے دیکھ کر نرائن دت کی پوزیشن والی رو کی پانچویں سیٹ سے ایک اور نوجوان اٹھا اور دونوں اپنی دانست میں ''لیویٹری'' کی طرف جا رہے تھے۔ نرائن دت دروازے سے اس طرح لگ کر کھڑا تھا کہ جہاز کا کوئی مسافر اندر کی کوئی نقل و حرکت محسوس نہ کر سکے البتہ اُس کے کان ایک مخصوص آواز کے منتظر تھے..... جو اُسے اب سنائی دینے لگی تھی۔

جہاز کی بوگی میں اُترنے والا بیگ سمیت واپس اوپر آ گیا تھا۔

نرائن دت اُس کی ایک جھلک دیکھتے ہی اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اب وہ اپنے سامنے والی قطار میں بیٹھے ایک چھوٹے سے بچے سے باتیں کر رہا تھا جبکہ اکانومی کلاس سے آئے ہوئے دونوں نوجوانوں نے جو مخالف سمتوں سے یہاں آئے ہوئے تھے اس کی پوزیشن سنبھال لی تھی۔

چھوٹا سا دروازہ کھلنے، نوجوان کے باہر آنے اور اپنے ساتھیوں تک ہینڈ گرنیڈ اور پستول منتقل کرنے میں بمشکل ایک ڈیڑھ منٹ لگا تھا۔

اس سے پہلے کہ حیران اور خوفزدہ مسافروں کو صورت حال کی سنگینی کا اندازہ ہو تین عمل بڑی برق رفتاری سے وقوع پذیر ہوئے۔ نیچے سے اوپر آنے والے نے نرائن دت کی گردن پر پستول رکھ کر اُسے دھکا دے کر فسٹ کلاس میں دھکیلا۔ اکانومی کلاس کے دونوں نوجوانوں نے اسلحہ لہراتے ہوئے جہاز کے آخری اور شروع کے کونے میں پوزیشن سنبھالی اور فسٹ کلاس میں موجود اُن کے چوتھے ساتھی نے بڑی پھرتی سے نیچے سے آنے والے نوجوان سے پستول وصول کر کے پائلٹ کیبن کا رُخ کیا۔ نعمان کے سامنے سے ہائی جیکر نرائن دت کی گردن پر پستول کی نال جمائے اتنی تیزی سے گزرا کہ اُسے احساس ہی نہ ہو سکا۔

☆☆☆

پائلٹ کیبن کے سامنے پہنچ کر نوجوان نے نرائن دت کی گردن پر پستول کا دباؤ

بڑھاتے ہوئے اُسے دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور اس کی طرف سے معمولی سے انکار پر اُس کی گردن پر پستول کا دستہ مار کر اُسے زمین پر گرا دیا۔

نرائن دت کا مشن مکمل ہو چکا تھا۔

وہ زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اس دوران اُس کے ساتھی نے کیبن کے ساتھ کھڑی ائر ہوسٹس مونیکا کی طرف پستول سیدھی کر کے ایک طرف ہٹنے کا اشارہ کیا اور جھٹکے سے ٹیلی فون نما مائیک الگ کر کے اُس پر مسافروں سے مخاطب ہوا۔

''خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا''۔

نعمان نے اچانک ہی اس آواز پر چونک کر گردن سیدھی کی تو فسٹ کلاس کی پہلی رو میں کھڑے نوجوان کو مسافروں کی سمت پستول تانے دیکھا۔ اُس کے دوسرے ہاتھ میں ہینڈ گرنیڈ پکڑا ہوا تھا۔

لاشعوری طور پر نعمان نے دائیں طرف گردن گھمائی تو مشتبہ نوجوان غائب تھا۔ اُس کا ماتھا ٹھنکا اور وہ فوراً سمجھ گیا کہ وہ ان کا ساتھی ہی تھا۔

''کیا کروں؟''

فوراً ہی اس سوال نے اس کے دل و دماغ پر دستک دی۔

اُس کے ضروری کاغذات اور پاسپورٹ سر پر لگے لگیج باکس میں اس کے بریف کیس میں تھے۔ نجانے نعمان کو کس نادیدہ طاقت نے ابھی سے اُن کے متعلق متفکر کر دیا تھا۔ اُس کی شدید خواہش تھی کہ کسی بھی طرح اپنا پاسپورٹ ضائع کر کے اپنی شناخت ان لوگوں سے چھپانا ہے۔

لیکن..... یہ کیسے ممکن ہو گا؟

اُسے اب اس سوال کا جواب تلاش کرنا تھا۔

☆☆☆

کیپٹن داسا نے اچانک دروازہ کھلنے کی آواز پر گردن گھمائی تو ایک لمبے تڑنگے

نوجوان کو اپنی طرف پستول سیدھے کیے دیکھا..... لاشعوری طور پر اُس نے اپنے دائیں ہاتھ کے نیچے ایک کونے پر موجود بٹن کو دبا دیا۔

یہ ایمرجنسی سگنل تھا جس کے ذریعے اُس نے فضا سے زمین پر موجود ائر پورٹس کو جہاز کے ''اغوا'' ہونے کی اطلاع کر دی تھی۔ نجانے اُسے کیوں اس بات کا احساس ہوا کہ شاید ہائی جیکر کی بھی یہی خواہش تھی کہ وہ ایسا ہی کرے۔

ہائی جیکر نے پستول اس کی گردن سے چپکاتے ہوئے اُسے سختی سے حکم دیا کہ جہاز کو اُس کی مرضی کے مطابق چلائے۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے مختلف بٹن دبانے کے احکامات جاری کرنے شروع کیے جو کیپٹن داسا اور اُس کے نائب نے کسی بدمزگی سے بچنے کے لئے دبا دیئے۔

''تم لوگوں کو کم از کم اس بات کا اچھی طرح علم ہو گیا ہو گا کہ میں بھی تمہاری طرح کا پائلٹ ہوں''۔

اُس نے طنزیہ انداز سے مسخروں کی طرح پستول باری باری دونوں کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اناؤنسنگ مائیک سنبھال لیا اور اب وہ اُس میں بول رہا تھا:

''معزز خواتین و حضرات میرا نام شامل خان ہے۔ میں تحریک جہاد کا کمانڈر ہوں۔ یہ جہاز اغوا ہو کر ہمارے قبضے میں آ چکا ہے۔ اب تک آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ ہمارے ساتھیوں نے پوزیشن سنبھال لی ہے۔ ہم نے جہاز میں ڈائنامائٹ نصب کر دیا ہے اور آپ میں سے کسی بھی مسافر کی معمولی سا چالاکی یا ہیرو بننے کی کوشش کا نتیجہ فوری تباہی ہو گا۔ میری درخواست ہے چپ چاپ اپنی سیٹوں سے بندھے رہیں۔ تمام مسافر سیٹ بیلٹس باندھ لیں۔ ہم دو منٹ بعد آپ کو

چیک کریں گے جس کی سیٹ بیلٹ کھلی ملی اُسے فوراً گولی ماردی
جائے گی.....خدا حافظ"

اس کے منہ سے آخری بات نکلنے کی دیر تھی کہ خوفزدہ اور چیختے چلاتے مسافروں نے فوراً سیٹ بیلٹس باندھنی شروع کردیں۔

کسی گھبراہٹ کے بغیر ہی سہی نعمان نے بھی اس حکم پر عمل کیا تھا لیکن وہ دل ہی دل میں ان کی چالاکی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ یہ لوگ واقعی زبردست تربیت یافتہ اور ہوشیار دکھائی دے رہے تھے۔

لیکن.....شامل خان؟ تحریک جہاد؟.....یہ کیا فراڈ ہے؟

کئی سوالات اُس کے دل و دماغ میں جنم لے رہے تھے اور اُسے کسی کا جواب نہیں مل رہا تھا۔

"دو منٹ گزر گئے خواتین و حضرات اب ہم چیکنگ شروع کر رہے ہیں"۔

اگلے اعلان نے خوفزدہ مسافروں کو مزید خوفزدہ کردیا۔

اکانومی کلاس میں موجود دو مسلح ہائی جیکروں میں سے ایک نے جو آخری کونے میں موجود تھا' تیزی سے مسافروں کو چیک کرنا شروع کیا۔ جان جانے کے خوف سے کس کی مجال تھی جو اس حکم کی خلاف ورزی کرتا۔

لیکن.....اچانک ہی جہاز چیخوں کی آواز سے گونجنے لگا۔

ہائی جیکر نے جہاز کے باہری دروازے کے ساتھ موجود سیٹ پر بیٹھے نوجوان کو سر میں گولی مار کر گرادیا۔

یہ جہاز کا گارڈ تھا.....جس کی پوزیشن کا انہیں پہلے سے علم تھا۔ اس فلائٹ میں دو کمانڈوز سویلین کپڑوں میں موجود تھے۔

دوسرے کو فسٹ کلاس میں دوسرے ہائی جیکر نے اس انجام سے دوچار کردیا۔ دونوں کے مردہ جسموں سے انہوں نے پستول الگ کر کے اپنے قبضے میں لے لئے تھے۔

مسافروں کے چہروں پر خوف سے مردنی طاری تھی۔ کئی کمزور دل والوں کی حالت واقعی بگڑنے لگی تھی۔

اچانک ہی جہاز شامل خان کی آواز سے گونجنے لگا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں.....اگر آپ نے کوئی غلطی نہ کی تو ہم آپ میں سے کسی کو گولی نہیں ماریں گے"۔

اعلان ختم ہوگیا۔

نعمان سوچ رہا تھا اُس کا واسطہ بہت خطرناک ہائی جیکروں سے ہے جو مسافروں کی نفسیات سے کھیلنے اور انہیں مفلوج کئے رکھنے کے فن سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ مرنے والے دونوں کون ہیں؟ اور ان کے ساتھ ہی اُسے باقی سارے کھیل کی بھی سمجھ آ گئی تھی۔

جو شخص خود کو شامل خان کہہ رہا تھا وہ بھارتی دہشت گرد تھا اور جس تنظیم کے نام کا انہوں نے اعلان کیا تھا وہ بھی "را" کی ہی کوئی خودساختہ تنظیم ہوسکتی تھی۔ نعمان کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ضرور اُس پر کوئی مشکل وقت آنے والا ہے اور یہ ہائی جیکنگ پہلے سے طے شدہ planned ہے۔

اب اُسے ہائی جیکروں کے اگلے قدم کا انتظار تھا۔ اُس نے خود کو ذہنی اور جسمانی طور پر آنے والے مشکل ترین وقت کے لئے تیار کرلیا تھا۔

☆☆☆

شامل خان کے ساتھیوں نے ابتدائی چند منٹوں ہی میں ایسی دہشت پھیلا دی تھی کہ اب وہ اطمینان سے اپنے باقی منصوبے پر آسانی سے عمل کرسکتے تھے۔

نرائن دت کو اب "ہوش" آنے لگا تھا.....ائر ہوسٹس مونیکا اُس کے سرہانے کھڑی خوف سے کپکپا رہی تھی جبکہ فلائٹ پرسر کامنی ایک سیٹ سے بندھی پھٹی پھٹی اور خوفزدہ نظروں سے کمانڈوز کی لاش دیکھ رہی تھی جس کے سر سے بہنے والا خون اب جہاز کے

فرش پر بچھے ہوئے قالین میں جذب ہو رہا تھا۔

اُس کے سامنے کھڑے ہائی جیکر نے اپنے دائیں ہاتھ لگے فون کریڈل پر ٹمٹماتی سرخ بتی دیکھ کر فون سنا اور دوسری سمت کاک پٹ میں موجود اُس کا ساتھی اُس سے مخاطب تھا۔ اپنے ساتھی کی باتوں کا جواب وہ صرف ''ہوں ہاں'' میں دے رہا تھا۔ فون رکھ کر اُس نے مونیکا کی طرف پستول سیدھا کیا۔

''چلو کھڑی ہو جاؤ''.....

مونیکا کے کانوں میں اُس کی آواز نے پگھلتا ہوا سیسہ انڈیل دیا۔ لیکن وہ ہمت کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

شامل خان مسافروں سے مخاطب تھا۔

''ہماری آپ سے کوئی دشمنی نہیں۔ ہم اس سلوک اور پریشانی کیلئے معذرت خواہ ہیں۔ آپ کو ریفریشمنٹ پیش کی جائیں گی لیکن کوئی سیٹ بیلٹ نہیں کھولے گا''۔

اس اعلان پر کم از کم اُن مسافروں کے تنے ہوئے اعصاب کچھ ڈھیلے ضرور پڑے جو شدت سے ادویات کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔

.....☆.....

کھٹمنڈو ائے ٹی سی پر جیسے ہی فلائٹ ہائی جیک ہونے کا سگنل موصول ہوا ایک کھلبلی سی چاروں طرف مچ گئی..... بمشکل ایک ماہ پہلے ہی یہاں سے ائر انڈیا کی ایک فلائٹ ہائی جیک ہو گئی تھی جس کے بعد سے خصوصاً بھارت کی طرف سے نیپال پر بے پناہ سیاسی دباؤ ڈالا گیا تھا۔ ساری دنیا کے پریس نے نیپال میں کمزور سیکورٹی پر نیپالی حکومت کو زبردست لعن طعن الگ سے کی تھی۔ اس صورتحال کا فائدہ اُٹھا کر بھارتی حکومت نے نیپال کو بلیک میل کرتے ہوئے یہاں ''کرائسس کنٹرول سنٹر'' کے نام سے ایک کمیٹی آئندہ ایسے حالات کی پیش بندی کے لئے قائم کر دی تھی جس میں آدھے ممبران کا تعلق بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں سے تھا۔

نیپالی اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ سارا ڈرامہ دراصل نیپال میں موجود پاکستانی سفارت کاروں کے گرد گھیرا تنگ کرنے اور اُن کے خلاف سازشوں میں آسانیاں تلاش کرنے کے لئے رچایا جا رہا ہے۔ کرائسس کنٹرول سنٹر کی آڑ میں بھارتی انٹیلی جنس نے

نیپال کے بہت سے خفیہ معاملات تک ''تعاون'' کے چکر میں باقاعدہ رسائی حاصل کر لی تھی۔

لیکن..... نیپالی مجبور تھے.....

وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھے کہ اس صورتحال پر کوئی احتجاج ہی ریکارڈ پر لا سکیں۔ ایک کمزور اور بھارتی حکومت کی محتاج قوم ہونے کے ناطے انہیں اس ''جرم ضعیفی'' کی سزا بہرحال ملنی ہی تھی۔ اس سے پہلے اُن کے ہمسایہ ممالک میں بھارتی یہ کھیل آسانی سے کھیلتے آئے تھے۔ انہوں نے مالدیپ میں ہونے والی ''بغاوت'' پر قابو پانے کی آڑ میں اپنے کمانڈوز مالدیپ میں داخل کر کے وہاں اپنی تابع فرمان حکومت بنالی تھی۔

سری لنکا میں پہلے تاملوں کے ذریعے بغاوت برپا کروائی اور پھر وہاں سری لنکا حکمت کی مدد کے لئے ''امن فوج'' بھی زبردستی داخل کر دی۔ اس ''امن فوج'' سے نجات حاصل کرنے کے لئے سری لنکا کی حکومت نے جتنی زیادہ قیمت ادا کی تھی اس کا نیپالی حکومت تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

ماضی بعید میں بنگلہ دیش کی مکتی باہنی کی مثال بھی اُن کے سامنے تھی۔ گو کہ بنگلہ دیش اور سری لنکا نے کسی نہ کسی طرح ان ''بھارتی نوازشات'' سے جان بخشی کروالی تھی لیکن چاروں طرف سے ''لینڈ لاک'' (Land Lock) نیپالی تو اُن کا ایک معمولی جھٹکا بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

بے چارے خاموشی سے اپنے لٹنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اُن کے لئے کم از کم ایک بات قابل اطمینان ضرور تھی کہ اپنے ائرپورٹ سیکورٹی سسٹم میں بھارتیوں کو حصہ دار بنانے سے اب وہ کم از کم بھارت کی بلیک میلنگ سے تو محفوظ ہو جائیں گے کیونکہ ایک ماہ پہلے بھارتی ائرلائن کے ایک بوئنگ کے ہائی جیک ہونے کے بعد تو بھارتی حکومت نے اُن کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

کھٹمنڈو ائرپورٹ کی اے ٹی سی (ائرکنٹرول ٹاور) میں ڈیوٹی پر موجود منجول کمار کو جب یہ سگنل ملا اور اُس نے تصدیق کر لی کہ واقعی فلائٹ اغوا ہو چکی ہے تو اُسے نجانے کیوں اس بات پر صدمہ ہونے کے بجائے غصہ آیا اور پھر خوشی بھی ہوئی کہ اب کم از کم اس گناہ میں ''بھارتی انٹیلی جنس'' بھی برابر کی شریک ہے کیونکہ انہیں یہاں کے سیکورٹی انتظامات میں مکمل عمل دخل حاصل تھا۔

اُس نے یہ اطلاع سب سے پہلے اپنے سیکورٹی چیف بھوپندر اسنگھ کو دی جس نے اگلے ہی لمحے کرائسس کنٹرول کمیٹی کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا۔ ان لوگوں نے کسی بھی ہنگامی صورتحال کے پیش نظر دس منٹ میں اکٹھے ہو کر میٹنگ کرنے کے انتظامات کی ریہرسل کی ہوئی تھی اور تقریباً 12 منٹ بعد وہ میٹنگ کر رہے تھے۔

بھوپندرا کے لئے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ کمیٹی میں موجود دو بھارتی ممبران میں سے کوئی بھی صورتحال کی سنگینی کا ایسا ادراک نہیں رکھتا تھا جس کی توقع بھوپندر اسنگھ کو اُن سے تھی۔ اُس کا ماتھا ٹھنکا لیکن ابھی تک اُس نے کوئی غلط بات نہیں سوچی تھی اور وہ یہی گمان کر رہا تھا کہ شاید ان لوگوں کے کام کرنے کا یہی انداز ہوگا۔

پندرہ منٹ تک آپس میں بحث مباحثہ کرنے کے بعد انہوں نے سب سے پہلا فیصلہ یہی کیا کہ نزدیک دور کے تمام ائرپورٹس کو اس اغوا کی خبر کر دی جائے اور دوسرے ہی لمحے اس پر عمل بھی ہو گیا۔

لیکن..... یہ بات وہ بھی جانتے تھے کہ جہاز اغوا ہونے کے سگنل صرف انہوں نے نہیں بلکہ اس خطے میں موجود چار پانچ ائرپورٹس کے ائرکنٹرول ٹاورز نے موصول کر لیے تھے اور وہ لوگ اپنے اپنے انداز میں اس صورت حال سے نمٹنے کی تیاریاں بھی کر رہے تھے۔ کھٹمنڈو میں کرائسس کنٹرول سنٹر کی طرف سے رپورٹ ملنے پر بھارتی انٹیلی کمانڈ کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا گیا تھا جس نے متفقہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ جہاز کو کسی بھی صورت کسی بھارتی ائرپورٹ پر لینڈ نہیں کرنے دیں گے۔ انٹیلی جنس کمانڈ میں شامل بھارت کی پانچ اہم ترین

انٹیلی جنس ایجنسیوں میں سے صرف ایک ایجنسی ''را'' کے نمائندے کو اس بات کا علم تھا کہ یہ سارا کھیل کون کھیل رہا ہے لیکن انتہائی راز داری کے پیش نظر انہوں نے بھارتی آرمی کی ہائی کمان کو بھی اعتماد میں لینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

ہائی جیک ہونے والے سری لنکا ائر لائن کے جہاز کو بھارت کی تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں نے گو کہ متفقہ طور پر بھارتی سرزمین پر اترنے کی اجازت نہ دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا گو کہ وہ بھی اس بات سے آگاہ نہیں تھے کہ ''را'' اس فیصلے میں صرف زبانی کلامی شامل ہے کیونکہ اُن کا ''آپریشن ریڈ سٹار'' اس کے بغیر نامکمل رہ جاتا۔ انہوں نے یہ سارا گھڑا گ جہاز کو بھارتی ائر پورٹ پر اتارنے اور نعمان کو ہائی جیکروں کے ہاتھوں مروانے کے لئے ہی تو پھیلایا تھا۔

بھارتی انٹیلی جنس کمانڈ کا ہنگامی اجلاس پندرہ منٹ بعد اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد ختم ہو گیا تھا اب اُن کے اعلیٰ افسران اپنے اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف جا رہے تھے تا کہ اس کرائسس کو اپنے اپنے انداز میں کنٹرول کر سکیں۔

☆☆☆

بمبئی کے سانتا کروز ہوائی اڈے پر موجود انٹیلی جنس کے عالی دماغ ایک کمرے میں جمع ہو کر شامل خان کے احکامات سن رہے تھے جو وہ جہاز سے اُن کے لئے جاری کر رہا تھا۔

''ہم جہاز بھارت میں نہیں اُتاریں گے''۔

شامل خان کی پہلی ہی بات نے انہیں چونکا دیا۔

''تمہاری منزل کون سی ہے؟''

کنٹرولر نے پوچھا۔

''صرف میرے احکامات پر عمل کرو۔ اگر کسی نے کوئی اُلٹا سیدھا سوال پوچھا میں ایسے ہر سوال کے بدلے تمہارے ایک بکرے کو ذبح کر دوں گا''۔

شامل خان کی غصیلی آواز سامنے دھرے ڈبے سے فضا میں منتشر ہوئی اور اُس نے بھارتی سیکرٹری دفاع سمیت اُن پندرہ اہم شخصیات کے نام انہیں پڑھ کر سنا دیے جو اس جہاز میں سوار ہو کر دہلی آ رہے تھے۔

''بڑا احرامی لگتا ہے''

کنٹرولر نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''آف کورس سر!''

کمیٹی میں موجود ''را'' کے آفیسر نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

تحریک جہاد کا کمانڈر شامل خان جہاز کی سمت تبدیل کروا کر اُسے بمبئی کی فضا میں لے آیا تھا اور اب مسلسل جہاز فضا میں چکر کاٹ رہا تھا۔

صورتحال اتنی سنگین تھی کہ بھارتی حکومت نے ایمرجنسی ڈیکلیئر کر دی تھی۔ نہ کوئی جہاز یہاں سے پرواز کرنے لائق رہا تھا اور نہ ہی اترنے کی گنجائش باقی تھی۔ انڈین انٹیلی جنس کے عالی دماغوں نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ ہائی جیکر بڑے مضبوط اعصاب کا مالک ہے اور وہ نفسیاتی طور پر بھی اُن سب پر بھاری پڑ رہا تھا۔

''سانتا کروز'' میں ہوائی اڈے پر موجود کرائسس کنٹرول کمیٹی کے پانچ ممبران میں ''را'' کی طرف سے ڈپٹی ڈائریکٹر ''دیوان چند'' کو شامل کیا گیا تھا جو آج صبح ہی یہاں پہنچا تھا اور جسے ہیڈ کوارٹر نے خصوصی احکامات اور اختیارات کے ساتھ یہاں بھیجا تھا۔ اُس کی معاونت کے لئے ڈپٹی ڈائریکٹر آپریشن اشیش کمار کا ہاٹ لائن پر رابطہ موجود تھا۔

کمیٹی کے فاضل ممبران کو اس بات کا احساس ہو چلا تھا کہ جلد یا بدیر انہیں جہاز کو ''سانتا کروز'' پر ہی اترنے کی اجازت دینی پڑے گی کیونکہ جس انداز سے شامل خان جہاز کے چکر لگوا رہا تھا اُس میں یہ دھمکی بہر حال موجود تھی کہ وہ جہاز کو بمبئی کی فضا میں دھماکے سے اڑا دے گا..... اور یہ خطرہ بھارتی حکومت ہرگز مول نہیں لے سکتی تھی۔ انکی ہر ممکن یہ کوشش تھی کہ ہائی جیکر جہاز کو بھارت کے باہر کسی ملک میں لے جائیں البتہ اُن کے ڈیفنس

سیکرٹری اور دوسرے اہم سرکاری افسران آج بدقسمتی سے اس جہاز میں سفر کر رہے تھے بھارت میں ہی اتار دیں۔ اس کے عوض بھارتی حکومت ہائی جیکرز کو انکی مرضی کے مطابق مراعات دینے کے لئے بھی تیار تھی۔

خوفزدہ اور سہمی ہوئی ائر ہوسٹس ہائی جیکر کی نگرانی میں فسٹ کلاس کے مسافروں کو مشروبات تقسیم کر رہی تھی۔ ہائی جیکر نے اس بات پر خصوصی توجہ دی تھی کہ کسی مسافر نے سیٹ بیلٹ نہ کھولی ہو۔

نعمان کو اُس نے معمول کے مطابق ہی کافی سرو کی تھی۔ نعمان نے صرف کافی لینے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو شاید ان حالات میں وہ کافی بھی لینا پسند نہ کرتا کیونکہ وہ خود اس میدان کا کھلاڑی تھا اور یہ خدشہ اُس کے ذہن کے کسی کونے میں موجود تھا کہ ان لوگوں نے کہیں مشروبات میں نشہ آور ادویات شامل نہ کر دی ہوں۔

''میرے ساتھی فسٹ کلاس کے مسافروں کے پاسپورٹ چیک کریں گے۔ صرف وہ مسافر کھڑا ہوگا جس سے کہا جائے گا..... دوسرا کوئی مسافر کھڑا ہونے کی کوشش نہ کرے''۔

ہائی جیکروں کے لیڈر کی کرخت آواز نے نعمان کو پھر چونکا دیا۔

اس کے ساتھ ہی فسٹ کلاس میں موجود اُس کے ساتھی کی مدد کے لئے اکانومی کلاس سے ایک ہائی جیکر وہاں آ گیا۔ انہوں نے ایک ایک مسافر کی شناخت چیک کرنا شروع کر دی تھی اور اب وہ نعمان کے سرہانے کھڑے تھے۔

''پاسپورٹ''

ایک ہائی جیکر نے جس کی شکل چیخ چیخ کر اُس کے انڈین ہونے کا اعلان کر رہی تھی نعمان سے پوچھا۔

''اوپر میرے بریف کیس میں ہے''

نعمان نے اطمینان سے جواب دیا۔

ہائی جیکر نے اُس کے سر پر موجود لگیج باکس کھولا اور اُس کو وہاں رکھے بریف کیس دکھانے کے بعد اُس کا بریف کیس باہر نکال کر اُسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن یہ نمبروں سے کھلنے والا بریف کیس اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''لاؤ میں کھول دوں''

نعمان نے کہا۔

''شٹ اپ''.....

ہائی جیکر چیخا۔

''نمبر بتاؤ''

اُس کے ساتھی نی نعمان کو پھاڑ کھانے والے لہجے میں مخاطب کر کے پوچھا۔

اور..... نعمان نے نمبر بتا دیا کیونکہ اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اسے اب تک کوئی نادیدہ قوت بار بار یہ احساس دلا رہی تھی کہ یہ ہائی جیکر وہ نہیں جو دکھائی دے رہے ہیں اور دراصل اس اغوا کا کوئی اور ہی پس منظر ہے۔

ہائی جیکر نے اُس کا بیگ کھول کر اس کا ڈپلومیٹک پاسپورٹ دیکھا اور مسکرا کر اپنے ساتھی کو اشارہ کیا جواب کاک پٹ کی طرف بھاگا بھاگا جا رہا تھا۔

دو منٹ بعد ہی شامل خان وہاں موجود تھا جبکہ اُس کے ساتھی نے کاک پٹ میں پائلٹوں کے سر پر اُس کی جگہ سنبھال لی تھی۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

شامل خان نے پاسپورٹ کے مندرجات پڑھنے کے بعد اُسے پوچھا۔

''اس پر لکھا ہے''

نعمان نے قدرے سختی سے کہا۔

اور..... دوسرے ہی لمحے پستول سے شامل خان نے اُس کی گردن کو کچوکا دیا۔

''خبردار آواز اونچی نہ کرنا..... ورنہ ہمیشہ کے لئے بند کردوں گا''۔

''نعمان''

نعمان نے اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر صرف ایک لفظ کہا۔

''کب سے ہو یہاں''

اگلا سوال ہوا۔

''دو ماہ سے''

نعمان نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے..... خیال رکھو اس کا''۔

شامل خان نے اپنے ساتھی سے کہا اور نعمان کا بریف کیس لے کر دوبارہ کاک پٹ کی طرف چلا گیا۔ اُس کا دوسرا ساتھی اب واپس آ گیا تھا۔

☆☆☆

کیپٹن داسا کے سامنے مائیک سے مسلسل آواز سنائی دے رہی تھی۔ کوئی اُن سے بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ مسلسل فلائٹ کو مخاطب کر رہا تھا لیکن ڈر کے مارے کیپٹن داسا نے ابھی تک کال اٹینڈ نہیں کی تھی۔

اچانک ہاتھ بڑھا کر مائیک شامل خان نے پکڑ لیا۔

''کون ہو تم.....؟''

اُس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

''میں بھارت کا وزیر دفاع ہوں..... تم لوگ کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟''

مائیک سے آواز آئی۔

''ویل ڈن..... تو ان لوگوں کو عقل آ ہی گئی اور انہوں نے تمہیں بلا لیا..... ورنہ ہم تو چند منٹ بعد جہاز کو تمہارے سروں پر گرانے کا پروگرام بنا رہے تھے''

شامل خان نے طنزیہ اور غصے بھرے لہجے میں کہا۔

''کیا چاہتے ہو تم ہم سے.....؟''

وزیر دفاع نے دماغ ٹھنڈا رکھا۔

''ہمیں تم سے کچھ لینا دینا نہیں ..... میں تحریک جہاد کا کمانڈر شامل خان ہوں..... ہمارا مسئلہ تم نہیں پاکستانی حکومت ہے''

شامل خان نے غصے سے کہا۔

''اپنی ڈیمانڈ تو بتاؤ ہم انہیں پہنچا کر بات کرتے ہیں''۔

ڈیفنس منسٹر بولا۔

''اچھا..... سنو! میرے پانچ اہم ساتھی جو انہوں نے قلعے میں قید رکھے ہیں انہیں رہا کر کے قندھار پہنچایا جائے..... ہمارے لئے دس ملین ڈالر کا بندوبست کیا جائے۔ نوٹ ہم اپنی مرضی کے مطابق چاہیں گے اور ہم سے ہماری اگلی منزل دریافت نہیں کی جائے گی'' شامل خان نے کہا۔

''دیکھو تم کم از کم ہماری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرو..... ہم اپنی حکومت کی طرف سے تمہیں مطلوبہ رقم فراہم کر دیں گے..... تمہیں محفوظ مقام تک تمہاری خواہش کے مطابق پہنچایا جائے گا..... ہم یو این او کے ذریعے حکومت پاکستان سے درخواست کریں گے کہ تمہارے ساتھیوں کو بھی رہا کر دے..... لیکن تم پلیز ہتھیار ڈال دو''۔

ڈیفنس منسٹر نے اُسے سمجھانا چاہا۔

''شٹ اپ..... خبردار اگر آئندہ یہ لفظ بھی زبان پر لائے تو..... تمہارے انٹیلی جنس والے ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں..... وہ تمہیں بتا دیں گے کہ شامل خان جو کہتا ہے وہ کر گزرتا ہے''۔ اُس نے اتنی بدتمیزی سے انڈین ڈیفنس منسٹر کو ڈانٹا کہ پائلٹ کیپٹن داسا کو بھی غصہ آ گیا۔

''تمہیں تو ڈھنگ سے بولنے کی بھی تمیز نہیں''۔

اُس نے بے اختیار یہ جملہ کہا جس پر شامل خان کا ردعمل انتہائی غیر متوقع تھا۔

اُس نے پورے زور سے داسا کی گردن پر ہاتھ رسید کیا۔ داسا کی ٹوپی دور جا گری اور اُسے یوں لگا جیسے کسی نے لوہے کا پنجہ اُس کی گردن پر گاڑ دیا ہو۔ درد، احساس ذلت، بے بسی اور غصے سے اُس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ لیکن اُس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے ضبط کیا۔

''پلیز..... پلیز! ایسا نہ کیجئے''

کو پائلٹ کیپٹن کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔ اُس نے بڑے ملتجی لہجے میں ہائی جیکر سے درخواست کی تھی۔

''خبردار اگر آئندہ اپنے منہ سے اجازت لیے بغیر ایک لفظ بھی نکالا تو''.....

شامل خان نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

مائیک اُس نے غصے سے واپس پھینک دیا تھا جس سے مسلسل ''ہیلو! ہیلو! بات کرو ہم سے بات کرو''..... کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''بتاؤ! بتاؤ انہیں کہ اب تک ہم تمہارے دونوں گارڈز کو مار چکے ہیں اور اس کے بعد تم لوگوں کی باری ہے.....''

شامل خان اتنے زور سے چیخا کہ اُس کی آواز جہاز کے انجنوں کے شور پر بھاری پڑنے لگی تھی۔

کیپٹن داسا نے زخمی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھا اور مائیک خود سنبھال لیا۔ اب وہ خود انڈین ڈیفنس منسٹر سے مخاطب تھا۔

''میں فلائٹ ایس اے ٹو ٹو ون سے کیپٹن داسا بات کر رہا ہوں۔ سر! ان لوگوں نے ہمارے سٹاف کے دو ممبرز کو مار دیا ہے..... اور یہ ہم سب کو بھی اسی طرح مار ڈالیں گے..... پلیز فار گاڈ سیک..... ہماری جان بچائیے''۔

کیپٹن داسا بڑا بہادر آدمی تھا لیکن نجانے کیوں آخری مرحلے پر اُس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

''کیپٹن داسا آپ مطمئن رہیں..... ہم آپ کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے''

منسٹر نے اسے تسلی دی۔

اور..... دوسرے ہی لمحے مائیک اُس سے شامل خان نے چھین لیا۔

''اگر تم اس فلائٹ کی سلامتی چاہتے ہو تو گورنمنٹ آف پاکستان سے میری بات کرواؤ''

اُس نے بڑے سرد لہجے میں کہا۔

''دیکھو مسٹر تم جو کوئی بھی ہو..... تمہیں اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ ہمارے لئے یہ بات ممکن نہیں.....''

انڈین ڈیفنس منسٹر نے بے بسی سے کہا۔

''اسے ممکن بناؤ مسٹر ڈیفنس منسٹر..... ورنہ یاد رکھنا اس فلائٹ میں تمہارا سیکرٹری ٹو گورنمنٹ اور 30 اہم شخصیات بھی موجود ہیں''

شامل خان نے اُسے دوبارہ ڈانٹ دیا۔

گھبراہٹ کے مارے ڈیفنس منسٹر کے ہاتھوں سے ٹیلی فون گرتے گرتے بچا تھا۔ اُس نے وہاں موجود لوگوں کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور جھٹ سے فون رکھ دیا۔ اپنی خفت چھپانے کے لئے وہ سنبھال کر وہاں موجود افسران سے مخاطب ہوا۔

''کون ہے یہ شخص؟''

اپنی دانست میں وہ بڑے غصے میں بولا تھا۔

''ہم اصلیت جاننے کی کوشش کر رہے ہیں سر!''

دیوان چند نے کہا۔

''ڈیم اِٹ..... ابھی تک تم اس کی اصلیت نہیں جان سکے۔ ارے کب جانو گے جب وہ بمبئی کی کسی بلڈنگ سے جہاز ٹکرا دے گا''۔

اچانک ہی ڈیفنس منسٹر بھڑک اٹھا۔

''سر! یہ کوئی بالکل نئی تنظیم ہے۔ ہمارے ریکارڈ میں اس نام کی کوئی تنظیم موجود نہیں''

دوسرے افسر نے جواب دیا۔

''شاید افغانی ہیں..... یا پھر فرسٹریشن کے مارے لوگ ہیں..... پاکستانی گورنمنٹ کے اچانک سٹانس (stance) تبدیل کر لینے سے ان کا بہت نقصان ہوا ہے ناں سر''۔

تیسرے نے لب کشائی کی۔

''تم سب احمق ہو..... ایک دم احمق..... دو ماہ نہیں گزرے اور یہ دوسری ہائی جیکنگ ہوگئی ہے۔ کیا جھک مار رہے ہو تم اُدھر نیپال میں.....''

ڈیفنس منسٹر کا پارہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔

''ہم کوشش کر رہے ہیں سر! ٹریس کر لیں گے''۔

دیوان چند نے نوٹ کر لیا تھا کہ ڈیفنس منسٹر کے لہجے سے دوسری ایجنسیوں کے افسران نے بہت برا محسوس کیا تھا۔ اُس نے اپنی دانست میں معاملہ ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔

''کب کرو گے؟ کب کرو گے؟ تم لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔ کچھ نہیں کر سکتے تم..... وہ مٹھی بھر لوگ ہیں اور نچا کر رکھ دیا ہے انہوں نے ہم سب کو..... تم کیا خاک ٹریس کرو گے''۔

ڈیفنس منسٹر ٹھنڈا ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اور ''اصلیت'' سے بے خبر دوسری انٹیلی ایجنسیوں کے افسران اپنی مزید بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

''سر یہ کوئی پولیٹیکل میٹر (matter) نہیں ہے..... ہائی جیکنگ ہے سر..... کچھ وقت تو لگے گا ناں..... ہمارے پاس کوئی جادو کی چھڑی تو ہے نہیں سر.....''

ایک افسر سے رہا نہ گیا۔

اور.....

ڈیفنس منسٹر آپے سے باہر ہو گیا..... لیکن غصے میں بے قابو ڈیفنس منسٹر کو اس بات کا بہر حال احساس تھا کہ یہ کتنے طاقتور لوگ ہیں۔ اُس نے کچھ بولنے کے بجائے ''واک آؤٹ'' کو زیادہ مناسب جانا اور غصے سے کھولتا باہر نکل گیا۔

''گدھا.....''

کمرے سے باہر نکلتے ہی وہاں موجود انٹیلی جنس آفیسرز نے ریمارکس دینا شروع کر دیئے۔

☆☆☆

دلی میں پاکستان ہائی کمیشن سے آنے والے ایمرجنسی سگنل نے اسلام آباد وزارت خارجہ میں ''ریڈ الرٹ'' کر دیا تھا۔

بھارتی وزارت خارجہ میں پاکستانی ہائی کمشنر کی ہنگامی طلبی کے بعد انہیں بتایا گیا تھا کہ سری لنکن ائرلائن کے جہاز کو ہائی جیک کرنے والوں نے کیا پیغام دیا ہے۔ بھارت سرکار نے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لئے اپنے اور ہائی جیکروں کے درمیان ہونے والی گفتگو انہیں سنائی تھی اور ہائی کمشنر کی درخواست پر اس کے ٹیپس کی ایک کاپی بھی فوراً مہیا کر دی تھی جو اگلے دس منٹ بعد پاکستان وزارت خارجہ سے اس جوائنٹ انٹیلی جنس کرائسس کنٹرول سیل کے ممبران سن رہے تھے جنہیں اچانک ''ہائی الرٹ'' کیا گیا تھا اور جنہیں وزارت خارجہ کا ایک سیکرٹری بھارتی حکومت کی طرف سے حاصل شدہ معلومات کی بریفنگ دے رہا تھا۔

''ڈیم اِٹ''.....

سیل کے انچارج جنرل باجوہ نے اپنی سٹک ہاتھ پر مارتے ہوئے کہا۔

''ٹریپ ہے سر''

کرنل حامد نے اپنی رائے دی۔

''کوئی نیا کھیل کھیلنے جا رہے ہیں سر یہ لوگ''۔

بریگیڈیئر خان نے کہا۔

''دیکھ لیں گے.....وقت بتائے گا کون زیادہ اچھا کھلاڑی ہے''۔

جنرل باجوہ کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی۔

پندرہ منٹ تک جاری رہنے والے اس انتہائی اہم نوعیت کے اجلاس میں کرائسس کنٹرول سیل کے سربراہ کی حیثیت سے جنرل باجوہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس اغوا شدہ جہاز کو کسی بھی قیمت پر پاکستان کے کسی بھی ائرپورٹ پر لینڈ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

پاکستان ایوی ایشن اور ائرفورس کو ہائی الرٹ کر دیا گیا تھا اور وہ لوگ کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لئے اپنی اپنی جگہ سنبھالنے کے لئے ہیڈکوارٹرز کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

وزارت خارجہ پاکستان کی طرف سے ایک ہنگامی پریس کانفرنس بلا کر اخبار نویسوں کو ساری صورتحال سے آگاہ کرنے کے بعد پاکستان کے فیصلے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

پریس کانفرنس کرنے والے سیکرٹری خارجہ نے اخبار نویسوں کے سوالات کے جوابات دینے سے معذرت کر لی تھی کیونکہ انہیں ہنگامی صورتحال کے تحت اپنے آفس پہنچنا تھا۔

.....☆.....

پہلے ہی حملے نے بھارتیوں کے کس بل نکال دیئے تھے۔

پاکستانی وزارت خارجہ کی پریس کانفرنس براہ راست بین الاقوامی چینلز پر آن ائر گئی تھی جس نے بھارت سمیت ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

بھارتی حکام کو اگر اس بات کی بھنک بھی پڑ جاتی کہ پاکستان اُن کی چال میں آئے بغیر اس مسئلے کو فوراً بین الاقوامی مسئلہ بنا دیں گے تو وہ یہ کام خود کرتے لیکن اب تو تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

ایک پریس کانفرنس سے ہی بھارت پچھلے قدموں پر کھیلنے کے لئے مجبور ہو گیا تھا۔

فوراً بھارت کی طرف سے جوابی پریس کانفرنس کا ہنگامی اہتمام ہوا اور بھارتی وزارت خارجہ کا ترجمان چندنا بھاسو کو اپنی زندگی کی سب سے زیادہ اعصاب شکن صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔

اُس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا پہلے سے ٹائپ شدہ پندرہ بیس سطر کا ایک بیان پڑھ

کر سنانا شروع کیا جس میں بتایا گیا تھا کہ پاکستانی ''تحریک جہاد'' نامی گروپ نے سری لنکن ائر لائن کا جہاز اغوا کر کے جو مطالبات دہرائے ہیں وہ بھارتی حکومت نے پاکستانی ہائی کمیشن کے ذریعے حکومت پاکستان تک پہنچا دیئے ہیں۔ بیان کے آخر میں حکومت پاکستان سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ جلد از جلد کوئی فیصلہ کرے تاکہ معصوم اور بے گناہ مسافروں کی جان بچائی جا سکے۔

چندنا بھاسو نے بتایا تھا کہ جہاز اس وقت بھارت کی فضا میں چکر لگا رہا ہے اور ہائی جیکر دھمکی دے رہے ہیں کہ اگر اُن کے مطالبات پورے نہ کیے گئے تو وہ جہاز کو فضا میں تباہ کر دیں گے۔

ابھی بمشکل اُس کا بیان ختم ہوا تھا۔ اب اُس پر اخبار نویسوں نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ سوالات اتنے تیکھے اور بوکھلا دینے والے تھے کہ چندنا بھاسو کو سردی میں بھی ماتھے پر پسینہ آ گیا۔

اخبار نویس پوچھ رہے تھے کہ بھارتی حکومت نے فوراً ہی پریس کانفرنس کیوں نہیں کی اور ہائی جیکر جہاز پاکستان کے بجائے بھارت کی فضا میں ہی کیوں تباہ کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں جبکہ وہ یہ بات یقیناً جانتے ہوں گے کہ بھارت پر کتنا بھی دباؤ بڑھا دیا جائے وہ پاکستان سے اپنی ایک بات بھی نہیں منوا سکتا۔ بھارت کی طرف سے خلوص سے کی جانے والی کسی کوشش کو بھی پاکستان ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھے گا۔

اس نوعیت کے بے شمار سوالات ہو رہے تھے اور ان سب کا جواب چندنا بھاسو صرف ایک ہی فقرہ بول کر دے رہی تھی کہ ''صورتحال ابھی غیر واضح ہے۔ ابھی وہ کوئی حتمی بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں''۔

اخبار نویس سمجھ رہے تھے کہ اُس کے پاس کسی سوال کا جواب ہی نہیں۔ براہ راست بین الاقوامی چینلز سے آن ائر جانے والی اس پریس کانفرنس کو دنیا بھر میں جہاں بھی دیکھا گیا لوگوں کو دال میں کچھ کالا محسوس ہوا۔

پندرہ بیس منٹ بعد جب چندنا بھاسو معذرت کر کے اپنی جان چھڑا کر بھاگی تو بھارتی وزارت خارجہ کے عالی دماغوں کو شدت سے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ اگر انہوں نے پریس کانفرنس کرنی ہی تھی تو وہ بھی پاکستانی وزارت خارجہ کے ترجمان کی طرف صرف بیان پڑھ کر سنانے پر اکتفا کرتے اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بہت برا ہوا۔

وزیر خارجہ کو براہ راست وزیر اعظم کی ڈانٹ کا سامنا تھا اور وزیر داخلہ بڑھ چڑھ کر اُسے نیچا دکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

بھارتی بیوروکریسی پر ایسا بُرا وقت اس سے پہلے شاید کبھی نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

پاکستانی کرائسس کنٹرول سنٹر کے ممبران موقعہ کی انتہائی نزاکت کے پیش نظر اپنے اپنے آپریشن روم میں بیٹھ کر صورتحال سے نمٹ رہے تھے۔ اُن کے لئے کسی ایک جگہ اکٹھے بیٹھ کر میٹنگ کرنے کی گنجائش بھی باقی نہیں رہی تھی کیونکہ جہاز بھارتی فضاؤں میں منڈلا رہا تھا اور کسی بھی لمحے کچھ بھی ممکن تھا۔

وہ جانتے تھے بھارتیوں کی ہر ممکن کوشش ہو گی کہ جہاز کو جلد از جلد پاکستانی فضاؤں میں دھکیل دیا جائے لیکن نجانے کیوں کرنل حامد کو اس رائے سے اختلاف تھا۔

اُن کا کہنا تھا کہ یہ سارا کھیل چونکہ ''را'' نے رچایا ہے اور وہ اپنی سازش بے نقاب کرنے کا خطرہ کبھی مول نہیں لے گی۔ اگر یہ کارروائی واقعی اُن کی ہے تو اس کھیل کا ڈراپ سین بھی کسی بھارتی ائر پورٹ پر ہی ہو گا۔ البتہ اُن کے لئے ایک تشویشناک بات ضرور تھی کہ اس فلائٹ میں نعمان بھی موجود تھا.....

اچانک ہی ایک خیال نے انہیں چونکا دیا۔

''کہیں بھارتیوں نے نعمان سے اپنی تین سال پرانی ہزیمت کا بدلہ چکانے کے لئے تو یہ کھیل نہیں رچایا.....؟ تین سال پہلے وہ بھارتی انٹیلی جنس کو زبردست زک پہنچا کر اُن کے ہاتھوں سے پھسل گیا تھا..... جو اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا اور اس پر انہوں نے ضرور

اپنے ہاتھ اپنے دانتوں سے کاٹے ہوں گے۔

''اوہ میرے خدایا.....''

اچانک ہی وہ بڑبڑائے اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے سامنے موجود میجر واثق چونک کر اُن کی طرف متوجہ ہوا۔

''سر.....؟''

میجر واثق نے استفہامیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھا۔

''جلدی پتہ کرو نعمان کے بریف کیس میں کون سے پیپرز ہیں''۔

انہوں نے میجر واثق کی طرف دیکھ کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

دوسرے ہی لمحے میجر واثق ایک خصوصی لائن پر کھٹمنڈو کی پاکستان ایمبیسی میں کسی سے بات کر رہا تھا۔

یہ لائن ''محفوظ'' تھی..... دوسری طرف سے اپنے سوالات کے جوابات وہ اپنے سامنے رکھی ڈائری پر نوٹ کر رہا تھا۔

تین منٹ بعد اُس نے ایک سلپ لکھ کر کرنل حامد کے سامنے رکھ دی جنہوں نے تفصیلات پر نظر دوڑاتے ہوئے اطمینان کا سانس لیا..... نعمان کے ساتھ کوئی حساس کاغذات نہیں تھے۔ معمول کے نوٹس تھے جو بھارتیوں کے ہاتھ لگ بھی جاتے تو انہیں کوئی خاص نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔

انہوں نے نعمان کی فائل اپنے سامنے رکھی ہوئی تھی اور اب ایک ہاٹ لائن پر جنرل باجوہ سے بات کر رہے تھے۔

کرنل حامد نے انہیں نعمان کے متعلق مختصر بریف کرنے کے بعد اپنے خدشات ظاہر کیے تو جنرل باجوہ نے جو فوراً فیصلے پر پہنچنے اور اُس پر عملدرآمد کر گزرنے کی خصوصی شہرت رکھتے تھے اُن کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے متبادل حکمت عملی فوراً تیار کرنے کی ہدایات جاری کر دیں۔

انہوں نے نعمان کی حفاظت کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا تھا۔

☆☆☆

''ہمارے پاس صرف دس منٹ کی فلائٹ کا تیل باقی ہے''

کیپٹن داسا نے شامل خان کو ہاتھ کے اشارے سے ایک ڈائل کی طرف متوجہ کیا۔

شامل خان نے ڈائل کی طرف دیکھا اور اُس سے مائیک پکڑ لیا۔ اب وہ انڈین اتھارٹی سے بات کر رہا تھا۔

''مجھے تیل لینے کے لئے لینڈ کرنا ہے''۔

شامل خان نے حکم دینے کے لہجے میں کہا۔

''ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے..... تم نے کہا تھا تم بھارتی اڈے پر نہیں اترو گے''۔

دوسری طرف سے جواب آیا۔

''شٹ اپ.....''

شامل خان مائیک میں اتنی زور سے دھاڑا کہ کیپٹن داسا کو بھی جھٹکا سا لگا۔

''بتاؤ..... بتاؤ ان گدھوں کو کہ اگر انہوں نے مجھے نہ اترنے دیا تو میں جہاز کو ابھی تباہ کر دوں گا''۔

اُس نے کیپٹن داسا سے کہا۔

اور..... کیپٹن داسا نے انڈین اتھارٹی کی منت سماجت شروع کر دی۔

''پلیز فار گاڈ سیک (For God Sake) میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم اتنے کم پٹرول کے ساتھ انڈین فضا سے باہر نہیں نکل سکتے.....''

کیپٹن داسا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اور..... انڈین اتھارٹی کو اپنی شدید غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ جان گئے کہ گزشتہ

ڈیڑھ گھنٹے سے جہاز کو فضا میں گھمانے والا شامل خان کتنا چالاک ہائی جیکر ہے۔ اُس نے شاید بھارتی ائرپورٹ پر پریس کانفرنس کا پکا پروگرام بنا رکھا تھا۔

اچانک ہی ایک ہائی جیکر بھاگتا ہوا کاک پٹ کے دروازے پر آیا اور اُس نے جو خبر شامل خان کو دی اس نے شامل خان کا پارہ آسمان پر چڑھا دیا۔ خبر کی تصدیق اُس کی وہاں موجودگی میں ہی ہوگئی۔ جب انہوں نے ایک انڈین جیگوار کو جہاز کے پہلو سے گزر کر سامنے آتے دیکھا۔

''کیا بکواس ہے یہ''.....

غصے سے شامل خان چیخا اور کیپٹن داسا سہم گیا۔

''کیا کر رہے ہیں آپ لوگ..... آپ صورت حال کو سمجھتے کیوں نہیں..... یہ طیارے کیا کر رہے ہیں؟''

اُس نے انڈین اتھارٹی کو مخاطب کیا۔

''انڈین گورنمنٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم جہاز کو لینڈ نہیں کرنے دیں گے''۔

انڈین اے ٹی سی سے جواب ملا۔

یہ جواب مائیک سے آنے والی آواز کے ذریعے شامل خان کے کانوں تک بھی پہنچ گیا تھا۔ اُس نے انڈین حکومت کو موٹی سی گالی دے کر اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور وہ فوراً باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اس مرتبہ اُس کی آمد ڈیفنس سیکرٹری کے ساتھ ہوئی تھی جسے وہ گن پوائنٹ پر فسٹ کلاس سے اُٹھا کر لایا تھا۔

سیکرٹری شاید بلڈ پریشر کا مریض تھا یا پھر اُسے ہارٹ پرابلم تھی۔ خوف سے اُس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ اس کے موٹے بدن پر کپکپی طاری تھی۔

شامل خان نے اُسے نزدیک بلا کر پستول اُس کی کنپٹی سے لگا دیا۔

''ان گدھوں سے کہو اگر ایک منٹ بعد مجھے فضا میں کوئی طیارہ نظر آیا تو میں تمہیں گولی مار دوں گا''۔

اُس نے خوفزدہ سیکرٹری کے سر پر پستول کی نالی سے دباؤ بڑھایا تو اُس پر کپکپی طاری ہوگئی۔ اُس نے بڑی ہمت سے مائیک سنبھالا اور انڈین اتھارٹی کو اپنا تعارف کروا کر شامل خان کے پیغام میں اپنی طرف سے اچھا خاصا اضافہ کرنے کے بعد اُسے آگے پہنچایا۔

اس پیغام کے بمشکل ایک منٹ بعد انہوں نے اپنے آگے آگے اُڑتے جیگوار کو اچانک سمت بدل کر واپس جاتے دیکھا اور پلک جھپکتے وہ نظروں سے غائب ہوگیا۔

''شاباش یہ ہوئی ناں بات..... جاؤ اپنی سیٹ پر بیٹھو اور جو گولیاں کھانی ہیں وہ کھا لو..... شاید دوبارہ تمہیں اس کا موقع نہ ملے.....''

اُس نے انڈین سیکرٹری سے کہا اور اپنے ساتھی کو اشارہ کیا جس نے اُسے سیٹ تک پہنچا دیا۔

''ہم تمہیں تیل دینے کے لئے تیار ہیں لیکن عورتوں اور بچوں کو رہا کرنا ہوگا''

انڈین اتھارٹی نے اپنی دانست میں شلغموں سے مٹی جھاڑنے کا پروگرام بنایا تھا۔

شامل خان نے مسکراتے ہوئے اُن کی بے بسی کا مذاق اڑایا۔

''ان گدھوں سے کہو مجھ پر کوئی شرط عائد نہ کریں ورنہ میں یہاں بھارت میں نائن الیون (امریکہ) کی تاریخ دہرا دوں گا''۔

اس نے کیپٹن داسا سے اتنے سفاک لہجے میں یہ بات کہی تھی کہ وہ تھرا کر رہ گیا۔

''پلیز..... خدا کے لئے صورت حال کو سمجھیں..... میں نے ایک انجن بند کر دیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں عورتیں اور بچے رہا ہو جائیں گے..... یہ بہت ظالم شخص ہے آپ.....''

اُس کی بات نامکمل ہی تھی جب مائیک شامل خان نے چھین لیا۔

''سن لیا تم لوگوں نے..... کوئی شرط عائد نہیں کی جائے گی''۔

وہ مائیک میں دھاڑا۔

☆☆☆

''ٹھیک ہے تم لوگ لینڈ کر سکتے ہو.....''

انڈین اتھارٹی کا حتمی جواب مل گیا۔

''تھینک یو Thank you''

کیپٹن داسا نے کہا اور لمبی سانس لے کر اپنے تنے ہوئے اعصاب کو قدرے آرام دیا۔

اُس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ ایک مرتبہ ائرپورٹ پر لینڈ کرنے کے بعد شاید اُن کی جان ان وحشیوں سے چھٹ جائے جنہوں نے بڑے فخر سے اُسے بتایا تھا کہ انہوں نے سری لنکا ائرلائن میں موجود دو فضائی محافظوں کو مار ڈالا ہے۔

کیپٹن داسا کو ان دونوں بے گناہوں کی موت کا شدید صدمہ پہنچا تھا۔ وہ بڑا منجھا ہوا اور مضبوط اعصاب والا پائلٹ سمجھا جاتا تھا۔ بدترین موسمی حالات سے نبرد آزما ہونے کا تجربہ اُسے حاصل تھا لیکن آج زندگی نے اُسے جس امتحان گاہ میں دھکیلا تھا اُس کی خواہش کیپٹن داسا نے کبھی نہیں کی تھی۔

اُس نے جہاز کی لینڈنگ کا اعلان کیا تو مسافروں نے قدرے سکون کا سانس لیا۔

''آپ لوگ سیٹ پر بیٹھ جائیں''

اُس نے شامل خان سے کہا۔

''اپنے کام سے کام رکھو''

شامل خان نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں جواب دیا۔

فلائٹ لینڈ ہو چکی تھی۔ جہاز کو ایمرجنسی گاڑیوں نے گھیر لیا تھا۔ انجن بند ہو گئے تھے اور شامل خان اے ٹی سی سے بات کرنے کے بعد اب اپنے ایک ساتھی کے ساتھ نعمان

کی سیٹ کی طرف آ رہا تھا۔

''چلو اٹھو.....''

شامل خان نے اُس کی گردن پر پستول کی نالی کا دباؤ بڑھاتے ہوئے حکم دیا۔

نعمان کے لئے سوائے آنکھیں گھما کر صورتحال کا جائزہ لینے کے اور کچھ ممکن نہیں رہا تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ جہاز کے اندر مزاحمت کی صورت میں سوائے کچھ بے گناہ مسافروں کی جان گنوانے کے وہ اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔

''سیٹ بیلٹ تم کھولو گے یا میں؟''

اُس نے قدرے تلخ لہجے میں ہائی جیکر سے پوچھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ خود کو کسی بھی لمحے کمزور ظاہر کرے۔

''تم''

شامل خان نے صرف ایک لفظ کہنے پر اکتفا کیا۔

نعمان نے اپنی سیٹ بیلٹ کھولی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اُس کا بریف کیس پہلے ہی ہائی جیکر اپنے قبضے میں کر چکے تھے۔ اس فلائٹ میں اُس کے علاوہ کتنے اور پاکستانی سفر کر رہے تھے اس کا اسے ابھی اندازہ نہیں تھا۔ فسٹ کلاس میں اُس نے دو پاکستانیوں کو ضرور دیکھ لیا تھا جن کا کم از کم پاکستانی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا دونوں بزنس مین تھے۔

''دیکھو میں ڈپلومیٹ ہوں.....نعمان خان میرا نام ہے.....مجھ سے تمہارا کیا لینا دینا؟''

اُس نے جان بوجھ کر یہ بات اتنی اونچی آواز میں کی تھی کہ اُس کے بعد تیسری رو میں بیٹھے دونوں پاکستانیوں تک یہ پیغام پہنچ جائے۔ اب اسے کم از کم اس بات کا یقین ضرور تھا کہ اس کی موت کی صورت یا کسی اور حادثے کی صورت میں اس کی شناخت متعلقہ حکام تک پہنچ جائے گی۔

شامل خان نے اُس کی بات کا جواب نعمان کی گردن پر پستول کی نالی کا دباؤ

پوری قوت سے بڑھاتے ہوئے دیا تھا۔

''خبردار.....اگر دوبارہ ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو.....''

اس کی آواز سانپ کی پھنکار تھی۔

نعمان کا دل تو چاہا کہ ابھی حساب برابر کر لے لیکن وہ اپنی زندگی بچانے کے لئے دوسروں کی زندگی خطرے میں ڈالنے کا قائل نہیں تھا۔اس بات کا اُسے یقین ہو چکا تھا کہ یہ ہائی جیکنگ اُس کے دیرینہ دوستوں کی سپانسرڈ (sponsored) ہے اور جس ہائی جیکر نے اپنا نام شامل خان بتایا تھا وہ ہرگز شامل خان نہیں ہے۔اُس کا لب ولہجہ اور شکل وشباہت کچھ اور ہی ہونے کی چغلی کھا رہے تھے۔

اگر یہ لوگ جعلی ہائی جیکر ہیں تو وہ جانتا تھا کہ اُسے دوبارہ اس سیٹ تک زندہ واپس لوٹنے کی مہلت نہیں دی جائے گی اور ان کا مشن نعمان کو گولی مارنے کے بعد مکمل ہو جائے گا۔اس طرح بھارتی سورمے ماضی قریب میں اپنے اغوا ہونے والے جہاز کا بدلہ لے لیں گے اور تین سال پہلے اُس نے جوزک ''را'' کو پہنچائی تھی اُس کا حساب بھی برابر ہو جائے گا۔

اُسے جو کچھ بھی کرنا تھا جہاز کے دروازے تک پہنچنے پر ہی کرنا تھا۔نعمان کو امید تھی کہ اگر اُس نے دروازے کے باہر ہائی جیکر پر قابو پا لیا تو عین ممکن ہے کہ وہاں بین الاقوامی پریس کی موجودگی کی وجہ سے اُس کی جان بچ جائے اور جہاز کے باہر موجود اس جعلی ہائی جیکر کے باقی ساتھی اپنے منصوبے پر توقعات کے مطابق عمل نہ کر پائیں۔

صورت حال کچھ بھی رہی ہو یہ بات طے تھی کہ اُسے جو کچھ کرنا ہے جہاز کے کھلے دروازے کے سامنے پہنچ کر کرنا ہے۔شامل خان نے ایک ہاتھ سے اُس کی قمیص کا کالر پکڑ رکھا تھا اور دوسرے سے اُس نے سر پر پستول کی نالی جمائی ہوئی تھی۔وہ اسی نالی کے دباؤ پر نعمان کو دھکیلتا ہوا دروازے تک لے آیا تھا جس کے ساتھ سیڑھیاں لگائی گئی تھیں۔

☆☆☆

کھلے دروازے سے تازہ ہوا کا جھونکا اندر آنے پر نجانے کیوں اس خطرناک ترین صورتحال میں بھی نعمان کو خوش گواری کا احساس ہوا۔اُس نے سیڑھیوں کے ساتھ پندرہ بیس جیپوں اور کاروں کی ایمرجنسی لائٹس کو گھومتے دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اُس کی سوچ بالکل صحیح تھی۔

اگر یہ اصلی ہائی جیکر ہوتے تو اتنی تعداد میں جیپوں اور کاروں کو کیوں جہاز کے نزدیک آنے کی اجازت دیتے۔

سیڑھیوں کے خاتمے پر تین لوگ موجود تھے جو اپنی دانست میں مذاکراتی ٹیم کا حصہ تھے اور شامل خان سے مذاکرات کرنے آئے تھے۔

طے شدہ منصوبے کے مطابق شامل خان نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اُن سے چیختے چلاتے ہوئے گفتگو شروع کر دی۔

''اگر تم لوگوں نے مجھے یہاں پریس کانفرنس کرنے کی اجازت نہ دی تو میں اس پاکستانی سفارتکار کو گولی مار دوں گا جس کے بعد ہر دو منٹ بعد ہم ایک مسافر کو مارنا شروع کر دیں گے اور سب سے پہلے پاکستانیوں کا نمبر آئے گا''۔

''دیکھو ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ہم نے تمہارے کہنے پر جہاز میں تیل بھر دیا ہے۔اب تم اپنی بات پوری کرو.....عورتوں اور بچوں کو رہا کر دو''۔

دوسری طرف سے کہا گیا۔

''شٹ اپ.....خبردار.....میں کوئی اور بات سننے کے لئے تیار نہیں' مجھے صرف اپنے سوال کا جواب چاہئے ہاں یا ناں''۔

شامل خان نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے''.....

مذاکراتی ٹیم میں موجود دیوان چندانے اُسے ''کوڈ'' پاس کر دیا۔

''اچھا.....یہ لو''۔

شامل خان نے کہہ کر اپنی دانست میں اس منصوبے کا ڈراپ سین کرنے کی تیار کی تھی۔

لیکن.....حیرت انگیز طور پر نعمان نے اچانک زمین پر گرتے ہوئے اُسے بجلی کی پھرتی سے ایسا داؤ لگایا کہ شامل خان اُس کے سامنے موجود تھا اور اُس کی پستول نعمال نے پکڑ رکھی تھی جس کی نالی اب شامل خان کی گردن سے چپکی تھی۔

یہ صورت حال دیوان چند کے لئے بالکل غیر متوقع تھی گو کہ اُس کے لاشعور میں کہیں یہ خوف ضرور موجود تھا کہ نعمان کوئی خطرناک کھیل نہ کھیل جائے۔

اور.....اُس کے خدشات درست ثابت ہوئے۔

اُسے فوراً ایک کوئی بڑا فیصلہ کرنا تھا۔ اگر نعمان اُسے قابو کر کے نیچے لے آتا تو وہ نعمان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے.....اُن کا سارا منصوبہ طشت از بام ہو جاتا اور اس صورت میں جس ذات کا سامنا کرنا پڑتا وہ اُس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی۔

دوسرے ہی لمحے وہ نعمان کے متعلق انتہائی خطرناک فیصلہ کر چکا تھا۔

جیسے ہی نعمان نے ہائی جیکر کو سیڑھیوں کی طرف دھکیلا اچانک فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونجنے لگی۔

گولیاں جہاز کے پہلے سے چپکی اُس جیپ سے چلائی جا رہی تھیں جس پر ''را'' کے تربیت یافتہ کمانڈوز موجود تھے۔

دیوان چند نے ''ایمرجنسی'' ڈیکلیئر کر دی تھی۔

اب انہیں بہر صورت ہائی جیکروں کے ساتھ ساتھ نعمان کو بھی مار ڈالنا تھا۔ یہ اس منصوبے کی دوسری اور آخری آپشن تھی جس کے لئے بطور خاص ''را'' کے کمانڈوز کو یہاں رکھا گیا تھا۔

☆☆☆

نعمان نے اگلے ہی لمحے صورتحال کی سنگینی کا احساس کر لیا۔ وہ جان گیا کہ یہ

فائرنگ صرف ہائی جیکر کو مارنے اور اس کی جان بچانے کے لئے نہیں بلکہ کسی اور گھناؤنے مقصد کے لئے کی جا رہی ہے۔

بجلی کی سی پھرتی سے اس نے شامل خان کے جسم کی آڑ لی اور سیڑھیوں پر لڑھکتا ہوا نیچے گرنے لگا۔ بمشکل آدھا منٹ میں وہ دیوان چند اور اس کے ساتھیوں کے بالکل سامنے شامل خان سمیت گرا تھا۔ شامل خان کو دو تین گولیاں لگ چکی تھیں۔

نعمان نے نیم مردہ شامل خان کو اس طرح ان کی طرف دھکیلا کہ تینوں بوکھلاتے دیوان چند اور اُس کا ساتھی زمین پر گرے اور ان کے تیسرے ساتھی نے جیسے ہی پستول نکال کر سیدھا کرنے کی کوشش کی نعمان کے ہاتھ میں پکڑی پستول نے شعلہ اگلا اور وہ اپنا بازو سنبھالتا زمین پر گر پڑا۔

جیپ میں موجود کمانڈوز فائرنگ کرتے انکی سمت آ رہے تھے۔ ان لوگوں نے ریہرسل کے مطابق جہاز پر دھاوا بول دیا تھا۔

نعمان کے سارے اعصاب تن گئے تھے اور جسم میں بجلیاں بھرنے لگی تھیں۔

اُس نے اپنے دائیں سمت قریباً پندرہ گز کے فاصلے پر کھڑی جیپ کی طرف زقند بھری اور زمین پر تیزی سے رول کرتے ہوئے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

جیپ ایمرجنسی پوزیشن کے لئے پہلے سے رکھی گئی تھی جو نعمان کے لئے عطیۂ خداوندی تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ جیپ کو رن وے کی مخالف سمت میں اڑائے لئے جا رہا تھا۔

☆☆☆

سانتا کروز ائرپورٹ کے جس حصے پر جہاز کو Taxi کیا گیا تھا طے شدہ منصوبہ بندی کے مطابق وہاں کافی دور دور تک کوئی ٹریفک دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ نعمان کا ردعمل اتنا اچانک اور بھرپور تھا کہ وہاں پہلے سے مورچہ بند کمانڈوز کو سمجھ ہی نہ آ سکی کہ کیا حادثہ گزر گیا ہے۔ وہ اپنے طور پر گومگو کا شکار تھے۔ ابھی تک یہاں موجود ''کمانڈ'' نے انہیں جیپ پر

فائرنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔

جس کیفیت سے کمانڈوز گزر رہے تھے اُس سے کچھ مختلف حالت دیوان چند اور اُس کے ساتھیوں کی بھی نہیں تھی۔ شامل خان نے طے شدہ منصوبے پر حرف بحرف عمل کیا تھا اور اس مرحلے پر اسے شامل خان کے لئے کچھ پرابلم پیدا کرنے کے بعد اُسے نعمان کو گولی مار کر نیچے گرانے والے حصے پر عمل کروانا تھا۔

لیکن..... اُن سب کی توقعات کے بالکل برعکس نعمان نے سارا کھیل ہی بگاڑ کر رکھ دیا تھا اور اُن کے ہاتھوں میں پکڑی طاقتور مچھلی کی طرح کھیل کر دوبارہ دریا میں چھلانگ لگا دی تھی۔

منصوبے کی انتہائی اہم اور خفیہ نوعیت کے پیش نظر ''را'' نے محکمہ داخلہ یا کسی اور ایجنسی کو اپنے اعتماد میں لینا مناسب نہیں جانا تھا۔ انہوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق آخری لمحات میں اعلیٰ اتھارٹیز کے علم میں معاملات لا کر ہائی جیکروں کو محفوظ طریقے سے یہاں سے نکال کر لے جانا تھا۔

اچانک آ پڑنے والی اس پیتا نے دیوان چند کو اتنا بوکھلا دیا تھا کہ وہ اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ رہا۔ یہی حالت اس کرائسس سیل کے دوسرے ممبران کی تھی۔ دیوان چند نے نعمان کو سیڑھیوں سے پھسل کر گرتے تو دیکھا تھا لیکن اس کے بعد کا منظر وہ ڈھنگ سے دیکھ بھی نہیں پایا تھا۔

''پکڑوا سے''

اُس نے چلا کر کہا۔

''خبردار اسے کوئی گولی نہ مارے..... وہ ڈپلومیٹ ہے''۔

کمیٹی میں شامل وزارت خارجہ کے نمائندے نے چیخ کر کہا۔

اور..... کنفیوژ پولیس کمانڈوز کی دو جیپیں نعمان کے تعاقب میں بھاگنے لگیں۔ انہیں اتنی بات سمجھ آئی تھی کہ نعمان کو گھیر کر جیپ کو روکنا ہے۔ اُس پر گولی نہیں چلانی

کیونکہ وہ کوئی ہائی جیکر نہیں بلکہ مسافر ہے۔

☆☆☆

دیوان چند کے دماغ کو جھٹکے لگ رہے تھے۔

اس مرحلے پر اس آپریشن سے متعلق کوئی بھی انکشاف ایجنسی کی عالمی ساکھ تباہ کر سکتا تھا۔ کم از کم اُس کے لئے ساری زندگی ایجنسی کے دروازے ضرور بند ہو جاتے کیونکہ پاکستانی ساری دنیا میں ''را'' کے خلاف کبھی نہ ختم ہونے والا طوفان کھڑا کر سکتے تھے۔

بھارتی حکومت جس نے طویل عرصے کے بعد اپنے جھوٹے پراپیگنڈہ کے ذریعے کسی حد تک ہی سہی دنیا کو اپنا ہمنوا بنایا تھا اس صدمے کو کبھی برداشت نہ کر سکتی۔ یہ بات دیوان چند کے علم میں تھی کہ ایسے Covert Operation (خفیہ آپریشن) بہت خاص لوگوں تک محدود ہوتے ہیں۔ اُن کی تمام تر تفصیلات آف دی ریکارڈ صرف اسی لئے رکھی جاتی ہیں کہ خلاف توقع نتائج کی صورت میں کوئی اس کی ذمہ داری قبول نہ کرے اور نہ ہی اس کا نام و نشان باقی رہنے دیا جائے۔ البتہ محکمانہ سطح پر انکوائری ہوتی جس میں سارا ملبہ دیوان چند پر ہی گرنا تھا کیونکہ ''آن گراؤنڈ آپریشنل کمانڈر'' کی حیثیت سے وہی اس بات کا ذمہ دار تھا۔

اپنی دانست میں اس نے بڑی ہمت سے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے اپنے موبائل پر اشیش کمار سے رابطہ کیا تھا۔ وہ بھی سمجھ رہا تھا کہ جب نعمان کے فرار کی اطلاع کا ٹائم بم اشیش کمار کے سر پر پھٹے گا تو اُس کے اعصاب تڑخ جائیں گے لیکن دوسری طرف بظاہر جو ردعمل ہوا اُس نے تو دیوان چند کے چودہ طبق روشن کر دیئے۔

''سر! پانسہ پلٹ گیا''۔

اُس نے رابطہ ہوتے ہی محفوظ لائن پر اپنی مخصوص زبان میں اشیش کمار کو اطلاع دی اور اُسے امید تھی کہ اس خبر سے اشیش کمار بھڑک اٹھے گا لیکن اشیش کمار کا جواب بالکل خلاف توقع تھا۔

''Then what''(پھر کیا؟)

اس نے صرف دو الفاظ کہنے پر اکتفا کیا۔

''کوئی advice(ہدایت) سر''

اُس نے پوچھا۔

''ڈیم اِٹ.....تم کوئی رنگروٹ نہیں ہو''۔

دوسری طرف سے کہا گیا۔

اور.....دیوان چند کو سارا کھیل سمجھ آ گیا۔

وہ جان گیا کہ اشیش کمار اس انتہائی نازک مرحلے پر کوئی ''آپریشنل ہدایت'' نہ دیکر اس سارے کھیل سے بری الذمہ ہونا چاہتا ہے۔ یوں بھی اُس نے اپنے حصے کا کام تو کر دیا تھا۔ منصوبے کے اس مرحلے پر جب جہاز کو کھٹمنڈو سے اغوا ہونا تھا اور اس کھیل کے انجام تک باقی کی تمام آپریشنل کارروائی کا ذمہ دار تو دیوان چند تھا۔ اب جو کچھ بھی کرنا تھا اُسے ہی کرنا تھا۔

اُس نے دل ہی دل میں ایک موٹی سی گالی اشیش کمار کو دی جو دیوان چند سے یوں بے اعتنائی برت رہا تھا جیسے اُس کا شناسا ہی نہ ہو جبکہ یہ بات دیوان چند اچھی طرح جانتا تھا کہ اس آپریشن کے پس پردہ ''قومی'' سے زیادہ اشیش کمار کے ذاتی مقاصد کارفرما تھے۔ وہ بڑا غبی اور کینہ پرور انسان تھا۔ نعمان کے ہاتھوں تین سال پہلے اُس نے دلی میں جو زخم کھایا تھا وہ ابھی تک مندمل کہاں ہوا تھا۔ اور اس آپریشن میں زیادہ کردار بھی اشیش کمار کے اسی جذبۂ انتقام نے ادا کیا تھا۔

''اشیش کمار اگر تم سمجھتے ہو کہ مکھن سے بال کی طرح اس کھیل سے نکل جاؤ گے تو یہ تمہاری بھول ہے''۔

اُس نے دل ہی دل میں سوچا اور دوسرے ہی لمحے اُس سے کہا۔

''What next Sir''(اب کیا حکم ہے جناب)۔

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی۔ اشیش کمار نے صرف دو الفاظ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

''Finish it''(ختم کرو اسے)۔

''یہ ہوئی ناں بات''۔

رابطہ کٹنے پر دیوان چند زیر لب بڑبڑایا اور اُس نے ''را'' کے خصوصی کمانڈو دستے کو ریڈ سگنل (Red Signal) دے دیا۔

☆☆☆

شامل خان کے لئے نعمان کا ردعمل انتہائی اچانک اور بوکھلا دینے والا تھا۔ وہ بڑھیوں سے لڑھکتے نعمان پر اپنی کمر سے بندھے دوسرے پستول سے فائر بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس طرح وہاں موجود لوگوں میں سے کوئی اس کا شکار ہو جاتا اور انہیں سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ اُن کی شکارگاہ صرف جہاز کے اندر کا علاقہ ہے.....باہر کا نہیں۔ شامل خان اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا۔

تامل ناڈو کے اس ہندو انتہا پسند نوجوان کو ہر نئے مشن پر نیا نام دیا جاتا تھا اور اب تک اس نے اتنے نام اپنائے تھے کہ کبھی کبھی اُسے اپنا اصلی نام بھی بھول جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جس منصوبے پر وہ لوگ کام کر رہے ہیں اُسے ''را'' کے صرف ایک مخصوص ونگ کی پشت پناہی حاصل ہے۔ دوسری سرکاری ایجنسیوں کی تو بات ہی اور تھی خود ''را'' کے اندر بھی کئی ذمہ داروں کو اس کا علم نہیں تھا۔

جہاز کے باہر موجود مختلف ایجنسیوں کے لوگ انہیں وہی سمجھ رہے تھے جو انہوں نے ظاہر کیا تھا۔ اس آپریشن کے آغاز میں بدقسمتی سے نتائج خلاف توقع آنے کے فرضے کو زیر بحث نہیں لایا گیا تھا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ بندوبست اتنے زیادہ مکمل اور ہتھیار ہیں کہ کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی اور انہیں بہرصورت نعمان کو سانتا کروز پر ہی ہلاک کرنا تھا۔

لیکن.....نعمان تو نکل گیا!

اب وہ کیا کرے.....؟

ابھی شامل خان یہ سوچ ہی رہا تھا جب کمانڈوز نے ''ریڈ سگنل'' ملنے پر اچانک جہاز پر دھاوا بول دیا۔

یہ انتہائی تربیت یافتہ اور اسی نوعیت کی ایمرجنسی سے نمٹنے کے لئے بطور خاص تیار کئے گئے کمانڈوز کا گروپ تھا۔

شامل خان کے ذہن میں فوراً یہی بات آئی کہ دیوان چند نے انہیں بچانے کے لئے یہ کارروائی کی ہے۔ انہیں ہدایت بھی نہیں دی گئی تھی کہ جیسے ہی کمانڈوز حملہ کریں وہ ہتھیار ڈال دیں۔ اس بات کی سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ انہوں نے کسی کمانڈو یا مسافر پر گولی نہیں چلائی۔

شامل خان نے ہدایات کے مطابق فوراً ہاتھ کھڑے کر دیئے لیکن اُس کو زیادہ عرصہ تک حیرت زدہ رہنے کا موقعہ بھی نہیں مل سکا جب اچانک اُس پر دو کمانڈوز نے اپنی آٹومیٹک رائفلوں سے گولیوں کا مینہ برسا دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگ زور زور سے چلاتے ہوئے جہاز میں گھس گئے۔ صرف ایک ہائی جیکر نے اپنی آنکھوں سے اپنے دیرینہ ساتھی شامل خان کا انجام دیکھا تھا۔ وہ بھی کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں تھا' طویل عرصے سے ''را'' کے لئے خدمات انجام دے رہا تھا۔ فوراً اُسے اس بات کی سمجھ آ گئی کہ نعمان کے فرار نے کھیل کا پانسہ پلٹ دیا ہے اور اب ''را'' والے اس آپریشن کے سارے ثبوت مٹا دیں گے۔

اس سے پہلے کہ اُس کا انجام بھی شامل خان والا ہو اُس نے اپنی طرف بڑھتے ایک سیاہ پوش کمانڈو پر گولیاں برسا دیں جو منہ کے بل زمین پر گرا لیکن اُس کے عقب میں آنے والوں نے اُس پر اندھا دھند گولیوں کی بارش کر دی۔ اُن کے باقی ساتھیوں کو بھی کمانڈوز کے نے محض تین منٹ کی کارروائی میں مار ڈالا۔

اس ''ریسکیو آپریشن'' میں صرف دو مسافروں کو گولیاں لگی تھیں جو شاید دنیا کی

فضائی تاریخ کا سب سے کامیاب ''ریسکیو آپریشن'' تھا۔

کمانڈوز نے خوفزدہ مسافروں سے پانچ منٹ میں جہاز خالی کروا لیا اور اب ماہرین کی ایک ٹیم نے اس بات کا جائزہ لینا شروع کیا کہ کہیں جہاز میں ڈائنامائٹ تو نہیں لگا۔

وہاں ڈائنامائٹ کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

بہادر کمانڈوز کی اس کارروائی پر خصوصاً بھارتی مسافروں نے خوب تالیاں پیٹ پیٹ کر انہیں داد دی۔ کچھ خوفزدہ عورتیں تو کمانڈوز سے لپٹ کر باقاعدہ بوس و کنار کرنے لگیں۔

ہائی جیکروں کی لاشیں رن وے پر قطار میں پڑی تھیں۔ سب نے اپنے ساتھ فلسطینی مجاہدوں جیسے مخصوص بڑے بڑے خانہ دار رومال رکھے ہوئے تھے۔ ان کے ماتھے پر ایک سبز پٹی بھی بندھی تھی جس پر ''اللہ اکبر'' لکھا تھا۔

دنیا کے کسی ٹی وی کا کوئی کیمرہ ان کے غیر مسلم ہونے کا ثبوت نہیں دے سکتا تھا۔ دنیا بھر کے نیوز چینلز پر کارروائی دکھائی جا رہی تھی اور بھارتی حکومت ساری دنیا سے واہ واہ کے ڈونگرے سمیٹ رہی تھی۔

☆☆☆

بھارتی وزیر داخلہ نے بمشکل آدھا گھنٹہ بعد ہنگامی پریس کانفرنس بلا لی تھی۔ پریس کانفرنس ہال میں تل دھرنے کی جگہ باقی نہیں بچی تھی۔

فلیش لائٹ کی روشنیوں میں پاکستان دشمنی میں شہرت رکھنے والا انتہائی متعصب ہندو وزیر داخلہ اپنی ایک ماتحت اور انٹیلی جنس کے دو ذمہ داروں کے ساتھ اخبار نویسوں کے سامنے براجمان تھا۔

اس نے بڑے بڑے نتھنے پھلاتے ہوئے پہلے تو پاکستان کو مکمل دہشت گرد ملک ثابت کرنے کے لئے بے بنیاد دلائل دینا شروع کئے پھر بتایا کہ دو ماہ بعد پاکستانی دہشت

گردوں نے یہ دوسرا جہاز اغوا کیا تھا لیکن بھارتی سورماؤں نے انتہائی بہادری اور شاندار حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسافروں کو دہشت گردوں کے چنگل سے نجات دلادی۔

اُس نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ ہائی جیکروں کا تعلق پاکستان سے ہے۔ مرنے والوں میں سے تین کی جیب سے پاکستان کے شناختی کارڈ برآمد ہوئے ہیں جن کی باقاعدہ وہاں نمائش بھی کی گئی۔ انہوں نے پاکستانی حکومت سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے شہریوں کی لاشیں وصول کرلے۔

وزیر داخلہ نے اخبار نویسوں کو یہ خبر دیکر حیران کر دیا کہ ''سانتا کروز'' پر ہائی جیکر شامل خان کے شکنجے سے نکل کر بھاگنے والا ڈپلومیٹ دراصل آئی ایس آئی کا آفیسر اور ہائی جیکنگ آپریشن کا انچارج ہے۔ اُس نے جب یہ دیکھا کہ اب ہائی جیکر گرفتار ہو جائیں گے اور جہاز کو وہ یہاں سے اڑا کر نہیں لے جاسکتے تو جان بچا کر بھاگ گیا۔

وزیر داخلہ کا بیان ختم ہوتے ہی اُس پر سوالات کی بوچھاڑ ہوگئی لیکن اُس کے ساتھیوں نے ہر سوال کا ''جعلی دستاویزی ثبوتوں'' کی صورت جواب دے کر ساری دنیا کے میڈیا پر ثابت کر دیا کہ یہ ساری کارروائی آئی ایس آئی کی تھی۔

دیوان چند اپنے باس اشیش کمار کے ساتھ اپنے بمبئی آفس میں ٹی وی پر پریس کانفرنس کی ساری کارروائی سانس روک کر دیکھ رہا تھا۔

پریس کانفرنس کے اختتام پر وہ اچانک اٹھ کر کھڑا ہوا اور اُس نے اپنا پاؤں پورے زور سے زمین پر مارتے ہوئے اشیش کمار کی دانش کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے سلیوٹ کیا۔

"You are great Sir."

اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

کمرے میں موجود ''را'' کے پانچ اعلیٰ افسران نے کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے ہوئے اشیش کمار پر داد کے ڈونگرے برسائے۔ واقعی اُس نے بگڑتے کھیل کو انتہائی مکاری

سے سنبھال کر ساری بازی ہی اُلٹ کر رکھ دی تھی۔

''میں احتیاطاً ان لوگوں کے پاکستانی شناختی کارڈ تیار رکھتا ہوں.....'' اُس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے فخر سے گردن پھلاتے ہوئے کہا۔ ''بھئی کوئی ایمرجنسی کسی وقت بھی ہوسکتی ہے..... میرا مطلب ہے اس آپریشن کی طرح''۔ اپنی بات کے خاتمے پر اُس نے دوبارہ داد طلب نظروں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا جنہوں نے دوبارہ تالیاں بجا کے اُس کی عظمت پر صاد کیا تھا۔

اُسی رات ''را'' کی ہائی کمان نے اپنے ہونہار ڈپٹی ڈائریکٹر اشیش کمار کے اعزاز میں ایک سپیشل نائٹ کا اہتمام کیا تھا جہاں کام و دھن کی تمام لذتیں موجود تھیں۔

اس ناقابل یقین کامیابی نے انہیں آپے سے باہر کر دیا تھا۔

.....☆.....

رن وے بالکل خالی دکھائی دے رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اُن لوگوں نے جہاز کو لینڈ کروانے سے پہلے اس ایریا کو بطور خاص خالی رکھا تھا۔ ابھی اُسے ڈھنگ سے اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اُس نے کون سی سمت اختیار کی ہے کیونکہ اس حصے میں لائٹ کا کوئی خصوصی اہتمام نہیں کیا گیا تھا البتہ جہاز کی لینڈنگ کے بعد وہاں جہاز کے گرداگرد جو جیپیں کھڑی تھیں اُن پر ایمرجنسی کے لئے سرچ لائٹس نصب کی گئی تھیں جو شاید جہاز کے گرداگرد ہونے والی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لئے یہاں موجود تھیں۔ یہ بات تو کسی کے وہم و گمان میں ہی نہیں تھی کہ نعمان ان کے ہاتھوں میں پکڑی مچھلی کی طرف پھسل جائے گا۔

نعمان کو تین سال پہلے والی دہلی کی وہ شام یاد آ گئی جب وہ اسی طرح ان کے جال کو کاٹ کر نکل گیا تھا۔

کیا آج بھی ایسا ممکن ہوگا؟

اس نے سوچا اور ایک لمحے کے لئے مایوسی نے بھی اُسے جکڑ لیا لیکن دوسرے ہی

لمحے وہ اس کے سحر سے نکل گیا۔ اُسے علم تھا کہ یہ سارا گھڑاُلّ اُسے مارنے کے لئے پھیلایا گیا ہے۔ ''را'' نے اُسے ہائی جیکروں کے ہاتھوں مروا کر اپنے کئی سابقہ اُدھار چکانے تھے لیکن یہ اُس کی قسمت تھی کہ وہ ایک مرتبہ پھر ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

نعمان کے حساس کانوں نے اچانک ہی اُسے گولیوں کی آواز سے چونکا دیا تھا۔ یہ گولیاں اُس کے تعاقب میں آنے والے ہوا میں چلا کر شاید اُسے خوفزدہ کرنا چاہتے تھے۔ اُس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا دور دور تک کسی گاڑی کا نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اچانک ہی اُسے رن وے پر زندگی کا احساس ہوا جب جیپ کی لائٹس کی روشنی میں اُس نے ایک تیز رفتار ٹرالر کو کچھ بوگیاں گھسیٹتے ہوئے ایک طرف جاتے دیکھا۔ یہ بوگیاں جہاز میں رکھی جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی اُس کے دائیں ہاتھ باہر کے شیشے میں روشنی نے اُسے چونکا دیا۔ یہ تعاقب کرنے والوں کی جیپوں کی روشنیاں تھیں جو طویل فاصلے پر ہونے کے باوجود اُس کے اندرونی اور بیرونی مناظر دیکھنے والے آئینوں پر پڑ رہی تھیں۔ نعمان ابھی تک ائرپورٹ کی حدود میں گھوم رہا تھا اور اُسے بخوبی اندازہ تھا کہ کسی بھی لمحے یہ لوگ اُسے گھیرا ڈال کر پکڑ سکتے ہیں۔

یہی کچھ سوچتے ہوئے اُس نے جیپ کو ٹرالر کی بوگیوں کے بالکل نزدیک کیا۔ اُس نے جیپ کی ہیڈ لائٹس آف کر دی تھیں اور ٹرالر کی روشنیوں میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ جیپ کو وہ مخالف سمت سے بوگیوں کے بالکل نزدیک لایا اور اگلے ہی لمحے زقند بھر کر وہ جیپ کی سیٹ سے اچھال کر ایک بوگی میں آ گرا جو دوران پرواز جہاز میں مسافروں کے استعمال میں آنے والے کمبلوں اور سرہانوں سے بھری تھیں۔ شاید انہیں صفائی کے لئے لانڈری میں لے جایا جا رہا تھا۔ نعمان نے اللہ کا شکر ادا کیا کیونکہ جس تیز رفتاری سے وہ قریباً اڑتا ہوا یہاں گرا تھا اگر بوگی خالی ہوتی یا اس میں کوئی ٹھوس چیز ہوتی تو اُس کی ہڈی پسلی کی سلامتی کے امکانات بہت معدوم ہو جاتے۔

جیپ اب برق رفتاری سے رن وے پر بھاگ رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ تین چار کلومیٹر تو جیپ کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی کیونکہ اُس نے اگلی سیٹ پر رکھی آٹومیٹک رائفل کو اس طرح ایکسیلیٹر پر پھنسا دیا تھا کہ اُس کی رفتار کم نہ ہو سکے۔ نعمان نے خود کو بوگی میں چھپایا اور تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ گیا۔ جیپ کی لائٹس آف ہونے کی وجہ سے جلد ہی وہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی کیونکہ بوگی اُس کے مخالف سمت میں جا رہی تھی۔

اپنی گھڑی کی سوئیوں سے اُسے اندازہ ہوا کہ اُسے بوگی میں بیٹھے قریباً دس منٹ ہو گئے تھے جب اچانک اُس کی رفتار کم ہونے لگی۔ ایک کمبل کو اپنے سر سے ہٹا کر اُس نے باہر جھانکا اور فوراً ہی پہلی والی پوزیشن پر واپس آ گیا کیونکہ اب وہ روشنیوں سے چکا چوند کسی بڑے سٹور کے سامنے موجود تھا جہاں شاید ان بوگیوں کو ٹرالر سے الگ ہونا تھا۔

نعمان بے حس و حرکت اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اب ٹرالر رُک گیا تھا۔ اُسے اونچی اونچی آواز میں لوگوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بوگیوں کو ٹرالر سے الگ کیا جا رہا تھا۔ پھر آوازیں بھی بند ہو گئیں اور اُس کے حساس کانوں نے ٹرالر کے دوبارہ سٹارٹ ہو کر وہاں سے رخصت ہونے کی نوید بھی سن لی تھی۔ قریباً تین چار منٹ وہ اپنی جگہ دُبکا بیٹھا رہا پھر اُس نے کمبل ہٹا کر بڑی احتیاط سے صورت حال کا جائزہ لیا اور خود کو ایک بڑے سے گودام میں پایا۔

ٹین کی چھت کے یہ بڑے بڑے گودام عموماً ائرپورٹ کے ایک کونے میں بنائے جاتے ہیں۔ نعمان نے اندازہ لگایا کہ یہاں لائٹس تو آن ہیں لیکن باہر کوئی موجود نہیں۔ اپنے جسم کو آہستہ آہستہ روبہ حرکت لاتے ہوئے وہ بوگی سے باہر نکل کر پنجوں کے بل وہیں بیٹھ گیا۔

اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اُس نے صورت حال کا اندازہ لگایا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دور دور تک رن وے دکھائی دے رہا تھا۔ بوگی کے اوپر سے گھوم کر وہ گودام کے پچھلے دروازے پر آ گیا جس کے سامنے گھاس کا میدان تھا اور یہاں موجود خودرو گھاس کو شاید کسی

نے گذشتہ دو تین ماہ سے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

نعمان نے اسے تائید غیبی جانا.....!!

وہ چوکنے ہرن کی طرح گھاس کے اس جنگل میں چوکڑیاں بھرتا اُن خاردار تاروں کی طرف جا رہا تھا جو شاید ائرپورٹ کی حدود کے خاتمے پر لگائی گئی تھیں۔ گھاس میں جگہ جگہ ٹوٹی پھوٹی اشیاء کا کاٹھ کباڑ اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ اس ایریا کو ائرپورٹ والوں نے کباڑ خانہ بنا رکھا ہے۔ قریباً سات آٹھ منٹ کے مزید سفر کے بعد اب وہ تاروں کے نزدیک کھڑا یہاں سے باہر نکلنے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ جلد ہی اُس نے یہاں موجود لوہے کی ایک زنگ آلود چادر کے ذریعے ان خاردار تاروں سے نجات حاصل کر لی اور اب وہ تاروں کے باہر کھڑا سکون کی طویل سانس لے رہا تھا۔

کھٹمنڈو سے یہاں تک کا سفر اس کے لئے ڈراؤنا خواب تھا لیکن اس تعبیر کے پہلے مرحلے میں اُس کا حوصلہ دوچند کر دیا تھا۔ اُسے یقین ہو چلا تھا کہ جس ذات باری تعالیٰ نے اُسے قاتلوں کے نرغے سے نکال کر یہاں تک پہنچایا ہے وہ اس کے بعد بھی اس کی حفاظت کرے گا۔

☆☆☆

انسپکٹر شندے اگلی جیپ میں سوار تھا جبکہ دوسری جیپ اس سے کچھ فاصلے پر اُس کی ہدایات کے مطابق ایک مخصوص رفتار سے بھاگ رہی تھی۔ انہیں حکم ملا تھا کہ سپیشل فورسز کی جیپ لے کر فرار ہونے والے مسافر کو زندہ گرفتار کرنا ہے اور سختی سے اس بات کی ہدایت کی گئی تھی کہ اُس کی طرف سے اگر فائرنگ بھی ہو تب بھی کوئی گولی جوابی فائرنگ میں اُسے نہیں لگنی چاہئے تھی۔

ایسا بیہودہ حکم ملنے پر اُس نے سب سے پہلے فوراً اپنے افسران کو دل ہی دل میں گالیوں سے نوازا اور دو جیپوں کے ساتھ نکل گیا۔

انسپکٹر شندے کو ابھی تک اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ جہاز سے فرار ہونے

والا کون ہے؟ اگر وہ کوئی عام مسافر ہے تو اُسے اس طرح گھیر کر پکڑنے کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ اور اگر وہ دہشت گردوں کا ساتھی ہے تو اتنا تکلف کس لئے برتا جا رہا ہے۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اگر فرار ہونے والا مسلح بھی ہے اور اس کی طرف سے جوابی فائرنگ کی توقع بھی ہے تو وہ لوگ کیسے بچ پائیں گے اور اُن کی فائرنگ سے مفرور کیسے بچے گا؟

انسپکٹر شندے سپیشل فورسز کا کمانڈو تھا اور اس سے پہلے دہشت گردوں کے خلاف درجنوں شاندار آپریشن انجام دے چکا تھا۔ اُس کی ڈیوٹی عموماً ایسے ہی انتہائی خطرناک حالات میں لگائی جاتی تھی لیکن جس نوعیت کے احکامات اُسے آج ملے تھے اُس نے انسپکٹر شندے کو گڑبڑا کر رکھ دیا تھا۔

''ضرور کوئی اہم معاملہ رہا ہوگا''۔

اُس کے ماتحت نے انسپکٹر شندے کی الجھن کو سمجھ لیا تھا۔

''ہاں..... ہمیں کیا لینا دینا''۔

شندے نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

''سر یہ ''را'' والوں کا کوئی چکر لگتا ہے''۔

ماتحت نے اگلا انکشاف کیا۔

''تو اپنے کام سے کام رکھ..... زیادہ بحث نہ کیا کر''۔

شندے نے اُسے قریباً ڈانٹ کر چپ کروایا۔

اُسے اپنے ماتحتوں سے بہت محبت تھی۔ یہی لوگ متعدد مرتبہ اُسے جان کی بازی لگا کر بچا چکے تھے اور وہ جانتے تھے کہ انسپکٹر شندے انہیں ماتحت سے زیادہ اپنے ساتھی اور دوست سمجھتا ہے۔

لیکن..... آج شندے کا موڈ دیکھ کر سب خاموش ہو گئے تھے۔

دونوں جیپیں مفرور کے بھاگنے کے قریباً چار پانچ منٹ بعد اس کے تعاقب میں نکلی تھیں کیونکہ جہاز پر اچانک کمانڈو ایکشن نے سب کو الجھا کر رکھ دیا تھا اور احکامات دینے

والے بھی شاید پہلے جہاز کو ہائی جیکروں سے کلیئر (clear) کرنے کے بعد ہی کوئی دوسرا قدم اٹھانا چاہتے تھے۔

انسپکٹر شندے کو اس بات کا تو اندازہ تھا کہ مفرور اور اُن کے درمیان پانچ منٹ کا وقفہ ہو چکا ہے لیکن وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتا تھا کہ مفرور کسی بھی طرح ائرپورٹ کی حدود سے باہر نہیں نکل سکتا کیونکہ اس ایریا کو جہاں جہاز کو لینڈنگ کروائی گئی تھی پہلے ہی سے بڑے مضبوط حصار میں لے لیا گیا تھا۔

''سر! وہ دیکھیں جیپ''۔

ماتحت کے چونکانے پر اُس نے سامنے دیکھا تو انہیں بجھی ہوئی لائٹس کے ساتھ جیپ ائرپورٹ کے پارکنگ ایریا کی طرف بھاگتی دکھائی دی۔ انسپکٹر شندے نے دل ہی دل میں مفرور کو داد دی جس نے جیپ کی لائٹس آف کر کے انہیں خاصا پریشان کر رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے اپنی آٹومیٹک گن سے جیپ کی طرف ہوا میں گولیاں چلانی شروع کیں۔

اب دونوں جیپوں نے فاصلہ بڑھا کر نعمان کی جیپ کا اس طرح تعاقب شروع کیا تھا جیسے اُسے دبوچ لینے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

''پاگل ہے کیا یہ؟''

اچانک ہی انسپکٹر شندے کے منہ سے نکلا کیونکہ جیپ سیدھی جہاز کی طرف جا رہی تھی جو پارکنگ ایریا میں کھڑا تھا۔ اس ایریا میں چار چھوٹے جہاز کھڑے تھے۔

''شاید جہاز لے کر فرار ہونا چاہتا ہے سر؟''

اُس کے ماتحت نے اونچی آواز میں وائرلیس پر کہا۔

''ارے اس کی اسی تیسی..... تم لوگ جہاز کے دوسری طرف چکر کاٹ کر پہنچو''۔

انسپکٹر شندے اور نعمان کی جیپ کا فاصلہ آہستہ آہستہ گھٹنے لگا تھا۔

اچانک ہی انسپکٹر شندے کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

نعمان کی جیپ پوری رفتار سے سامنے آنے والے چھوٹے سیسنا جہاز کے پیٹ سے ٹکرائی..... زوردار دھماکہ ہوا اور پٹرول کی ٹینکی نے آگ پکڑ لی۔ شندے کی جیپ کے ڈرائیور حوالدار مونگیا نے انتہائی مہارت اور حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جیپ کے بریک دبائے اور پورا سٹیئرنگ دائیں طرف کاٹ دیا۔

اُس کا یہی عمل انہیں ناگہانی آفت سے بچا گیا کیونکہ جہاز اس طرح دھماکے سے پھٹا تھا جیسے اُس میں ڈائنامائٹ نصب کیا گیا ہو۔ دھماکے سے جہاز کے مختلف ٹکڑے اڑتے ہوئے اُن سے محض چند فٹ کی دوری پر گرے تھے۔ دوسری جیپ والوں نے انسپکٹر شندے کی ہدایت پر جہاز سے اپنا فاصلہ محفوظ حد تک بڑھا لیا تھا کیونکہ انہیں جہاز کی دوسری سمت جانا تھا۔ یہی عمل اُن کی نجات کا باعث بن گیا۔

انسپکٹر شندے کے لئے یہ سب کچھ اتنا اچانک اور چونکا دینے والا تھا کہ چند سیکنڈ کے لئے وہ واقعی بوکھلا گیا۔ پھر اُس کے اوسان بحال ہو گئے۔ اُسے اس نوعیت کے انتہائی خطرناک اور اچانک پیش آ جانے والے معاملات سے نمٹنے کی تربیت ہی تو دی گئی تھی۔

جیپ سے وائرلیس سے اُس نے ''کرائسس کنٹرول کمیٹی'' کو صورتحال سے باخبر کیا۔ دوسری طرف سے اُسے وہیں رکنے کی ہدایات ملیں اور سختی سے ہدایت کی گئی سوائے فائر بریگیڈ اور کسی کو موقعہ واردات کے نزدیک جانے کی اجازت نہ دی جائے۔

فائر بریگیڈ کی لاریاں حادثے سے بمشکل تین منٹ بعد جائے حادثہ پر موجود تھیں۔ لیکن اس دوران وہاں موجود تینوں چھوٹے جہاز آگ کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔ اپنے کام میں ماہر فائرمینوں نے جلتے ہوئے جہازوں پر مخصوص کیمیکل کی بارش برسا دی۔ اس دوران وہاں سپیشل کمانڈوز کی چار اور جیپیں پہنچ گئی تھیں۔ ایک جیپ میں دیوان چند سمیت کرائسس کنٹرول کمیٹی کے ممبران موجود تھے۔

آگ بجھنے میں قریباً پندرہ منٹ لگ گئے۔

فائر فائٹر چیف کی طرف سے گرین سگنل ملنے کے بعد کرائسس کمیٹی کے ارکان

قریباً بھاگتے ہوئے جیپ تک پہنچے تھے۔

حیرت انگیز طور پر جیپ خالی تھی۔

انہوں نے کمانڈوز کی مدد سے دور دور تک نعمان کی جلی ہوئی لاش یا پھر اُس کے جسمانی ٹکڑے ڈھونڈنے کے جتن شروع کئے لیکن بعد از خرابیٔ بسیار بھی کچھ ہاتھ نہ آیا۔

حادثے کے قریباً بیس منٹ بعد اس بات کا یقین ہونے پر کہ جیپ جب جہاز سے ٹکرائی تو وہ خالی تھی، دیوان چند اپنے ساتھیوں سے کچھ محفوظ فاصلے پر جا کر اپنے موبائل سے اشیش کمار کا نمبر ملایا۔

''سر! جیپ جل کر کوئلہ ہو گئی ہے..... لیکن وہ غائب ہے''.....

اُس نے مختصر الفاظ میں کہا۔

''کیا.....؟ سبجیکٹ (subject) غائب ہے؟''

دونوں طرف سے بڑی حیرت اور غصے سے پوچھا۔

''یس سر.....''

اُس نے جواب دیا۔

''ڈیم اِٹ''

اشیش کمار نے کہا اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

.....☆.....

نعمان کی خوش قسمتی تھی کہ ائرپورٹ کے اس حصے میں روشنی کا خاطر خواہ انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ اس طرف کسی کے آنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ائرپورٹ کی حفاظت پر معمور سیکورٹی افواج کا گشت البتہ یہاں معمول کے مطابق رہا ہو گا لیکن اُس کے بعد اب کوئی غیر معمولی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

تاریں عبور کرنے کے بعد اُس کے سامنے ایک طویل اور سنسان سڑک تھی جس پر دور دور تک کسی ذی ہوش کا نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ سڑک ائرپورٹ کے گرد گھومتی ہوئی شاید شہر کی طرف جاتی تھی۔

نعمان نے تیزی سے قریباً دوڑتے ہوئے سڑک عبور کی اور اب اُس کا رُخ اندھیرے کی چادر سے جھانکتی اُس آبادی کی طرف تھا جو یہاں سے قریباً دو ڈھائی کلومیٹر دور دکھائی دے رہی تھی۔ اپنی جیبوں کو تھپتھپا کر اُس نے اس بات کا بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ اُس کا ''والٹ'' محفوظ ہے جس میں کچھ غیر ملکی کرنسی موجود تھی جس کے ذریعے وہ

بہر حال یہاں کچھ دنوں تک اپنا گزارہ آسانی سے چلا سکتا تھا۔

پہلے اُس نے اس آبادی کے نزدیک قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اب اُس نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور لمبا چکر کاٹ کر آبادی کو اپنے دائیں ہاتھ چھوڑتا ہوا آگے نکل گیا۔

وہ کہاں جا رہا ہے؟

اس جگہ کا کیا نام ہے؟

اُسے کہاں جانا ہے؟

فی الوقت اُس کے پاس ان تینوں سوالات کے جوابات نہیں تھے۔ اُس کی کوشش یہی تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سانتا کروز سے بہت دور نکل جائے۔ اگر ''را'' نے یہ سارا گھڑاگ اُسے مارنے کے لئے پھیلایا تھا تو اُس کے ہاتھ آئے شکار کی طرح ہاتھوں سے پھسل جانے کے بعد وہ لوگ کیا نعمان کو چھوڑ دیں گے؟ ظاہر ہے ایسا ممکن نہیں تھا۔

وہ جانتا تھا شکاری کتوں کی طرح اُس کی بو پر جھپٹنے کی تیاریاں ہو رہی ہوں گی۔ ''را'' نے اس سارے ایریا کو اپنے حصار میں جکڑ لیا ہو گا۔ اُسے سب سے پہلے اپنے زندہ اور بخیریت ہونے کی خبر اپنے لوگوں تک پہنچانی تھی لیکن یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فی الوقت یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ کھٹمنڈو کی پاکستانی ایمبیسی کو بھارت کے کسی بھی کونے سے جانے والی کال ضرور مانیٹر کی جا رہی ہو گی۔

نعمان نے اپنے صیادوں کی ہر ممکنہ چال کا جائزہ دل ہی دل میں لینے کے بعد اپنے اس عزم کو دہرایا تھا کہ وہ دشمن کا غرور ضرور خاک میں ملائے گا جس نے تمام اخلاقی سفارتی اور انسانی ضابطوں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے محض اپنی بالادستی جتانے کے لئے یہ گھناؤنا کھیل رچایا تھا اور انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے ایسی زہریلی چال چل گیا تھا۔

دل ہی دل میں اُس نے اپنے عزم کو دہرایا اور اُس کی آنکھیں دور سے ٹمٹماتی اُن روشنیوں پر جم گئیں جو سڑک کے ایک کنارے پر روشن تھیں۔ نعمان نے اسی سمت میں

سفر جاری رکھنے کا عزم کیا تھا اور عازم سفر تھا۔

جوں جوں وہ روشنیوں کے نزدیک ہو رہا تھا اُس کی چوکسی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس بات کے امکانات یقینی تھے کہ وہاں پہلے سے سیکورٹی فورسز اُس کی منتظر رہی ہوں کیونکہ اُن لوگوں کو تباہ شدہ جیپ سے اُس کی جلی ہوئی لاش نہیں ملی ہوگی اور اب وہ بوکھلائے ہوئے اور زخم خوردہ بھیڑیوں کی طرح اُسے تلاش کر رہے ہوں گے۔

دور کا منظر نزدیک آنے پر واضح ہونے لگا تھا اور اُسے ایک بڑے میدان میں سڑک پر کھڑے ٹرک دکھائی دے رہے تھے۔ یہ سارے وہ ٹرک تھے جو اس راستے سے سفر کرتے ہوئے آگے جا رہے تھے اور یہ کوئی ''ڈھابہ'' تھا جہاں ٹرک ڈرائیور رُک کر کمر سیدھی کرتے اور کھانا کھانے کے بعد آگے سفر کرتے تھے۔ یہاں کے مخصوص کلچر کا اُسے بخوبی اندازہ تھا۔

نعمان نے کچھ سوچتے ہوئے یہاں قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا..... اور اب وہ اسی عزم سے ناریل کے درختوں کے درمیان سے گزرتا ''ڈھابے'' کی پشت پر جا رہا تھا جہاں اُسے چھ سات ٹرکوں کے پاس کوئی بھی ذی نفس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہاں قدرے اندھیرا تھا اور یوں لگتا تھا کہ ٹرکوں کا سارا عملہ ڈھابے میں موجود ہے۔ جوں جوں وہ ڈھابے کے نزدیک ہو رہا تھا وہاں موجود ٹیپ ریکارڈر پر چلنے والے گیتوں کی آوازیں زیادہ نمایاں ہونے لگی تھیں۔

نعمان چوکنے ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ٹرکوں کے نزدیک پہنچ چکا تھا اور اب زمین سے چمٹا نیم تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ ڈھابے میں شاید دال کو تڑکا لگایا جا رہا تھا جس کی خوشبو نعمان یہاں محسوس کر سکتا تھا۔ اُس نے اطراف کا جائزہ لینے کے بعد بالآخر ایک ٹرک پر قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا۔

اگلے تین منٹ بعد وہ مختلف نوعیت کے ساز و سامان سے لدے اُس ٹرک کے عین درمیان میں ایسی جگہ چھپ کر بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ اگر ٹرک کی بظاہر تلاشی بھی

جائے تو وہ اس سامان ہی کا کوئی حصہ دکھائی دیتا۔ اُس نے بطور احتیاط خود کو اس جگہ چھپایا ورنہ تو ٹرک کے اوپری حصے پر بنے ایک بڑے سے باکس میں وہ آسانی سے لیٹ کر سفر کر سکتا تھا۔

بڑی محنت اور زور آزمائی کے بعد اُس نے اپنے اردگرد چھوٹا چھوٹا سامان اس طرح چن رکھا تھا کہ اب وہ اسی کا حصہ دکھائی دے۔

نعمان تن بہ تقدیر بیٹھا تھا۔ انتظار کی گھڑیاں بالآخر ختم ہوئیں اور قریباً بیس منٹ بعد اُس نے ٹرک سٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ ٹرک آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ڈھابے کی حدود سے باہر نکلا اور اب مختلف جھٹکے کھانے کے بعد سڑک پر آ گیا تھا۔

☆☆☆

نعمان نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ اُسے امید تھی اگلے دو تین گھنٹوں میں وہ ''را'' کی دست برد سے محفوظ ہو جائے گا۔ جس جگہ وہ گھس کر وہ سامان کے درمیان بیٹھا تھا وہاں سے اُس کے لئے اپنی ٹانگیں پھیلانا بھی ممکن نہیں تھا۔ بمشکل تین چار انچ مربع جگہ اُس نے سامان کے درمیان بنائی تھی اور اپنی ٹانگیں پیٹ کی سمت سمیٹ کر وہاں ٹرک کے سامان ہی کی طرح فٹ ہو گیا تھا۔

ٹرک نے اپنی مخصوص سپیڈ پکڑ لی تھی۔ یہاں سے باہر کے ماحول یا سڑک یک سواروں کا جائزہ لینا اُس کے لئے ناممکن تھا البتہ وہ ٹرک کی چھت سے سارے مناظر دیکھ سکتا تھا لیکن بطور احتیاط اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔

انہیں سفر کرتے بمشکل پندرہ بیس منٹ ہوئے تھے جب نعمان کے حساس کانوں نے پولیس جیپ کے مخصوص سائرن کی آوازیں سنیں اور اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ سائرن کی آواز نمایاں ہو رہی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اب وہ پولیس کی یہ ہڑولنگ کار ٹرک کے بالکل نزدیک آ گئی ہو کیونکہ ٹرک کی رفتار کم ہونے لگی تھی اور جلد ہی ٹرک رُک گیا۔ اُس کے ساتھ ہی سائرن کی آواز بند ہو گئی۔

نعمان سنبھال کر بیٹھ گیا.....!

اُس نے اندازہ لگالیا کہ پولیس کی پٹرولنگ کار نے ٹرک کو روکا ہے اور اب وہ اس کی تلاشی لیں گے۔ پھر اُسے کچھ لوگوں کے اونچے اونچے بولنے کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ وہ آپس میں بحث کر رہے تھے۔ شاید ٹرک ڈرائیور جو اپنے لہجے سے سکھ معلوم پڑتا تھا پولیس والوں کے ساتھ بحث کر رہا تھا کہ وہ اُس کا وقت ضائع کر رہے ہیں جبکہ مقامی زبان میں کوئی اُسے گالیاں دے رہا تھا۔ یہ شاید وہ پولیس آفیسر تھا جو اس پٹرولنگ پارٹی کا انچارج رہا ہوگا۔

پولیس آفیسر نے ملی جلی میراٹھی ہندی میں اپنے جوانوں کو کچھ حکم دیا تھا جس کے بعد نعمان کو دو تین پولیس والوں کے ٹرک پر چڑھنے کا اندازہ ہوا۔ وہ لوگ سیدھا اُس بڑے سے صندوق نما باکس کی طرف گئے جہاں پہلے اُس نے چھپنے کا ارادہ کیا تھا۔ سپاہیوں نے شاید یہاں رکھے فالتو ٹائر اور ترپال وغیرہ نیچے پھینک کر اُن کے اندر سے نعمان کو برآمد کرنے کا جتن کیا ہوگا کیونکہ ٹائر اور ترپال نیچے پھینکنے اور سکھ ڈرائیور کے پنجابی زبان میں گالیاں دینے کے آوازیں اُس نے آسانی سے سن لی تھیں۔

یہاں سے نعمان کے برآمد نہ ہونے پر اُن کے انچارج نے اپنے نوجوانوں نعمان اور سکھ ڈرائیور کو میراٹھی زبان میں گالیوں سے نوازا اور اب وہ لوگ ٹرک سے نیچے اترنے لگے۔ ٹرک سے اتر کر وہ اپنی جیپ میں بیٹھے۔ جیپ سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی.....سائرن بجا اور اب سائرن کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔

سکھ ڈرائیور اور اُس کے ساتھی نے پولیس والوں کی روانگی کے بعد انہیں جی بھر کر مغلظات سے نوازا۔ دونوں بڑی مشکل سے ہانپتے ہوئے ترپالیں اور فالتو ٹائر اوپر چڑھاتے اور پولیس والوں کو مسلسل گالیاں دے رہے تھے۔

نعمان اپنی جگہ اطمینان سے آلتی پالتی مارے بیٹھا اُن کی اس حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اُس کے دل و دماغ میں دور دور تک بھی خوف نام کی کسی شے کا شائبہ تک

وجود نہیں تھا۔

ٹرک ڈرائیور اور اُس کا نائب اب اپنا کام مکمل کر چکے تھے۔ اپنے کام کے اختتام پر دونوں نے دوبارہ پولیس کو مغلظات بک کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا اور تھوڑی دیر بعد دوبارہ ٹرک سٹارٹ ہو کر اپنے سفر پر رواں دواں تھا۔

نعمان کے اندازے کے مطابق اس مرتبہ اُن کے سفر کا اختتام قریباً تین گھنٹے بعد ہوا تھا۔ اب رات ڈھل چکی تھی اور صبح ہو رہی تھی۔ ٹرک ایک جگہ رُک گیا۔ انجن بند ہونے کے قریباً دس منٹ بعد اُس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر صورت حال کا جائزہ لینے کی ٹھانی اور اب خود کو ٹرک میں موجود کاٹھ کباڑ سے بچاتے ہوئے اس پوزیشن میں آیا تھا کہ باہر کے حال کا جائزہ لے سکے۔ یہ شاید ٹرکوں کا کوئی مضافاتی اڈہ تھا جہاں اُن سے پہلے بھی کچھ ٹرک کھڑے تھے۔ نعمان کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ سامان یہاں اتارا جائے گا اور اب اُسے اس سے چپت ہونا تھا۔

کسی محتاط بلی کی طرح اُس نے سامان سے بچتے ہوئے اپنا راستہ بنایا اور ٹرک کے پچھلے حصے سے باہر آ گیا۔ اُجالا پھیل رہا تھا اور یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ یہاں کسی نے اُسے دیکھا نہیں تھا۔ اُس نے قریباً جھکتے ہوئے ٹرک کے عقب میں تیزی سے چلتے ہوئے کچھ فاصلہ طے کیا اور قریباً پچاس گز دور جا کر سیدھا ہو کر چلنے لگا۔

☆☆☆

ابھی تک اُسے اس بات کا اندازہ نہیں ہوا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟

جگہ کوئی بھی رہی ہو اُسے صرف اس بات کا اطمینان تھا کہ اُس نے اپنے اور دشمن کے درمیان پانچ چھ گھنٹے کا فرق کھڑا کر دیا ہے اور اب اُسے اس وقفے سے فائدہ اٹھانا تھا۔

نعمان نے اپنے سراپے کا جائزہ لیا اور دوسرے ہی لمحے کوٹ سے نجات حاصل کرنے کی ٹھانی۔ ابھی تک وہ سوٹ اور نکٹائی پہنے ہوئے تھا جو یہاں موزوں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کوٹ جیبوں میں موجود اپنا والٹ اور دوسرا سامان اُس نے پتلون اور قمیص

میں منتقل کیا۔ چلتے چلتے اپنی ٹائی کھولی اور وہاں ایک طرف کاٹھ کباڑ کے ڈھیر پر پھینک دی۔ اب وہ ٹرکوں کے اس اڈے کی دوسری طرف جا رہا تھا جہاں کچھ ہوٹل اور خاصی رونق دکھائی دے رہی تھی۔ اپنا کوٹ بھی اُس نے بادل نخواستہ ٹھکانے لگایا تھا کیونکہ اس کوٹ سے اُس کی بہت خوبصورت یادیں وابستہ تھیں۔ اپنے آپ سے جدا کرتے ہوئے نعمان کو افسوس تو ہوا لیکن اس کے سوا اب کوئی اور چارہ باقی نہیں رہا تھا۔

خوش قسمتی سے اُس کے پاس کچھ بھارتی کرنسی موجود تھی۔ اس پر رونق ایریا میں آنے کے بعد اُس نے ایک سائن بورڈ سے پڑھ لیا تھا کہ وہ ابھی ناسک میں موجود ہے جو بمبئی کا ہی ایک مضافاتی علاقہ تھا۔

ناسک کے ایک ڈھابے سے اُس نے حلوہ پوڑی کا ناشتہ کر کے اپنے اوسان بحال کئے اور وہیں بیٹھ کر اگلے سفر کی منصوبہ بندی کر لی۔ اُسے بہت سوچ سمجھ کر ''را'' کی بچھائی گئی اس شطرنج پر اپنی چال چلنی تھی۔ قدم قدم پر اُس کو شدمات ہونے کا خدشہ موجود تھا لیکن نعمان نے عزم کیا تھا کہ وہ ''را'' کے پھیلائے اس جال کو توڑ کر کھٹمنڈو واپس جائے گا جس طرح آج سے تین سال پہلے اُس نے دلی میں دشمن کے منصوبوں کو خاک میں ملایا تھا وہی تاریخ وہ آج پھر دہرانا چاہتا تھا۔

اسے بھارت کا نقشہ ازبر تھا۔ نعمان نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ اس وقت مہاراشٹر میں ہے۔ یہاں سے مدھیہ پردیش کے راستے اُسے اُتر پردیش میں داخل ہونا تھا اور وہاں سے سرحد عبور کر کے پھر نیپال جانا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ اس مرتبہ دشمن کے منہ پر ایسا بھرپور جوابی طمانچہ رسید کرے جس کے بعد کافی عرصہ تک وہ اپنے زخم سہلاتا رہے۔

اُس نے اپنی شرٹ پتلون سے باہر نکال لی تھی۔ بالوں کو ماتھے کے سامنے پھیلا لیا تھا۔ فی الوقت اس کے علاوہ وہ اور کوئی سوانگ نہیں رچا سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اپنی ڈاڑھی بڑھنے کا انتظار کرے۔ اُسے ابھی کچھ دن یہاں بسر کرنے تھے لیکن ایک جگہ رک کر نہیں بلکہ گھوم پھر کرتا کہ اُس کے تعاقب میں آنے والوں کو اُس کے نقش پا نہ مل سکیں اور وہ

کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچتے رہ جائیں۔

نعمان کی اگلی منزل مہاراشٹر کا سرحدی علاقہ جل گاؤں تھی۔ وہ ناسک سے جلدی نکلنا چاہتا تھا اور اس عزم کے ساتھ اب ایک سائیکل رکشہ پر بس سٹینڈ کی طرف جا رہا تھا۔ اُسے اندازہ تھا کہ اس طرح کی مقامی بسوں کے بجائے ''را'' اُسے بڑے اڈوں اور اسٹیشنوں پر تلاش کر رہی ہوگی۔

☆☆☆

کرنل حامد کے سامنے کاغذات کا ڈھیر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

یہ وہ پل پل کی رپورٹس تھیں جو انہیں ہر ممکنہ ذرائع سے پہنچ رہی تھیں۔ اب تک کی اطلاعات کے مطابق بھارتی کمانڈوز کی جوابی فائرنگ سے مارے جانے والے ہائی جیکروں اور دو سویلین میں سے کوئی بھی پاکستانی نہیں تھا۔ یہ الگ بات کہ بھارتی میڈیا نے ہائی جیکروں کے سرغنہ اور اُس کے دو ساتھیوں کے پاکستانی شناختی کارڈز کی تصاویر بھی جاری کر دی تھیں جن کو دیکھ کر کوئی احمق بھی اس بات کا اندازہ کر سکتا تھا کہ یہ سب جعلی کارروائی ہے۔ بھارت کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ پاکستان دہشت گردوں کی لاشیں وصول کر لے۔

ابھی تک پاکستانی وزارت خارجہ کی طرف سے صرف ایک سادہ بیان جاری ہوا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ ہائی جیکروں کا تعلق پاکستان کی کسی تنظیم یا علاقے سے نہیں اور وہ ہائی جیکنگ کی اس کارروائی کو بھی مشکوک سمجھتے ہیں۔ حکومت صورت حال کا جائزہ لے رہی ہے اور جلدی اس سلسلے میں وضاحتی بیان جاری کیا جائے گا۔

اب تک کی رپورٹس سے کرنل حامد کے لئے پرامید اور خوش کن خبر صرف یہ تھی کہ مارے جانے والوں میں نعمان شامل نہیں۔ نعمان کے فرار سے متعلق بھارتی انٹیلی جنس جو بھی کھیل رچاتی انہیں اس بات کا یقین تھا کہ وہ ''را'' کے لئے بہت ٹیڑھی کھیر ثابت ہوگا۔ اُن کی امید اب وہ دس پاکستانی تھے جو اس فلائٹ سے بھارتی سورماؤں نے ہائی جیکروں کی

قید سے رہا کروائے تھے اور جنہیں پاکستانی ہائی کمیشن نے بعد از خرابیٔ بسیار بھارتی انٹیلی جنس کے شکنجے میں پھنسنے سے بچایا تھا۔ یہ لوگ ایک اور پرواز کے ذریعے پاکستان آ رہے تھے اور کرنل حامد کو اطلاع مل گئی تھی کہ انہیں لانے والی پرواز ائرپورٹ پر پہنچ چکی ہے۔

کرنل حامد اگلے پندرہ منٹ بعد ائرپورٹ پر ان مسافروں سے بات چیت کر رہے تھے۔ انہیں جلد ہی فسٹ کلاس میں سفر کرنے والا وہ پاکستانی بزنس مین بھی مل گیا جس نے نعمان کی زبانی جو کچھ سنا تھا وہ کرنل حامل کو بتا دیا۔ اس بزنس مین نے جو خاصا جذباتی اور محبِ وطن دکھائی دے رہا تھا کرنل حامد کو نعمان اور ہائی جیکروں کی ساری گفتگو کے علاوہ نعمان کے نقش و نگار اتنی وضاحت کے ساتھ بتائے تھے کہ وہ آنکھیں بند کر کے اُس کی مکمل تصویر بنا سکتے تھے۔

پاکستانی بزنس مین نے انہیں بتایا کہ اُس نے آخری مرتبہ نعمان کو گن پوائنٹ پر ہائی جیکروں کے ساتھ جہاز کے دروازے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔

اب انہیں کوئی اور شہادت درکار نہیں تھی۔ انہوں نے پاکستانی بزنس مین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُسے یہ واقعات اپنے تک محدود رکھنے کی درخواست کی لیکن انہیں امید تھی کہ جیسے ہی وہ لاؤنج سے باہر نکلے گا میڈیا کے لوگ اسے گھیر کر ساری معلومات اگلوا لیں گے۔

اور ایسا ہی ہوا.....

مسافروں کی آمد کے قریباً ایک گھنٹہ بعد پاکستانی وزارت خارجہ کی طرف سے پریس کانفرنس بلائی گئی جس میں پاکستانی مسافروں کی زبانی حاصل کردہ معلومات کے ذریعے بین الاقوامی پریس کو بتایا گیا کہ کھٹمنڈو کی پاکستانی ایمبیسی کے تھرڈ سیکرٹری مسٹر نعمان ملک کو جو اس جہاز میں سوار تھے بھارتی ایجنسیوں نے اغوا کر لیا ہے جو صریحاً دہشت گردی ہے۔ پاکستانی وزارت خارجہ کی طرف سے دعویٰ کیا گیا کہ اگر بھارتی حکومت لاشوں کے پوسٹ مارٹم کی اجازت دے تو کسی بھی غیر جانبدار کمیشن کے سامنے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے

کہ ہائی جیکروں کا تعلق پاکستان کے بجائے بھارت سے تھا اور یہ جہاز بعض مخصوص مقاصد کے تحت اغوا کروایا گیا تھا جن میں بھارتی ایجنسیوں کی بدقسمتی کی وجہ سے انہیں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

بھارت کی طرف سے اس بیان کو پاکستانی پراپیگنڈہ قرار دینے پر اکتفا کیا گیا تھا اور مسلسل رٹ لگائی جا رہی تھی کہ ہائی جیکروں کا تعلق پاکستان سے تھا۔

.....☆.....

نعمان کے لئے فی الوقت سب سے زیادہ ضروری اپنے زندہ اور بخیریت ہونے کی اطلاع پہنچانا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اب تک اُس کے فرار کا علم ہو چکا ہوگا اور ایجنسی والے سمجھ چکے ہوں گے کہ یہ سارا گھڑاک کس لئے پھیلایا گیا ہے۔ اُس کے پاس ابھی اتنی رقم موجود تھی جس سے وہ یہاں دس پندرہ دن با آسانی بسر کر سکتا تھا۔ ناسک کے ایک کرنسی ایجنٹ سے اُس نے امریکی ڈالر تبدیل کروائے اور اب ایک پی سی او سے نیپال اپنے کسی ''عزیز'' کو فون کرنے جا رہا تھا۔

بھارت سے نیپال فون ہونا معمول کی بات تھی اور اس کا کوئی خاص نوٹس بھی نہیں لیا جاتا تھا۔ اس لئے اُس کا بھی کسی نے نوٹس نہ لیا۔ یہ فون نعمان نے نیپال میں کسی جنرل سٹور پر موجود اپنے ''بڑے بھائی'' کو کیا تھا جس میں اُس نے بتایا تھا کہ اُس کی طبیعت اب بالکل ٹھیک ہوگئی ہے اور ڈاکٹر کی دوائی سے مکمل افاقہ ہے۔ اُس کی زیادہ فکر نہ کی جائے۔

اس جنرل سٹور سے یہ پیغام جوں کا توں ایمبیسی پہنچ گیا تھا جہاں تنے ہوئے

اعصاب اور کھنچے ہوئے چہرے اب ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔ خوابیدہ مسکراہٹیں جاگ اٹھیں تھیں اور ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

نیپال کی ایمبیسی سے یہی پیغام سفر کرتا بالآخر کرنل حامد تک پہنچ گیا تھا جنہوں نے اسے سنتے ہی زور سے ''ویل ڈن'' کہا اور دل ہی دل میں مسکرا دیئے۔

''را'' نے اپنی دانست میں پاکستانی ایمبیسی کی طرف جانے والے ہر پیغام کو خواہ اس کے لئے کوئی بھی ذریعہ اختیار کیا جائے ''سنسر'' کرنے کا اہتمام کیا تھا لیکن جس معصومانہ انداز سے یہ پیغام پاکستانی ایمبیسی تک پہنچایا گیا وہ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

ناسک سے سپُرا اور پھر جل گاؤں تک کا سفر جو معمول کے محض چار پانچ گھنٹوں پر مشتمل تھا نعمان نے دو دنوں میں اس طرح طے کیا تھا جیسے لوکل بس کے ذریعے ایک دوسرے اور پھر تیسرے سٹاپ تک پہنچا جائے۔

اپنی دانست میں انتہائی محتاط طریقہ اختیار کرنے کے باوجود اُسے اس بات کا احساس تھا کہ وہ ابھی تک غیر محفوظ ہے۔ اپنے ذہن میں اُس نے جو منصوبہ بنایا تھا اُس پر عمل کرنے کے لئے اُسے ابھی کئی دنوں تک دشمن کے بچھائے اس جال کو کاٹ کر راستے بنانے تھے۔ نعمان جانتا تھا کہ دہلی جا کر قسمت آزمائی کرنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس مرتبہ اشیش کمار نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت نعمان کو پاکستانی ہائی کمیشن تک پہنچنے نہیں دے گا خواہ اس کی کتنی ہی زیادہ قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔

اور.....نعمان اپنے ملک کے لئے کوئی مسئلہ کھڑا کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس کی شدید خواہش تھی کہ دشمن کو اُس کی زبان میں ہی ایسا پیغام دیا جائے کہ اسے اپنی بے بسی کا احساس ہو اور اُس کی فرعونیت پر کاری ضرب بھی لگے۔ یہی تھی وہ سوچ اور عزم جس نے اُسے بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے بچھائے جال کو توڑ کر اُن کے درمیان سے

راستہ بناتے ہوئے دوبارہ کھٹمنڈو پہنچنے کے لئے آمادہ کیا تھا اور اب وہ اس منصوبے پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

جل گاؤں مہاراشٹر کا سرحدی شہر تھا جہاں سے وہ مدھیہ پردیش میں داخل ہو جاتا۔ چار دنوں سے مسلسل وہ حالت سفر میں تھا اور اب اُس کے چہرے پر شیو نے بڑھی داڑھی کی شکل اختیار کرنا شروع کر دی تھی جس کی اُسے ضرورت بھی تھی۔ جل گاؤں ہی کے ایک مندر سے اُس نے ماتھے پر پجاری جی سے تین نمایاں لکیروں کے ساتھ ایک بڑا چندر بنا لیا تھا اور گلے میں موجود ''جینو'' سے وہ مکمل براہمن دکھائی دے رہا تھا۔ ایسا براہمن جو گی جو لمبی یاترا پر نکلا ہو۔

اُس نے فی الوقت یہی سوانگ رچایا تھا اور اسی کور (cover) کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ وہ یوپی کا کوئی براہمن ہے جس نے مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش کے پوتر استھانوں کے درشن کرنے کی ٹھانی ہے اور گذشتہ دو ماہ سے حالت سفر میں ہے۔

براہمنوں جیسے گیروی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے نعمان نے اپنے ساتھ جو بیگ اٹھایا ہوا تھا اُس پر ''ایودھیا'' کے رام مندر کا نمایاں نشان یہ بتانے کے لئے کافی تھا کہ وہ بڑا متعصب قسم کا براہمن ہے۔ کندھے پر دھرے ''پیتامبر'' سے اُس کی مذہبی اہمیت کا احساس بھی بخوبی ہو جاتا تھا۔

رات کا آخری پہر تھا جب وہ بس کے ذریعے جل گاؤں پہنچا۔ اُس نے معمول کے مطابق کسی ہوٹل کا رُخ کرنے کے بجائے مقامی مندر کی طرف رختِ سفر باندھا تھا۔ بس اڈے میں بس سے اُتر کر وہ قریباً بڑبڑانے کے انداز میں رام نام کا جاپ کرتا اُس سائیکل رکشہ والے کی طرف جا رہا تھا جو اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ بس سے اُترتی سواریوں کو منہ اٹھائے دیکھ رہا تھا۔

اپنی طرف گیروی کپڑے پہنے براہمن کو آتے دیکھ کر رکشہ والے نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے ماتھے کے سامنے لے جا کر اُسے ''رام رام'' کہا تھا۔

''رام رام''.....

نعمان نے جواب دیا اور اُس سے کسی نزدیکی مندر کی طرف جانے کے لئے کہا۔

رکشہ والے نے اُس کا گہری نظروں سے جائزہ لے کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''رام کے بھگت ہیں بیٹا جہاں جی چاہے لے چلو''

نعمان نے اپنا ''جاپ'' روک کر کہا

''جے شری رام''

رکشہ والے نے جے کارہ لگایا اور چل دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ جل گاؤں کے ''رام مندر'' کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ شاید اس شہر کا سب سے بڑا مندر تھا کیونکہ دور ہی سے اُس کی موجودگی کے آثار یہاں کے لاؤڈ سپیکروں سے نشر ہونے والی کیرتن کی آوازوں سے ملنے لگے تھے۔

صبح کا اجالا پھوٹ رہا تھا جب وہ مندر کے سامنے پہنچے۔ نعمان نے رکشہ والے کو اس کا روپے دیکر فارغ کیا جو اُس نے بادل نخواستہ ہی قبول کیے تھے کیونکہ ''ایودھیا'' کے رام مندر آنے والے رام کے اس بھگت سے پیسے لینا وہ مناسب نہیں سمجھتا تھا اور نعمان اس بے چارے کے ساتھ بدترین حالات میں بھی کسی زیادتی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے زیرِ زمین بوس ہوتے ہوئے نعمان کے دونوں گھٹنوں کو چھو کر اُس سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ راستے میں وہ نعمان کو صرف یہ بتاتا آیا تھا کہ راشٹریہ سیوک سنگھ کا اُس سے بڑا ''سیوک'' کوئی سارے مہاراشٹر میں ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔ اُس نے رام جی کی سوگند کھا کر کہا تھا کہ وہ رام مندر کی تعمیر کے لئے اپنی جان دے دے گا اور جب بھی ''سنگھ'' کی طرف سے اُسے بلایا گیا ضرور وہاں پہنچے گا۔

نعمان نے اُسے ایودھیا میں آنے اور اپنے ہاں قیام کرنے کی دعوت دی تھی اور اپنے ''بھٹ'' کا پتہ بھی سمجھا دیا تھا۔

مندر کے باہر ہی شاید یہاں کا کوئی جاننے والا سیوادار اُسے مل گیا تھا جس کے

سامنے رکشہ والے نے نعمان کی اچھی خاصی تعریف کرتے ہوئے اُسے کہا تھا کہ پنڈت جی مہاراج کی سیوا میں کوئی کمی نہ رہے۔

اس سے نعمان کا بڑا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ اُس نے سیوادار کو بھی یہی بتایا تھا کہ وہ ایودھیا کا پنڈت ہے۔ مندر کے پجاری نے اُسے اپنے کمرے میں براجمان ہونے کی بنتی کی تھی جو نعمان نے خوش دلی سے قبول کر لی۔

پجاری اور اُس کے تین چار مشٹنڈے ساتھی جو سب کے سب آر ایس ایس کے غنڈے دکھائی دے رہے تھے اس سے ایودھیا کے تازہ حالات جاننے کے لئے بے چین تھے۔ نعمان نے انہیں خوب مرچ مصالحے لگا کر تازہ حالات کی جانکاری دی اور بتایا کہ رام مندر بن کر رہے گا اور بہت جلد سرکار بھی اُن کے سامین گھٹنے ٹیک دے گی۔ سب نے مل کر سرکار کو گالیوں سے نوازا اور پنڈت جی مہاراجہ کو ''وشرام'' (آرام) کروانے کے لئے آشرم کے وی آئی پی کمرے کے دروازے کھول دیئے۔

وشرام سے پہلے انہوں نے نعمان کو بھوجن کروا دیا تھا۔ صبح صبح تازہ پوڑیاں اور حلوہ کھانے سے نعمان کی آنکھوں میں نیند ہلکورے لینے لگی تھی۔ کمرے میں گھستے ہی اُس نے دروازے کو کنڈی لگائی اور لمبی تان کر سو رہا۔ پجاری اور انتظامیہ کو اُس نے بتا دیا تھا کہ وہ لمبا سفر کر کے آیا ہے اور دو راتوں سے سو نہیں سکا اس لئے کسی نے اُسے دوپہر تک ڈسٹرب نہ کیا۔

دوپہر کے بعد اُس نے اشنان کیا اور پجاری کے کمرے میں پہنچ گیا جہاں ''بھوجن'' پر آر ایس ایس کے مقامی بلوائی اُس کے منتظر تھے۔ پجاری نے انہیں اطلاع کر دی تھی کہ ایودھیا سے بڑی مہان شکتی والے پنڈت برج موہن جی اُن کے ہاں براجے ہیں۔

نعمان نے انہیں اپنا یہی نام بتایا تھا۔

آر ایس ایس کے غنڈوں کو اپنے استقبال کے لئے یہاں موجود پا کر ایک لمحے

کے لئے تو اُس کے دل میں شدید نفرت کے جذبات پیدا ہوئے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ نارمل ہو گیا۔ اُسے ابھی ایسی کئی مشکل صورتحال سے گزرنا تھا۔

پانچوں غنڈوں نے ''پنڈت جی مہاراج'' کہتے ہوئے اُس کے چرن چھوئے اور اُس کے سامنے ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئے۔ پنڈت برج موہن کے لئے انہوں نے خصوصی بھوجن بنوایا تھا۔ دیسی گھی کے تڑکے والی دال اور سبزی کے علاوہ بطور خاص کڑاہ پرشاد اُس کے سامنے دھرا تھا۔ اتنے دنوں بعد اتنے مقوی کھانے سے نعمان کو اپنی توانائیاں بحال ہونے کا احساس بھی ہو رہا تھا۔

اس کے لئے ہندی زبان کے خصوصی کورس اور اُس کی ہندو دھرم سے متعلق جانکاری آج بھرپور انداز میں کام آ رہی تھی۔

پجاری جی نے اُن کے سامنے کھانا پروسا اور آر ایس ایس والوں نے کرید کرید کر اُس سے ایودھیا کے حالات جاننا چاہے..... نعمان کو ان لوگوں کی مسلمانوں سے نفرت کا جو اندازہ تھا اُس نے تمام جوابات اُن کی توقعات کے عین مطابق دے کر اُن سب کو بڑا خوش کر دیا تھا اور اب وہ سب اُسے دیوتا کے سمان جاننے لگے تھے۔ انہوں نے لیڈر چانکیہ نما دار نے نعمان کو رات کو اپنے گھر ہونے والے ''ہون'' میں شمولیت کے لئے بنتی (درخواست) کی تھی جو نعمان نے بادل نخواستہ قبول کر لی کیونکہ وہ اس مرحلے پر اُن لوگوں کا اپنے تئیں معمولی شک بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ابتدائی مراحل میں وہ کسی بھی نئے بندے کو دعوت دینے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

آر ایس ایس والے تھوڑی دیر بعد پجاری جی سے پنڈت جی مہاراج کو ''ہون'' میں لانے کا وعدہ لے کر واپس چلے گئے اور نعمان دوبارہ پجاری جی کے سوالات کی زد میں آ گیا۔ پجاری جی شاید کسی چھوٹی جاتی کے پجاری تھے انہوں نے براہمن پنڈت اور وہ بھی ایودھیا کے پنڈت کو اپنے ہاں موجود پا کر اُن کی سیوا کا اتنا زیادہ اہتمام کر دیا تھا کہ اب نعمان کو خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اگر وہ یہاں اور کچھ دن ٹھہر گیا تو ضرور پکڑا جائے گا۔

اس کے پروگرام میں تو آج رات کو ہی یہاں سے نکل کر اُتر پردیش کی طرف عازم سفر ہونا شامل تھا لیکن فی الوقت وہ یہاں سے بھاگ کر اپنے لئے کوئی نئی مصیبت کھڑی نہیں کر سکتا تھا۔

اُس نے دہلی میں اس سے پہلے صرف ایک مرتبہ ہائی کمیشن میں ملازمت کرنے والے ایک ہندو کلرک کے گھر ''ہون'' میں شرکت کی تھی اور اب زندگی میں دوسری مرتبہ ایسا کرنے جا رہا تھا۔

نعمان کو اعتماد تھا کہ ان لوگوں کو خود پر شک کرنے کا موقعہ نہیں دے گا۔ شاید اُس نے آج کے لئے ہی ہندی کے خصوصی کورس کئے تھے۔ رامائن اور گیتا کے کئی اشلوک اُسے ازبر تھے جو اُس نے ابھی سے دل ہی دل میں دہرانے شروع کر دیئے تھے۔

پجاری جی نے اپنی موجودگی میں اُسے جل گاتری کے ''رام مندر'' میں بھگوان کے درشن کروائے اور انہیں شہر ساتھ جانے کی دعوت دی جو نعمان نے قبول کرنے سے معذرت کی کیونکہ اُس نے رامائن کا پاٹھ کرنا تھا۔ پجاری جی کا دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن انہوں نے نعمان کو کچھ سمے کے لئے اکیلا چھوڑ دیا۔

یہ سارا ''سمے'' اُس نے اپنے کمرے میں اخبارات کے مطالعے میں گزارا۔ یہ اخبار اُسے پجاری جی کے کمرے سے ملے تھے جنہیں وہ یہاں لے آیا تھا۔ اخبارات نے جہاز کے اغوا کی خبر بڑے سنسنی خیز انداز میں شائع کی تھی لیکن ابھی تک اُس نے کسی اخبار میں اپنے فرار کا اشتہار نہیں دیکھا تھا جس سے اُسے اندازہ ہو سکتا تھا کہ ''را'' کے اُس کے متعلق کیا عزائم ہیں۔

اخبارات نے اپنے بہادر سنکیوں کی بڑھ چڑھ کر تعریفیں کی تھیں جنہوں نے پاکستان کی دہشت گرد تنظیم کے ہاتھوں اغوا ہونے والے اس جہاز کو نہ صرف ہائی جیکروں سے نجات دلائی بلکہ بڑی بہادری سے ''ہائی جیکروں'' کو بھی مار ڈالا۔ اخبارات نے ہائی جیکروں کے ''پاکستانی شناختی کارڈز'' بھی شائع کئے تھے اور کسی نے یہ سوال اٹھانے کا

تکلف بھی نہیں کیا تھا کہ دنیا کے ایسے کون سے گدھے ہائی جیکر ہیں جو اپنے شناختی کارڈ اپنی جیبوں میں ڈال کر جہاز اغوا کرتے ہیں؟

☆☆☆

شام کی پوجا کے بعد جب وہ پجاری جی کی معیت میں چانکیہ پرشاد کے گھر پہنچا تو وہاں پروگرام شروع ہو چکا تھا۔

چانکیہ پرشاد کی ماتا جی عورتوں کے ہجوم میں ''ہون کنڈ'' کے پاس خاصی نمایاں دکھائی دے رہی تھیں۔ عورتوں کے ہجوم کے درمیان ایک پنڈت جی بیٹھے منتر آلاپ رہے تھے اور اُن کے سامنے ایک لمبی دیوار چانکیہ پرشاد کے خاندان کے تمام سورگباش چوکھٹوں میں لٹکے ہوئے تھے جن کی تصاویر کے چوکھٹوں پر تازہ گیندے کے پھول چڑھائے گئے تھے۔ ایک طرف الماری نما طاق پر دیوی دیوتاؤں کے چھوٹے چھوٹے پیتل اور کانسی کے مجسمے سجائے گئے تھے۔

تمام دیوی دیوتاؤں کے سامنے پیتل کی چھوٹی چھوٹی کٹوریوں میں مٹھائی اور حلوے کا پرشاد موجود تھا۔ یہاں موجود تمام عورتیں اور مرد بڑے خشوع و خضوع سے پنڈت کے ساتھ ساتھ مختلف منتر الاپنے میں مصروف تھے۔ اُن کی آمد پر سب چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

شاید چانکیہ پرشاد نے اُس کا غائبانہ تعارف کروا دیا تھا اور لوگ پہلے ہی سے ''ایودھیا'' سے آئی اس مہمان ہستی کے دیدار کو بیتاب ہوئے جاتے تھے۔

سب سے پہلے چانکیہ پرشاد نے آگے بڑھ کر اُس کے چرن چھوئے جس کے بعد خواتین ایک دوسرے کو دھکے دے کر اُس کے قدموں کو چھونے لگیں۔ تین چار عورتوں نے تو اُس کے سامنے باقاعدہ ''ڈنڈوت'' (سجدہ کرنا) بھی کیا تھا۔

نعمان ذہنی طور پر اس صورتحال کا سامنے کرنے کے لئے پہلے سے اگر تیار نہ ہوتا تو اُسے خاصی مشکلات پیش آ سکتی تھیں۔ اُس نے دل ہی دل میں توبہ استغفار کا ورد کرتے

ہوئے اپنے چرن چھونے والوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں آشیرواد دیا اور مزید الجھن سے بچنے کے لئے پہلے سے منترالاپتے پجاری کے نزدیک ''ہون کھنڈ'' کے پاس بیٹھ گیا۔

پجاری نے اُس کے نزدیک آنے پر اُس کے چرن چھو کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور سمگری کا تھال اٹھا کر اُس کی طرف بڑھایا۔ نعمان نے چٹکی بھر سمگری لی اور ''ہون کھنڈ'' پر پھینک دی۔ سمگری کے خوشبودار دھوئیں کا بھبھوکا اُس کی ناک کے راستے دماغ میں گھس گیا۔ نعمان نے بمشکل چھینک روکی۔ زور سے ''سواہا'' کا نعرہ لگایا اور تھالی آگے بڑھادی۔

اُس کے ہاتھ سے نکل کر سمگری کی اس تھالی سے عورتوں نے لپک لپک کر سمگری کی چنوٹیاں بھریں اور ''سواہا'' کا جاپ کرتے ہوئے ہون پر پھینکنے لگیں۔ سارا کمرہ خوشبودار دھوئیں سے بھر گیا۔ نعمان نے پجاری کے منتروں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے انداز سے آوازیں ملا کر الاپ شروع کیا کہ کوئی اندازہ نہ لگا پایا۔ تمام حاضرین یہی سمجھ رہے تھے کہ پنڈت برج موہن کو تمام منتر زبانی یاد ہیں۔

اس اذیت ناک پوجا کے اختتامی لمحات میں ایک خوبصورت سانولی سی کنیا گیندے کے پھولوں کی کیسری پتیوں سے بھری ایک خوبصورت چنگیر لے کر کمرے میں داخل ہوئی اور وہاں موجود تمام مہلاؤں میں مٹھی بھر بھر کر پتیاں تقسیم کرنے لگی۔ یہ سارا گورکھ دھندا چانکیہ پرشاد کے ہاں تیسرا بچہ ہونے کی خوشی میں پھیلایا گیا تھا۔

چانکیہ پرشاد نے اپنی پتنی کو پنڈت برج موہن جی مہاراج کے سامنے پیش کر دیا جو گود میں بچہ اٹھائے اُس کے چرن چھونے کے بعد اب بچے کو اُس کے قدموں میں لٹا رہی تھی۔ نعمان نے بچے کو اٹھایا اُس کا ماتھا چوما اور اُس کی ماں کو آشیرواد دیا جو بچے کو گود میں لئے اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔ یہ اُس کا ''سوبھاگیہ'' (خوش قسمتی) تھا کہ ایودھیا سے آئے پنڈت جی نے اُن کے ہاں ''ہون کھنڈ'' میں شمولیت کی تھی۔

عورتوں نے اپنی مٹھیوں میں دبائی گیندے کی پتیاں ماں بیٹے پر ڈالنی شروع کر دی تھیں۔ چاروں طرف گیندے کی پتیاں بکھری پڑی تھیں۔ منترالاپنے والے پجاری نے

ماں اور پتر کو ''سوبھاگیہ'' ہونے کا آشیرواد دیا جس کے بعد چانکیہ پرشاد کی بنتی پر نعمان نے بھی یہی عمل دہرایا جس پر عورتوں اور مردوں نے مل کر ''شری رام جی کی جے'' کے نعرے لگا کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

اس کے بعد بھجن گانے والوں کی باری آئی جنہوں نے ڈھول تاشے بجا بجا کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے خوب پیسے سمیٹے اور رات گئے یہ محفل جب اپنے اختتام کو پہنچی تو نعمان نے خدا کا شکر ادا کیا۔

چانکیہ پرشاد کے گھر والوں نے اُن کے لئے خصوصی بھوجن تیار کر رکھا تھا جسے کھانے کی ہمت اب اُس میں نہیں تھی لیکن اُس نے دل بڑا کر کے دو چار پھلکے اور کچھ کھچڑی زہر مار کر ہی لی۔

چانکیہ پرشاد اپنی گاڑی میں اُسے رام مندر تک چھوڑنے آیا تھا۔ واپسی پر اُس نے نعمان سے بار بار یہی التجا کی تھی کہ وہ جب کبھی جل گاؤں آئے اُن کے ہاں آنے کا ''کشٹ'' ضرور کرے۔ نعمان نے نہ صرف بڑی خوش دلی سے اُس کی یہ التجا مان لی تھی بلکہ اُسے بھی ایودھیا آ کر اپنا مہمان بننے کی دعوت دی تھی۔ رکشہ والا کو اپنا بتایا ہوا ایڈریس اُس نے چانکیہ پرشاد کو بھی دے دیا تھا۔

یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ماضی قریب میں ایودھیا کا دورہ کر چکا تھا اور وہاں کے حالات کی مکمل خبر رکھتا تھا ورنہ جس شدت سے اُس سے ایودھیا سے متعلق سوالات کئے جا رہے تھے نعمان کے لئے اُن کے جوابات دینے ممکن نہ رہتے۔

پجاری کی معیت میں وہ اپنے کمرے تک آیا جہاں پجاری رات دیر گئے تک اُس کی سیوا میں جتا رہا۔ اُس نے پجاری سے کہہ دیا تھا کہ وہ کل صبح چلا جائے گا۔ پجاری نے اُس کی اگلی منزل دریافت کی تھی۔ نعمان کا پروگرام تو کچھ اور تھا لیکن اُس نے اپنے ان عقیدت مندوں سے جان چھڑانے کے لئے اپنی اگلی منزل ''کھانڈوا'' بتائی۔ کھانڈوا مدھیہ پردیش کے سرحد پار کرنے کے بعد اُتر پردیش کا پہلا شہر تھا جو اپنے ''مائی کا لکا'' مندر کی وجہ

سے خصوصی شہرت رکھتا تھا۔اس وجہ شہرت کا علم بھی نعمان کو یہاں موجود لوگوں سے باتیں سننے کے بعد ہی ہوا تھا۔

اور..... اُس نے فی الوقت اسے ہی اپنی اگلی منزل بتا کر ان لوگوں سے جان چھڑانے کی ٹھانی تھی۔

.....☆.....

میز کے گرد وہ بدروحوں کی طرح بیٹھے تھے۔ چاروں ایک دوسرے کو ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے بس چلنے پر ایک دوسرے کی جان لے لیں گے۔ اشیش کمار کے دونوں ہم مرتبہ تھے البتہ تیسرا ڈی جی آپریشن تھا جو ان سب پر بھاری پڑ رہا تھا۔

ڈی جی آپریشن آدھے گھنٹے سے تینوں کی بک بک سن رہا تھا اور اب اُسے باقاعدہ فرسٹریشن ہونے لگی تھی کیونکہ وہ ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا کر خود کو بری الذمہ قرار دینے کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔

بالآخر اُس کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا۔

''ڈیم اِٹ''

اس نے مکہ میز پر مار کر انہیں مخاطب کیا..... کیونکہ تینوں اس طرح ایک دوسرے پر الزامات کی بوچھاڑ کر رہے تھے جیسے اُن کے علاوہ یہاں اور کوئی موجود نہیں۔

''سر''

اشیش کمار چونکا۔

''میرا خیال ہے یہاں آپ تینوں کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے''۔

اُس نے اپنا غصہ بمشکل ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''سوری سر''

تینوں نے باری باری معذرت کی۔

''آپ سینئر لوگ ہیں اور کیا بچوں کی طرح لڑ رہے ہیں..... ہم یہاں ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرانے یا اپنی اپنی صفائی دینے کے لئے اکٹھے نہیں ہوئے..... سمجھے آپ''۔

اُس نے قریباً چیختے ہوئے کہا۔

''سوری سر! سوری سر!''

اشیش کمار کم از کم ڈی جی آپریشن کی ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

''سر! میری گزارشات پلیز سن لیں''

ڈپٹی ڈائریکٹر ماتھر نے کچھ کہنا چاہا۔

''نو..... بہت کچھ سن لیا میں نے..... اب آپ لوگ میری بات غور سے سنیں''۔

اُس نے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

اشیش کمار زیرِ لب مسکرایا..... ماتھر کو ڈانٹ پڑنے پر وہ خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

''مسٹر اشیش کمار!''

ڈی جی نے اپنا رُخ اشیش کمار کی طرف کیا تو ماتھر کی خوامخواہ بتیسی باہر آ گئی۔

''سر.....''

اشیش کمار نے دل ہی دل میں ماتھر کو بڑی سے گالی دے کر بظاہر ڈی جی کو ہمہ تن گوش ہونے کا احساس دلایا۔

''میں اس آپریشن کا مکمل خاتمہ چاہتا ہوں۔ Total wash''

اُس نے انٹیلی جنس کی مخصوص اصطلاح استعمال کرتے ہوئے کہا۔

''تعمیل ہوگی سر''

بھاٹیہ نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''اور اس مرتبہ یہ کمان آپ کریں گے مسٹر ماتھر''۔

اُس نے ماتھر کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور اشیش کمار کو یوں لگا جیسے یہ انگلی سیدھی اُس کے کلیجے میں اُتر گئی ہو۔

ماتھر کے لئے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا..... اُس کے لئے اس آپریشن کی کمان اتنی اہم نہیں تھی جتنی یہ بات کہ ڈی جی نے اُسے اشیش کمار پر اہمیت دی ہے۔

''یس سر''

ماتھر اپنی جگہ سے تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ماتھر صاحب پلیز ابھی بیٹھئے''۔

اشیش کمار نے کچھ اس انداز سے کہا کہ ڈی جی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

تھوڑی دیر بعد وہ رخصت ہو رہے تھے۔

یہ ٹاپ سیکرٹ میٹنگ ڈی جی نے بلائی تھی جس کا مقصد ہر اُس نشان کو مٹانا تھا جس کے ذریعے پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسی اُن کے اس منصوبے تک پہنچے۔ وہ لوگ کوئی ایسا نشان باقی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے جہاں سے اُن کے سری لنکا ائرلائن کا جہاز اپنے بندوں کے ذریعے ہائی جیک کروانے کے ثبوت مل سکیں۔ ماتھر وہیں سے سیدھا ائرپورٹ گیا تھا جہاں ایک خصوصی پرواز کھٹمنڈو جا رہی تھی اور اُس کے لئے اس میں پہلے سے سیٹ ریزرو کروائی جا چکی تھی۔

☆☆☆

کرنل حامد کے جہاز کی لینڈنگ سے بمشکل ایک گھنٹہ پہلے ائرانڈیا کی یہ فلائٹ

کھٹمنڈو ائرپورٹ پر اتری تھی۔ چونکہ یہ شیڈول سے ہٹ کر تھی اس لئے مقامی عملے کو اسے ہینڈل کرنے کے لئے خاصا تردد کرنا پڑا۔ ائرپورٹ اتنا بڑا نہیں تھا یہاں محدود فلائٹ آپریشن ہوتے تھے۔

اے ٹی سی کو نیپال کی وزارت دفاع کی طرف سے بمشکل دو گھنٹے پہلے یہ اطلاع دی گئی تھی کہ ایک انڈین ڈیلی گیشن کھٹمنڈو آ رہا ہے..... انہیں ہنگامی انتظامات کرنے پڑے تھے وہ تو خیریت گزری کہ فار ایسٹ کی ایک فلائٹ کسی وجہ سے کینسل ہو گئی تھی اور انہوں نے ائرانڈیا کو اُس کے کھاتے میں ڈال دیا ورنہ اضافی بندوبست دو گھنٹے میں ممکن نہیں تھے۔

کرنل حامد معمول کی پرواز سے آئے تھے۔ پاکستانی ایمبیسی کی ایک کار انہیں لے آئی تھی۔ اس کار کی ایمبیسی سے روانگی کرنل حامد کا اس میں سوار ہونا اور اُس کا منزل تک پہنچنا ایک ایک پل کی مانیٹرنگ ''را'' کر رہی تھی۔

گذشتہ دنوں نیپال سے ایک جہاز ہائی جیک ہونے کے بعد انہوں نے کمزور نیپالی حکومت کو بلیک میل کر کے یہاں ایسے مراعات حاصل کر لی تھیں جن کے بعد اُن کا دندناتے پھرنا بہرصورت ممکن تھا۔ بھارتی حکومت نے سری لنکا ائرلائن کی فلائٹ کے ہائی جیک ہونے کی ذمہ داری بھی نیپالی حکومت کے کھاتے میں ڈال کر انہیں اچھی خاصی ڈانٹ پلائی تھی جبکہ نیپال کی وزارت دفاع نے ہر طرح اس بات کی تسلی کر لی تھی کہ اس فلائٹ کے ہائی جیک ہونے میں نہ تو نیپال کی انتظامیہ کی کوتاہی شامل ہے اور نہ ہی اس میں دور دور تک آئی ایس آئی ملوث ہے۔ بھارت کے متعلق وہ کھل کر کچھ کہہ نہیں سکتے تھے لیکن یہ بات وہ جان گئے تھے کہ جہاز کے اغوا کی جعلی کارروائی بھارتی ایجنسی ہی کا کارنامہ ہے۔

اس سلسلے میں نیپالی انٹیلی جنس کی طرف سے جو رپورٹ وزارت خارجہ کو دی گئی تھی اُسے بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر دبا دیا گیا۔

نیپالیوں کے لئے یہ امر باعث تشویش تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے کھٹمنڈو کو محض اپنی انا کے لئے میدان جنگ بنا رکھا ہے۔ وہ یہاں پاکستانی سفارت کاروں

اور پاکستانی مفادات کے خلاف سرگرم عمل رہتے تھے اور جب پانی سر سے گزرنے لگتا تو بادل نخواستہ پاکستانی ایجنسی کو بھی جوابی کارروائی کرنا پڑتی لیکن آج تک پاکستانیوں کی طرف سے نہ تو نیپال کے لاء اینڈ آرڈر کو چیلنج کیا گیا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی کارروائی کی گئی تھی جس سے نیپالی حکومت اُن کے خلاف نوٹس لے۔

☆☆☆

کھٹمنڈو کے سٹیشن کمانڈر اشوک کو یہ اطلاع تو مل گئی تھی کہ اسلام آباد سے کوئی مہمان پاکستانی ایمبیسی آیا ہے لیکن وہ کون ہے؟

اس سوال کا جواب انہیں ابھی نہیں ملا تھا۔ پی آئی اے کی فلائٹ سے آنے والے اس مسافر کی شناخت ایک عام مسافر کی حیثیت ہی سے کی جا سکتی تھی کیونکہ جو پسنجر سٹ یہاں موجود تھی اُس میں کسی سفارت کار کا ذکر نہیں تھا۔

''بہت چالاک لوگ ہیں''۔

اشوک کمار نے سگریٹ کا لمبا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے ماتھر سے کہا جو تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں پہنچا تھا۔ ماتھر یہاں خود ''آپریشن کلین اپ'' کی نگرانی کرنے آیا تھا۔ اُسے عرصہ بعد آشیش کمار کے خلاف کارکردگی دکھانے کا موقعہ ملا تھا جسے وہ ضائع کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

مقامی سٹیشن کمانڈر ''را'' اشوک کی طرف سے وہ پوری طرح مطمئن تھا۔ اشوک نے انہیں ہمیشہ بہترین رزلٹ دیئے تھے اور اُس کی اطلاع یہی تھی کہ نعمان کے غائب ہونے کے بعد سے ابھی تک پاکستانیوں کی طرف سے کوئی خاص کارروائی دیکھنے کو نہیں مل رہی۔ لیکن..... ماتھر کے لئے اس بیان پر یقین کرنا ممکن نہیں تھا۔

وہ گذشتہ بائیس سال سے پاکستانی ڈیسک سے مختلف حیثیتوں میں وابستہ رہا تھا اور یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ یہ لوگ کہیں اُدھار رکھنے کے قائل نہیں رہے۔ حالات خواہ کیسے کیوں نہ رہے ہوں اُنکی طرف سے جارحیت تو نہیں ہوتی تھی لیکن بھارتی جارحیت کا وہ

بھرپور جواب ضرور دیتے تھے۔ اس عمل میں تاخیر تو ممکن تھی لیکن یہ بات ممکن نہیں تھی کہ پاکستانی اپنے انتہائی اہم انٹیلی جنس آفیسر نعمان کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی اور پاکستانی مفادات پر ہونے والے اس اوچھے حملے کا جواب نہ دے۔

''ضرور یہ لوگ ایکٹو ہوں گے اشوک''۔

اُس نے نادیدہ خطرے کا احساس کرتے ہوئے کہا۔

''Obviously سر!''.....(ضرور جناب)

اشوک نے مختصر جواب دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ماتھر سے بحث کا دروازہ کھولے کیونکہ ماتھر اُس کا پرسنل باس بھی تھا اور آجکل اُس کی فائل بھی ماتھر ہی کے میز پر پڑی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی دونوں کھٹمنڈو ائرپورٹ کے مسافروں کی آمد والے لاؤنج میں لگے سیکورٹی کیمرے سے لی گئی فلم دیکھ رہے تھے جو نیپال اور بھارت کے درمیان سفارتی غنڈہ گردی کے ذریعے طے پانے والے معاہدے کے تحت نیپال انتظامیہ نے انہیں فراہم کی تھی۔

یہ پی آئی اے کی فلائٹ سے آنے والے مسافروں کی فلم تھی۔ اس فلائٹ سے اڑتیس پاکستانی کھٹمنڈو آئے تھے جبکہ غیر ملکیوں کی تعداد اُن سے زیادہ تھی گو کہ کیمرے نے تمام مسافروں کی آمد کو ریکارڈ کیا تھا لیکن ان میں سے پاکستانیوں اور غیر پاکستانیوں کی الگ الگ شناخت ممکن نہیں تھی۔ اُن کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ یہ فلم اپنے ہیڈ کوارٹر بھیج کر وہاں سے رپورٹ حاصل کرتے اس میں بھی تین چار دن ضرور لگ جاتے۔ صرف ایک امید تھی کہ ماتھر طویل عرصہ سے پاکستانی ڈیسک سے وابستہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کی انٹیلی جنس کمیونٹی کے بیشتر ممبرز کو شناخت کر سکتا ہے۔ ماتھر نے اب تک دس بارہ مرتبہ فلم چلتے چلتے روک کر بعض مسافروں کی تصاویر نمایاں کر کے بھی دیکھی تھیں لیکن اُسے کامیابی نہیں ملی تھی۔

بالآخر اُس نے فلم روک دی۔

''ٹھیک ہے.....دے دو''۔

اُس نے اشوک سے کہا اور اشوک نے وہ فلم شکریہ کے ساتھ نیپالی سیکورٹی کے ں افسر کو دے دی جو اُن کی ''درخواست'' پر یہ دکھانے کے لئے لایا تھا۔ فلم نیپالی سیکورٹی نس میں محفوظ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ماتھر سے بریفنگ لے رہا تھا۔ اُس نے ماتھر کو یہاں موجود پنے اہم ایجنٹوں اور ان کے کام کی نوعیت سے تفصیلاً آگاہ کر دیا تھا اور اب اگلے احکامات کا ظر تھا۔

''یہ شاہد میاں والی ٹریول ایجنسی میں ہوتی ہے ناں سمانتھا.....''

ماتھر نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

''یس سر''

اشوک چونکا۔

''ٹریول ایجنسی تبدیل کر لو''۔

ماتھر نے ہدایت کی۔

''لیکن سر پاکستانی ایمبیسی والے اسی سے ٹکٹیں بنواتے ہیں''۔

اشوک نے اپنی دانست میں اُسے بڑی اہم اطلاع دی تھی۔

''اب نہیں بنوائیں گے.....بڑے سمارٹ لوگ ہیں۔ انہیں اب تک علم ہو گیا ہو گا کہ تم لوگ کہاں کہاں دسترس رکھتے ہو''۔

ماتھر نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''یس سر.....''

اشوک کے لئے اُس کی کسی بات کا ''ناں'' میں جواب دینا ممکن نہیں تھا حالانکہ وہ انتھا سے الگ ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ سمانتھا ایسی نمکین اور گرم لڑکی اُسے زندگی میں دوبارہ ملنے کب ملتی۔

''اور ہاں''..... ماتھر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔''ان دونوں کو ختم کر دو''۔

اُس کے آخری فقرے نے اشوک کے اعصاب پر بم پھینک دیا..... وہ وضاحت طلب نظروں سے ماتھر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''سانتھا اور شاہد میاں..... دونوں کو۔ میں کوئی کلو نہیں چھوڑنا چاہتا ان لوگوں کے لئے۔ اُس نے الفاظ چباتے ہوئے اشوک کی طرف دیکھا۔

''رائیٹ سر''

اشوک نے کندھے اچکاتے ہوئے دراصل خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔

''مجھے علم ہے اس لڑکی نے بہت کام کیا ہے ہمارے لئے..... آئی ایم سوری..... تم تو جانتے ہو It's dam business..... یہ بڑا خطرناک کھیل ہے مسٹر اشوک'' ماتھر کسی حد تک اشوک کی اندرونی کیفیات کو سمجھ رہا تھا۔

''رزلٹ کب چاہئے سر؟''

اشوک نے پیشہ ورانہ انداز اپنایا۔ وہ اس مرحلے پر کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''جتنی جلدی ممکن ہو..... کل ہی۔ کل رات سے پہلے مار ڈالو ان دونوں کو..... میں صبح میں فلائٹ سے واپس جا رہا ہوں..... میری واپسی کے بعد تم جاب (job) ختم کر لینا.....''

ماتھر نے فیصلہ کن لہجے میں اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''او کے سر''

اشوک اب نارمل تھا۔

''میں چلتا ہوں.....''

ماتھر کھڑا ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ انڈین ایمبیسی کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆

سانتھا معمول کے مطابق اپنے فلیٹ پر تھکی ہاری پہنچی تھی۔ اُسے ہمیشہ دیر ہو جاتی تھی۔ کبھی کام کی زیادتی کی وجہ سے اور کبھی اپنی سوشل مصروفیات کی وجہ سے..... جس بلڈنگ میں وہ رہتی تھی یہاں کے مکینوں کو کبھی اس بات سے غرض نہیں رہی تھی کہ وہ کب آتی ہے کب جاتی ہے۔ یہاں زیادہ تر ملازمت پیشہ لوگ رہتے تھے جو اپنے اپنے مسائل میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے کہ ایک دوسرے کے متعلق کچھ جاننے کی مہلت ہی انہیں نہیں ملتی تھی۔

ٹیکسی والے نے اُسے بلڈنگ کے سامنے اتار دیا تھا اور وہ اب سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی۔ جب سے سری لنکا ائرلائن ہائی جیک ہوئی تھی گو کہ سانتھا سے کسی نے کچھ دریافت نہیں کیا تھا لیکن ایک بے نام سا خوف مستقل اُس کے دل و دماغ پر ڈیرے جما چکا تھا۔ وہ اس کھیل کی پرانی کھلاڑی تھی۔

پانچ سال سے وہ ''را'' کیلئے کام کر رہی تھی اور اُسے اچھی طرح اس بات کی سمجھ آ گئی تھی کہ پاکستانی سفارت کار کے لئے ''را'' نے بطور خاص اس کے ذریعے اس ہائی جیک ہونے والی فلائٹ کا ٹکٹ کیوں بنوایا تھا۔ ابھی تک پاکستانی ایمبیسی والوں نے اُس سے کچھ نہیں پوچھا تھا صرف پہلے دن نیپالی انٹیلی جنس کے کچھ لوگ اُن کے آفس آ کر ان کا ریکارڈ چیک کر گئے تھے۔ انہوں نے نعمان کے ٹکٹ سے متعلق تمام اطلاعات محفوظ کر لی تھیں اور سانتھا پر کوئی شک ظاہر نہیں کیا تھا۔ شاہد میاں سے تو انہوں نے کچھ خاص سوالات بھی نہیں کئے تھے صرف معمول کی باتیں دریافت کی تھیں کہ وہ کتنے عرصے سے پاکستانی ایمبیسی کے لوگوں کے لئے ٹریول ایجنٹ کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ انہیں اس بات کا تو پہلے ہی سے علم تھا کہ کھٹمنڈو کی زیادہ تر غیر ملکی سفارت خانے شاہد میاں ہی کے گاہک ہیں۔ اُن کے لئے کے یہاں بمشکل دو تین اور ٹریول ایجنٹ تھے باقی تو سب ٹریول ایجنسیوں والے مختلف ائرلائنوں کے سب ایجنٹ کے طور پر ہی کام کر رہے تھے۔

نیپالی انٹیلی جنس والے چلے گئے لیکن سانتھا مطمئن نہیں تھی۔

اُسے بار بار کوئی نادیدہ طاقت اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ وہ ایجنسیوں کی چیک لسٹ پر موجود ہے۔ گذشتہ دو دنوں سے تو اُسے کبھی کبھی اچانک یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اُس کا تعاقب کر رہا ہو۔

اُس نے اپنے طور پر تعاقب کرنے والے کو دیکھنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔

کبھی کبھی اُسے خود پر غصہ بھی آتا..... لیکن پھر وہ خود ہی یہ سوچ کر مطمئن ہونے کی کوشش کرتی کہ یہ اُس کا وہم بھی ہو سکتا ہے۔

جہاز ہائی جیک ہونے کے بعد سے آج تک حیرت انگیز طور پر اشوک نے اُس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ اُس نے گذشتہ چار پانچ روز سے اُسے فون کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی حالانکہ اب سانتھا اُس کی جسمانی ضرورت بنتی جا رہی تھی۔ دونوں عموماً ویک اینڈ اکٹھے ہی گزارتے تھے۔

سانتھا نے خود کبھی اس سے فون پر رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی گو کہ اس کے پاس اشوک کے رابطہ نمبر موجود تھے لیکن جہاز ہائی جیک ہونے کے بعد سے تو اُس نے بطور خاص یہ احتیاط کی تھی کہ کسی بھی دوست کو خود فون نہ کرے۔ بزنس کال اُس کی مجبوری اور نوکری کا حصہ تھا اس سے وہ الگ نہیں رہ سکتی تھی۔

آج بھی جب وہ ٹیکسی میں اپنے آفس سے اس طرف آ رہی تھی تو اُسے نجانے کیوں ایسا لگ رہا تھا کہ اُس کی ٹیکسی کے آگے پیچھے چلتی کاروں میں سے کسی ایک کار کے ذریعے اس پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ اُس نے احتیاطاً بلڈنگ سے قریباً ایک فرلانگ دور ہی ٹیکسی والے کو فارغ کر دیا۔ اگر کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا تو ضرور وہ اُس کے پیچھے پیدل آئے گا اور سانتھا اُسے دیکھ لے گی۔

یہی تھی اُس کی سوچ اور منصوبہ بندی.....!!

اچانک بادل اتنی زور سے گرجا کہ سانتھا گرتے گرتے بچی۔ یہاں آجکل موسم کے تیور بڑی تیزی سے بدل رہے تھے۔ اچانک ہی بادل آتے، بجلی کڑکتی اور چھاجوں مینہ برسنے لگتا۔

سرد اور گیلی ہوا کا تھپیڑا اُس کے منہ پر لگا تو اُسے احساس ہوا کہ بارش بھی زور پکڑنے والی ہے۔

سانتھا نے اپنا چھاتہ بان لیا اور پھونک پھونک کر قدم دھرتی اپنے فلیٹ کی طرف چل دی۔ بلڈنگ کی سیڑھیوں تک پہنچنے سے پہلے اُس نے تین چار مرتبہ رُک کر اطراف کا محتاط جائزہ لیا تھا شاید اس طرح اُسے تعاقب کرنے والا دکھائی دے لیکن..... ایسا کچھ نہیں تھا۔

سانتھا کو اب خود پر غصہ آنے لگا۔ جانے کیوں یہ وہم اُس کی جان نہیں چھوڑ رہا تھا۔ بلڈنگ تک پہنچتے پہنچتے بارش نے زور پکڑ لیا تھا۔ اسی رفتار سے ہوا بھی چل رہی تھی اور سانتھا کو شدید سردی اپنی ہڈیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے معمول سے کچھ زیادہ ہی تیزی کے ساتھ سیڑھیاں طے کیں۔ وہ جلد از جلد اپنے فلیٹ میں پہنچ کر ہیٹر کے سامنے بیٹھنا چاہتی تھی۔ اُسے معمول سے کچھ زیادہ ہی سردی لگتی تھی۔

☆☆☆

سانتھا نے اپنے ہاتھ کا دستانہ اتار کر چابیوں کے گچھے سے ایک چابی منتخب کر کے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ راہداری میں حسب معمول سناٹا طاری تھا۔ صرف راہداری کے آخری کونے میں ایک زرد بلب روشن تھا۔ یہاں سیکورٹی کا کوئی بندوبست کبھی تھا ہی نہیں۔

دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی اور اندر کی لائٹ آن کرنے کے بعد دروازے کو اندر سے اچھی طرح لاک کرنے کے بعد اپنے ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ لائٹ اُس نے جیسے ہی آن کی اُس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ سامنے ایک اجنبی گود میں پستول رکھ کر بڑے اطمینان سے بیٹھا تھا۔

''ویل کم مس سانتھا''

سانتھا کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی قوت گویائی خوف نے سلب کر لی ہو..... وہ بدقت تمام خود کو سنبھال رہی تھی۔

''کک..... کک کون ہو تم؟''

اُس نے سردی اور خوف سے کپکپاتے ہوئے بمشکل الفاظ ادا کئے۔

''فی الوقت تو تم مجھے دوست سمجھ سکتی ہو۔ جلد ہی تمہیں اس بات کا علم بھی ہو جائے گا کہ میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں.....''

اجنبی نے جواب دیا۔

''مم میں تمہیں نن نہیں جانتی''

سانتھا ابھی تک نارمل نہیں ہوئی تھی۔

''اس کی ضرورت بھی نہیں..... اوہ آئی ایم سوری کہ میں اس طرح تمہارے کمرے تک پہنچا ہوں۔ لیکن یہ تمہاری حفاظت کے لئے ضروری تھا۔ اگر میں تمہارے آفس میں یا معمول کے طریقے سے یہاں تم سے ملتا تو تمہارے دوست فوراً تمہیں مار ڈالتے..... اوہ! میرا خیال ہے تمہیں سردی لگ رہی ہے۔ ہیٹر چلا لو..... دراصل میں تمہاری اجازت کے بغیر ہیٹر نہیں چلا سکتا تھا۔ مجھے تو اس طرح یہاں آنے پر بھی افسوس ہے لیکن مجبوری سمجھو''۔

اجنبی نے یہ باتیں اتنے یقینی انداز میں کہی تھیں کہ سانتھا خود کو نارمل محسوس کرنے لگی تھی۔

اُس نے ہمت کر کے ہیٹر کا سوئچ آن کر دیا۔

''اطمینان سے بیٹھ جاؤ.....''

اجنبی نے ایک کرسی ہیٹر کے نزدیک رکھ کر اُسے اشارہ کیا اور سانتھا کسی سحر زدہ معمول کی طرح وہاں بیٹھ گئی۔

اجنبی نے پستول اپنی جیکٹ میں رکھ لیا تھا اور اس کے سامنے کھڑکی کے نزدیک کھڑا ہو کر اُس سے بات کر رہا تھا۔

''دیکھو سانتھا میری تم سے کوئی دشمنی نہیں۔ اگر تم میرے سوالات کا صحیح جواب دے دو تو میں اسی طرح واپس لوٹ جاؤں گا..... لیکن دوسری صورت میں مجھ سے کسی اچھے سلوک کی توقع نہ کرنا''۔

اس نے سانتھا کو بڑے نرم لہجے میں بات کی تھی لیکن اُس کی بات میں چھپے خطرے کو سانتھا نے محسوس کر لیا تھا۔

''کون ہو تم؟''

سانتھا نے قدرے نارمل ہونے پر پوچھا۔

''میں اس سوال کا جواب دے چکا ہوں اور اب میری درخواست ہے کہ مجھ سے کوئی اور سوال نہ کرنا صرف میں جو بات پوچھوں کوشش کر کے اُس کا صحیح جواب دینا۔ اور ہاں یہ بات میں تمہیں پہلے ہی بتا دوں کہ مجھے جھوٹ سے شدید نفرت ہے''۔

اجنبی نے کہا۔

''پوچھئے''۔

سانتھا اس مصیبت سے جلد از جلد چھٹکارہ چاہتی تھی۔

''تم نے پاکستانی سفارت کار نعمان کی سیٹ ہائی جیک ہونے والی فلائٹ میں کس کے کہنے پر بک کروائی تھی؟''

اُس نے سانتھا کے بالکل قریب آ کر اور اُس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکتے ہوئے پوچھی۔

سانتھا گڑبڑا کر رہ گئی۔ پہلا ہی سوال بڑا خطرناک تھا۔

''کک کسی کے کہنے پر نہیں..... انہیں جلدی جانا تھا..... اور کسی فلائٹ میں جگہ نہیں تھی''۔

سمانتھا نے جواب دے کر اُسے مطمئن کرنا چاہا۔

''تم شاید انگریزی اچھی طرح نہیں سمجھتی''..... اچانک ہی اُس نے پستول نکال کر اُس کی کنپٹی سے لگا دیا۔

سمانتھا پر کپکپی طاری ہوگئی۔

''یہ کک..... کک..... کیا کر رہے ہو؟''

اُس نے بمشکل تھوک نگلا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ مجھے جھوٹ سے شدید نفرت ہے''۔

سرد اور ریڑھ کی ہڈی میں اُتر جانے والے لہجے میں کہا گیا۔

سمانتھا کو سارا جسم شل ہونے کا احساس ہوا۔

''وہ..... وہ..... مم میرا مطلب ہے.....''

اُس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

اجنبی نے پستول اُس کی کنپٹی سے ہٹا لیا اور اب سے دوبارہ نارمل لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''ہم لوگ خواتین کا احترام کرتے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر سکتا البتہ تمہیں گولی ضرور مار دوں گا اگر تم نے دوبارہ غلط بیانی کی''۔

اس مرتبہ اُس نے جانے کس انداز سے بات کی کہ سمانتھا کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ کوئی نادیدہ قوت اُسے بار بار اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ اگر اُس نے اس شخص کی بات نہ مانی تو واقعی وہ سمانتھا کو مار ڈالے گا۔ یہ بات وہ جان گئی تھی کہ اجنبی اُس کی اہمیت سے آگاہ ہے۔

سمانتھا نے اس مصیبت سے پیچھا چھڑانا زیادہ مناسب جانا اور اُسے سب کچھ بتا دیا۔ لیکن روتے ہوئے خود کو بے گناہ ثابت کرتی رہی۔ اور یہ تھی بھی حقیقت..... وہ ''را'' کے لئے کام ضرور کرتی تھی لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ اُس ''بے ضرر سی اطلاعات کے ذریعے

اتنا بڑا طوفان بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔

پاکستان ایمبیسی والے اُن سے بڑا احسن سلوک کرتے تھے۔ اُسے بطور خاص سفارت خانے کی تقریبات میں بلایا جاتا تھا اور کبھی کسی نے اُس سے کوئی ناجائز حرکت یا ناشائستہ بات نہیں کی تھی۔

اپنی بات مکمل کر کے وہ باقاعدہ رونے لگی۔ اُسے شدت سے اس بات کا احساس ہونے لگا کہ اُس سے بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے۔

''تمہیں شاید اس بات کا اندازہ نہیں کہ تم سے کتنی بڑی غلطی ہوئی ہے سمانتھا!'' اجنبی نے بڑے ناصحانہ انداز میں کہا۔

''آئی ایم سوری''.....

سمانتھا نے معذرت کی۔ واقعی وہ شرمندہ تھی۔

''تم یہ بات نہیں جانتی کہ انہوں نے جہاز کو اپنے لوگوں سے ہائی جیک کروایا۔ بے گناہ مسافروں کی جان لی اور جس کے لئے یہ سارا گھڑاک پھیلایا تھا وہ پھر اُن کے ہاتھوں سے نکل گیا.....''

اجنبی نے کہا۔

''مسٹر نعمان بچ گئے ناں''

سمانتھا نے اچانک ہی خوشی کا اظہار کیا۔

''ہاں..... اور یہی بات تمہارے حق میں خطرناک ہے۔ دیکھو سمانتھا ہم کسی ملک کے قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ کسی بھی دوست ملک کے لئے لاء اینڈ آرڈر کے مسائل پیدا نہیں کرتے..... لیکن یہ تمہارے دوستوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ انہوں نے نیپال جیسے پرامن اور دوست ملک کے لئے کتنے خطرناک مسائل کھڑے کر دیئے ہیں''۔

اجنبی نے اُسے سمجھایا۔

''آئی ایم سوری''۔

سانتھا کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ اسی فقرے کی تکرار کرتی رہے۔

''سانتھا اب وہ تمہیں مار ڈالیں گے''۔

اچانک ہی اُس نے سانتھا کے نزدیک آ کر یہ بات کہی اور سانتھا لرز کر رہ گئی۔

''کیوں؟ کیوں؟''

اُس نے خوف، بے بسی اور تجسس سے پوچھا۔

''کیونکہ اُن کا پلان فیل ہو گیا ہے اور اب وہ اپنے خلاف ہر ثبوت مٹا دیں گے۔ تم سب سے بڑا ثبوت ہو سانتھا!''

اجنبی کی بات بمشکل مکمل ہوئی تھی جب فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سانتھا نے اجنبی کی طرف چونک کر اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

''فون اٹینڈ کرو سانتھا لیکن میری درخواست ہے میری موجودگی کی اطلاع نہ دینا''۔

سانتھا نے فون اٹھایا..... دوسری طرف لائن پر شاہد میاں کی بیوی کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سانتھا کا دل دہل گیا۔

''ہیلو! ہیلو! کیا بات ہے بھابی آپ.....''

اُس کی بات نامکمل ہی تھی جب دوسری طرف سے روتے روتے مسز شاہد میاں نے کہا۔

''سانتھا کسی نے شاہد میاں کو گولی مار کر مار ڈالا''۔

سانتھا کے ہاتھ میں فون گرتے گرتے بچا۔ بمشکل وہ سنبھلی اور بمشکل ایک دو باتیں کرنے کے بعد فون رکھ دیا۔

فون رکھ کر جب وہ اجنبی کی طرف گھومی تو خوف سے اُس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

اجنبی کو کچھ اندازہ تو ہو گیا تھا لیکن اُس نے پوچھنا زیادہ مناسب نہ جانا۔

''کسی نے شاہد میاں کو مار ڈالا''۔

خوفزدہ اور سہمی ہوئی سانتھا نے کہا۔

''میں نے تو تمہیں ابھی بتایا ہے سانتھا کہ وہ تمام ثبوت ختم کریں گے''۔

اجنبی نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''لیکن میں..... میں..... میں پولیس کو.....''

سانتھا سے ڈھنگ سے بات نہیں ہو رہی تھی۔

''زندگی میں کبھی ایسی غلطی نہ کرنا سانتھا..... یہاں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں سب کچھ.....''

اجنبی نے اُسے سمجھایا۔

''میں کیا کروں..... اوہ مائی گاڈ..... انہوں نے شاہد میاں کو مار ڈالا..... اوہ مائی گاڈ''۔

وہ بہت سراسیمہ دکھائی دے رہی تھی۔

''تم نارمل ہو جاؤ سانتھا..... میں تمہارے لئے کافی بناتا ہوں۔ پلیز نارمل ہونے کی کوشش کرو''۔

اُس نے یہ بات کچھ ایسے شریفانہ انداز میں کہی کہ سانتھا اُسے اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھنے لگی۔

ڈرائنگ روم کے سامنے سانتھا کے کچن میں اُس نے کافی سیٹ سے کافی تیار کی۔ اسی دوران اُس نے ایک مرتبہ بھی پلٹ کر سانتھا کی طرف نہیں دیکھا جو وہاں سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن سانتھا کے لئے اپنی جگہ سے حرکت کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ شاہد میاں سے وہ کچھ ہی دیر پہلے الگ ہوئی تھی اور اب وہ مارے گئے۔

شاہد میاں کی موت کی اطلاع نے اُس کے اعصاب توڑ ڈالے تھے۔ وہ بالکل

خالی الدماغ ہو کر رہ گئی تھی..... فی الوقت اُسے اس اجنبی سے زیادہ اور کوئی اپنا ہمدرد دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

اجنبی نے کافی کا مگ تیار کر لیا تھا۔ اُس نے اونچی آواز سے اس کے لئے شوگر دریافت کی اور سمانتھا کے لئے مگ لے کر آ گیا۔ دوسرا مگ اُس نے خود تھام رکھا تھا۔

''آئی ایم سوری..... کافی مجھے تیار کرنی چاہئے تھی.....''

سمانتھا کو افسوس سا ہوا۔

''نو پرابلم.....'' اجنبی نے کہا۔ ''تم اطمینان سے کافی پیو''۔

''میں کیا کروں..... بے چارے شاہد میاں.....''

سمانتھا نے بمشکل دو گھونٹ حلق میں اُتارنے کے بعد سوال کر دیا۔ کافی نے اُس کے تنے ہوئے اعصاب کو قدرے ڈھیلا کر دیا تھا۔

''ایک راستہ ہے میرے پاس تمہارے لئے''۔

اجنبی نے جواب اُس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا اُس سے کہا۔

''کیا؟''

سمانتھا نے اُس کی طرف بڑی امید بھری نظروں سے دیکھا۔

دیکھو سمانتھا اب یہ ملک تمہارے لئے محفوظ نہیں رہا..... تم جانتی ہو ان لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں.....''

اجنبی کی بات بے چین سمانتھا نے کاٹ دی۔

''جانتی ہوں..... جانتی ہوں..... اب میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ شاہد میاں کی موت کے بعد میرا یہاں رہنا ممکن بھی نہیں''۔

''اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو تو تمہیں یورپ کے کسی بھی ملک میں بھیجا جا سکتا ہے''۔

اجنبی نے اُسے اچانک ہی آفر کر دی۔

''کیا چاہتے ہو مجھ سے؟''

اُس نے سنبھل کر پوچھا۔

''سچ..... بس تم ایک مرتبہ اپنا سارا سچ ریکارڈ کروا دو''۔

اجنبی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

اچانک ہی کال بیل کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔ سمانتھا پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اُس نے اجنبی کی طرف بڑی رحم طلب نظروں سے دیکھا۔

''دروازہ احتیاط سے کھولنا..... میں یہاں موجود ہوں لیکن کسی کو نہیں بتانا..... بے فکر رہو تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا''۔

اجنبی نے بمشکل اتنا کہا اور اپنا کافی والا مگ وہاں سے اٹھا کر ایک کونے میں چھپا دیا خود کو پردے کے پیچھے اس پوزیشن میں چھپایا کہ اندر والے اُس کے براہ راست نشانے کی زد پر ہوتے۔

اُس نے اشارے سے سمانتھا کو تسلی دے کر دروازے کی طرف بھیجا۔

☆☆☆

سمانتھا نے دروازے کے ''کی ہول'' سے دیکھا۔ باہر اشوک کھڑا تھا۔ اُس پر پھر گھبراہٹ طاری ہوئی لیکن ہمت کر کے دروازہ کھول دیا۔

''ہیلو ڈارلنگ''۔

اشوک نے اُس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔ لیکن اچانک ہی ایک اور شخص جو شاید اس پوزیشن میں کھڑا تھا کہ اُسے دکھائی نہ دے اندر گھس آیا۔

''یہ کون ہے؟''

سمانتھا نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

''اپنا بندہ ہے ڈارلنگ..... کم آن''۔

اشوک سانتھا کو اپنے بازوؤں کے حصار میں جکڑ کر ڈرائنگ روم تک لے آیا۔
اُس کا ہمراہی بھی دونوں کے پیچھے آ گیا۔ اُس کی شکل ایسی خوفناک تھی کہ سانتھا کو اپنا سانس رکتا محسوس ہو رہا تھا۔

''کیا کر رہی تھی؟''

اشوک کی شکل میں آج اُسے اپنا قاتل صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''کچھ نہیں''۔

سانتھا خوفزدہ تھی۔

''اچھا بھئی زیادہ سسپنس شاید مناسب نہ ہو'' اشوک نے کہا..... ''دیکھو سانتھا ایک مجھے تمہارا ''دھنواد'' (شکریہ) کرنا ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ بہت تعاون کیا اور دوسری بری خبر یہ ہے کہ اب تمہیں مرنا ہوگا''۔

اُس نے آخری بات اتنے سفاک لہجے میں مسکراتے ہوئے کہی کہ سانتھا کا دل دھک سے رہ گیا۔

''کک کیا.....''

وہ بمشکل ہکلائی!

''اوہ ڈارلنگ پلیز بی نارمل..... ہمارا کام مشکل نہ کرو..... سانتھا ڈارلنگ بات یہ ہے کہ ایجنسی نے تمہارے قتل کا حکم دیا ہے..... یہ لوگ تو تمہیں فوراً مار دینا چاہتے تھے لیکن میں نے سوچا اتنی جلدی بھی کیا..... بھئی تمہارا دوست ہوں ناں..... اچھا! ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں..... اسے دیکھ رہی ہو ناں..... یہ بڑا خطرناک آدمی ہے.....''

اشوک اس طرح نارمل لہجے میں مزے لے لے کر بات کر رہا تھا جیسے اُسے کسی بڑے انعام کی خوشخبری دے رہا ہو۔

''اشوک..... تت تم..... مم مجھے''

سانتھا کو اپنے بدن سے جان نکلنے کا احساس ہوا۔

''ہاں..... آئی ایم سوری ڈارلنگ لیکن اب یہ ناگزیر ہے..... اچھا ہم تمہیں اس طرح مارنا چاہتے ہیں کہ یہ موت خودکشی لگے۔ تم پلیز ہمارے ساتھ تعاون کرنا..... نائس بے بی! ہمیشہ کی طرح..... ہیں! پلیز!''

اشوک کسی سائیکو کی طرح باتیں کر رہا تھا۔ سانتھا کو خوف اور بے بسی نے یہ بھی بھلا دیا تھا کہ کوئی یہاں موجود ہے۔

اشوک کے ساتھی نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ چھت سے لٹکتے پنکھے سے رسی باندھ کر نیچے لٹکا دی تھی۔

یہ پھندہ اپنے گلے میں ڈال لو''

اشوک نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پستول نکال لیا۔

سانتھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُسے اپنا سارا جسم فالج زدہ محسوس ہو رہا تھا۔

''چل سالی..... اتنی دیر کیوں لگا رہی ہے''۔

اُس کے ساتھی نے ایک بڑی سی گالی دے کر سانتھا کی طرف بڑھنا چاہا لیکن اچانک ہی اشوک کے پستول والے ہاتھ پر گولی لگی اور ایک چیخ اُس کے منہ سے نکلی۔ پستول اُس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ اُبل رہا تھا۔

اجنبی سامنے آ گیا۔

اُس نے اپنے پستول پر سائلنسر لگایا ہوا تھا۔

اشوک اور اُس کا ساتھی حیرت اور غصے سے اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ انہیں صورتحال کی سمجھ آتی، اجنبی نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے گھوم کر زوردار ضرب اپنے پستول کے دستے سے اشوک کے ساتھی کے سر پر لگائی جو دھڑام سے زمین بوس ہو گیا۔

اشوک کے منہ سے ابھی ایک گالی ہی نکل پائی تھی کہ اجنبی نے وہی عمل اُس کے

ساتھ دہرایا اور وہ زمین چاٹنے لگا۔

سمانتھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک وہ اس صدمے سے مکمل سنبھال نہیں پائی تھی۔

''اپنا ضروری سامان اور کاغذات پیک کرلو''۔

اجنبی نے کام مکمل ہونے پر اُس کی طرف دیکھ کر بڑے اطمینان سے کہا۔

''یہ.....''

سمانتھا نے بمشکل ایک لفظ کہہ کر دونوں کی طرف اشارہ کیا۔

''بھول جاؤ انہیں..... ہمارے پاس وقت کم ہے..... پلیز سمانتھا!''

اجنبی نے کہا اور سمانتھا کو جیسے اچانک ہوش آ گیا ہو..... جان بچ جانے اور خود کو محفوظ کرنے کے احساس نے اُسے نارمل کر دیا۔

وہ اجنبی کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ بڑی تیزی سے اُس نے اپنے لئے دو بیگ تیار کئے جن میں اُس کے تمام ضروری کاغذات اور دیگر چیزیں محفوظ تھیں۔ دونوں بیگ اجنبی نے اٹھائے اور اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

اجنبی نے باہر نکل کر اس کے اپارٹمنٹ کا دروازہ لاک کیا اور دونوں سیڑھیوں کے راستے باہر آ گئے۔

ساری بلڈنگ پر سناٹا طاری تھا۔

بارش نے اچانک زور پکڑا تھا۔ اس کے ساتھ ہوا کے تیز جھکڑ چل رہے تھے۔ دونوں بلڈنگ کے برآمدے تک آئے۔ یہاں رُک کر اجنبی نے اپنی جیب سے ایک سگریٹ لائٹر نکال کر اُسے دو تین مرتبہ جلایا اور بجھا دیا۔ سمانتھا حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُسے جلد ہی سمجھ آ گئی کہ اجنبی نے شاید اس طرح اپنے کسی ساتھی کو سگنل دیا ہے کیونکہ دوسرے ہی لمحے ایک کار اُن کے قریب آ کر رک گئی۔

اجنبی نے دونوں بیگ کار کی پچھلی سیٹ پر رکھے..... سمانتھا کو دروازہ کھول کر اندر

بٹھایا اور خود اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

کار اندھیری اور طوفانی رات میں کھٹمنڈو کی سڑکوں پر بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ اُن کا رخ کسی مضافاتی علاقے کی طرف تھا۔ اس سفر کا اختتام قریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہوا۔ اجنبی نے دوبارہ بیگ تھامے اور دونوں ایک چھوٹے سے خوبصورت گھر میں پہنچ گئے جو پہاڑی کے کونے میں بنا ہوا اور دوسروں سے الگ تھلگ دکھائی دے رہا تھا۔

کار انہیں اُتار کر چلی گئی۔

اُن کی آمد پر پہلے سے منتظر ایک مؤدب نیپالی نے دروازہ کھولا اور دونوں محفوظ ہو گئے۔ اجنبی نے اسے بیڈروم، کچن اور دوسرے کمرے دکھا دیئے۔ اُسے نارمل رہنے کے تلقین کرتے ہوئے اُس کے محفوظ ہونے کا احساس دلایا۔ خدا جانے اس کے لہجے میں کیا تیقن چھپا تھا کہ سمانتھا بالکل مطمئن ہو گئی۔

صبح جب اجنبی گھر سے جانے لگا تو سمانتھا نے اچانک ہی پوچھ لیا۔

''آپ کا نام؟''

''تم مجھے حامد کہہ سکتی ہو..... اچھا خدا حافظ..... اب شام کو ملیں گے''۔

اجنبی نے کہا اور دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

.....☆.....

جل گاؤں سے اُس کی رخصتی بڑی بھرپور تھی۔

چانکیہ پرشاد اور اُس کے ساتھی ایک جلوس کی صورت اُسے رخصت کرنے بس اڈے تک آئے تھے۔ انہوں نے بطور خاص پنڈت برج موہن مہاراج کے لئے ڈرائیور کے بالکل سامنے کی خصوصی سیٹ ریزرو کروائی تھی اور اُسے اچھی خاصی دھمکیاں دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر پنڈت جی کو راستے میں کوئی بے آرامی ہوئی تو وہ اُسے بس سمیت جلا ڈالیں گے۔ ڈرائیور نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ پنڈت جی کا خاص خیال رکھے گا اور اُس نے ایسا ہی کیا۔ بس اڈے سے آر ایس ایس کے کارکنوں کے پرجوش نعروں کے شور میں رخصتی ہوئی اور نعمان نے خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ جلد از جلد یہاں سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ کسی بھی مرحلے پر اُس کی اہمیت بے نقاب ہو سکتی تھی۔ حالات نے اُسے حادثاتی طور پر آر ایس ایس سے ٹکرا دیا تھا لیکن وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اگر خدانخواستہ ان لوگوں کو اُس کی اصلیت کا علم ہو گیا تو وہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

ڈیڑھ سو کلومیٹر کے اس سفر میں بس کے ڈرائیور اور کنڈیکٹر نے درجنوں مرتبہ اُس سے کسی بھی ''سیوا'' کے لئے دریاست کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ پنڈت جی کی طبع نازک پر کچھ گراں گزرے۔ کنڈیکٹر راستے سے سوار ہونے والی سواریوں کو پنڈت جی کا تعارف کرواتا جا رہا تھا اور بس کا قریباً ہر مسافر اب تک اُس کے چرن چھو کر اُس سے آشیرواد حاصل کر چکا تھا۔

نعمان نے بھی خود کو تن بہ تقدیر چھوڑ دیا تھا اور کسی بھی شردھالو کو مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ ہر ایک کے سر پر ہاتھ دھر کر اُسے ''آشیرواد'' دے رہا تھا۔

خدا خدا کر کے کھانڈوا آیا تو اُس نے سکون کا سانس لیا۔ لاری اڈے سے وہ پیدل ہی شہر کے باہر کھیتوں کی طرف چل دیا اور اس مرتبہ جب وہ شہر کو واپس پلٹا تو اُس کا حلیہ خاصا تبدیل ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنی ''پنڈتائیت'' کو یہاں خیرباد کہہ دیا تھا کیونکہ اس دوران جتنی مشہوری اُس کی ہو چکی تھی اُس سے کوئی بھی خطرہ جنم لے سکتا تھا۔ اُس کے لئے کوئی بھی مسئلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔

نعمان نے ایک لمحے کے لئے بھی اس بات کو فراموش نہیں کیا تھا کہ بھارتی سیکورٹی ایجنسیاں اُس کی تلاش میں ہیں۔ اب وہ ایک عام ہندو نوجوان کی طرح پتلون شرٹ اور سویٹر پہنے اگلی بس میں سوار ہو رہا تھا۔ اُس نے کھانڈوا میں رہنے کے بجائے مسلسل سفر جاری رکھنے کو ترجیح دی تھی کیونکہ ان علاقوں میں رام مندر بابری مسجد تنازعہ کی وجہ سے خاصی گرم جوشی پائی جاتی تھی اور ایودھیا کے کسی بھی پنڈت کا یہاں موجود ہونا یہاں کے ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لئے بڑے ''دھن بھاگے'' کی بات تھی۔ وہ سب اُس کے گرد بھڑوں کی طرح مجمع لگا کر اُس سے ایودھیا کے واقعات جاننے کی خواہش کرتے جو بار بار سنانا اُس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ یہاں کوئی ایودھیا کا اور پنڈت بھی براجمان ہو۔ رات گئے بس نے اُسے جبل پور پہنچا دیا تھا۔ رات اُس نے جبل پور کے عام سے ہوٹل میں قیام کر کے آگے نکلنے کا ارادہ کیا تھا اور اب یہی عزم لے کر ایک ہوٹل کی طرف جا رہا

تھا۔

ہوٹل کیلاش کا شمار جبل پور کے اچھے ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔نعمان کو اس بات کا تو علم نہیں تھا کہ یہاں کے ہوٹل کیسے ہیں؟ یا کہاں کہاں ہیں..... کیونکہ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ جبل پور آیا تھا اور وہ بھی ایک حادثے کا شکار ہو کر.....

ہوٹل کیلاش کی استقبالیہ پر ایک طرحدار لڑکی نے اُسے خوش آمدید کہا۔نعمان نے ایک بریف کیس اور بیگ تھاما ہوا تھا اور اپنا تعارف اس نے الہ آباد کے ایک بیوپاری کی حیثیت سے کروایا۔مودب لڑکی نے جٹر اُس کی طرف بڑھا دیا جس پر نعمان نے مطلوبہ اندراج کئے اور تھوڑی دیر بعد وہ کمرہ نمبر 220 میں موجود تھا۔

دوسری منزل پر موجود اس کمرے میں ضروریات زندگی کی ہر شے بڑے سلیقے سے سجائی گئی تھی اور نعمان یہاں کچھ وقت آرام سے گزار سکتا تھا۔

استقبالیہ پر موجود لڑکی نے حسب معمول اُن کے درج کردہ مندرجات ایک کاغذ پر منتقل کئے جس پر پہلے سے آٹھ دس ایسے ہی مہمانوں کی تفصیل درج تھی اور انہیں ایک لفافے میں بند کر کے رکھ دیا۔یہ لفافہ تھوڑی دیر بعد ایک انسپکٹر نے اُن سے وصول کرنا تھا۔

یہ اُن کی معمول کی پریکٹس تھی۔

گذشتہ دس سال سے قائم ہوٹل کیلاش کی انتظامیہ کو پہلی مرتبہ ایسی صورتحال کا سامنا ہوا تھا جب شہر کے نئے ایس پی صاحب نے تمام ہوٹلوں کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ روزانہ نئے آنے والے مسافروں کے لکھے گئے مندرجات ایک کاغذ پر درج کر کے انہیں پہنچایا کریں۔ہوٹل والوں کے لئے اس حکم کی تعمیل بادل نخواستہ ہی سہی لیکن ناگزیر تھی کیونکہ جبل پور میں گذشتہ تین چار ماہ سے ''دہشت گردوں'' کی نقل وحرکت کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔اس کا سب سے بڑا ثبوت حالیہ ہنگاموں میں مسلمانوں کی طرف سے ہندو بلوائیوں کا مقابلہ کر کے انہیں نقصان پہنچانا بھی تھا۔

جبل پور کی انتظامیہ کبھی اس بات کا تصور نہیں کر سکتی تھی کہ مسلمان یہاں اتنی طاقت حاصل کر لیں گے کہ وہ ہندو بلوائیوں کا نہ صرف مقابلہ کریں بلکہ انہیں مقابلتاً زیادہ نقصان بھی پہنچائیں۔شہر سے خطرناک ہتھیاروں کی برآمدگی ایک اور بڑی وجہ تھی اور بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیاں یہ سمجھ رہی تھیں کہ ضرور اس سازش میں پاکستانی ایجنسی کا ہاتھ ہے۔

سی بی آئی کے ایک انسپکٹر نے حسب معمول لسٹ حاصل کی اور اپنے آفس میں پہنچ کر کیلاش ہوٹل میں قیام کرنے والے مسافروں کے وہاں لکھے دوسرے شہروں کے ایڈریس اور ٹیلی فون نمبروں سے اُن کی تصدیق کرنے لگا۔

سب انسپکٹر رادھے شیام کے لئے بھی یہ روزانہ کی پریکٹس ایک مستقل ذہنی عذاب بن کر رہ گئی تھی۔آج تک کسی مسافر کا ایڈریس یا بتایا ہوا ٹیلی فون نمبر غلط ثابت نہیں ہوا تھا۔لیکن دو ماہ پہلے سنٹرل بیورو آف انٹیلی جنس میں قائم ہوئے اینٹی ٹیرورسٹ سیل (ATC) کے انچارج دھنپت سنگھ نے اتنی سختی سے یہ حکم دیا اور اُس پر عملدرآمد کی نگرانی شروع کی تھی کہ وہ لوگ پریشان ہو کر رہ گئے تھے۔

دو ماہ میں تین اے ایس آئی اور سب انسپکٹر لائن حاضر ہو چکے تھے جنہوں نے اپنے کام میں معمولی سی کوتاہی دکھائی تھی۔

☆☆☆

دہلی سے جبل پور تک دھنپت سنگھ کا سفر اُس کے لئے ایک بھیانک خواب کی حیثیت رکھتا تھا۔

نروپا رائے کی طرف سے اُس پر لگائے گئے الزامات کو ''را'' نے قطعاً نظرانداز نہیں کیا تھا۔بڑی سختی سے اُن کا نوٹس لیا تھا۔تفتیش وتحقیق کے وہ تمام مراحل جن سے نروپا رائے گزری اُن سب سے دھنپت سنگھ کو بھی گزرنا پڑا لیکن وہ اس کھیل کا پرانا کھلاڑی ہونے کے ناطے قدرے محفوظ رہا اور ایجنسی کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اُس نے اپنے اس جرم کا اعتراف ضرور کر لیا تھا کہ وہ نروپا رائے سے جنسی تعلق استوار کرنے کے لئے اُسے بلیک میل کرنا چاہتا تھا اور یہ کوئی ایسا نا قابل معافی جرم نہیں تھا جس پر اُسے موردِ الزام ٹھہرایا جاتا۔

چار ماہ بعد وہ پھر اپنے پرانے عہدے پر بحال ہو چکا تھا البتہ اُسے سختی سے ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ نروپا رائے نام کی کسی لڑکی سے کبھی کوئی تعلق نہ رکھے اور نہ ہی اُس سے کسی طرح بھی انتقام لینے کا تصور کرے۔

اور.....اُس نے یہ حکم مان لیا۔

دھنپت سنگھ سخت کینہ پرور آدمی تھا۔ وہ اونٹ کی طرح اپنا انتقام کافی عرصے تک اپنے اندر چھپانے کی ہمت رکھتا تھا۔

اپنے سینئرز سے اُس نے عہد کیا تھا کہ نروپا رائے سے متعلق ماضی کے ہر تعلق اور تلخی کو بھول جائے گا لیکن اُس کا دل کبھی صاف نہ ہوا۔ اُس نے اب بھی اپنے دل میں یہی ٹھان رکھی تھی کہ زندگی کے جس موڑ پر بھی نروپا رائے اُسے ملی وہ حساب ضرور برابر کرے گا۔

لیکن.....نروپا اُسے کبھی نہ ملی۔ البتہ اُسے یہ خبر اپنے ذرائع سے ضرور مل گئی کہ نروپا رائے نے استعفیٰ دے دیا ہے اور اب اُسے امید پیدا ہو چکی تھی کہ وہ کبھی نہ کبھی اپنے انتقام کی آگ ضرور ٹھنڈی کر لے گا۔

اُس نے اپنے طور پر نروپا کو کھوجنے کی کوشش بھی کی لیکن وہ تو یوں غائب ہوئی تھی جیسے ''گدھے کے سر سے سینگ!''

دھنپت سنگھ نے بھی اپنی مصروفیات اور پھر ایجنسی سے کئے گئے وعدے کے مطابق اُسے فی الوقت فراموش کر دیا تھا البتہ اُس کے انتقام نے اب ایک نئی راہ تلاش کر لی تھی۔ وہ جب بھی موقعہ ملتا ہائی کمیشن کے کسی ملازم پر ضرور ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ لیتا اور یہ ''موقعہ'' اُسے ملتا رہتا تھا۔

دھنپت سنگھ اپنی عیاشی کے ساتھ ساتھ سخت گیری کے لئے بھی خاصی شہرت رکھتا

تھا۔ اُسے ''آتنک واد'' (دہشت گردی) سے نمٹنے کی خصوصی تربیت بھی حاصل تھی اور اسی تربیت اور خصوصیت نے اُسے اینٹی ٹیررسٹ سیل تک پہنچا دیا تھا۔ ''را'' اور بھارت کی دوسری ایجنسیوں نے مل کر اے ٹی سی بنایا تھا جس میں یہ ایجنسی کے ماہرین شامل تھے۔ دھنپت سنگھ کو ''را'' کی طرف سے یہاں بھیجا گیا تھا اور تین چار مختلف شہروں میں خدمات انجام دینے کے بعد اب وہ گذشتہ دو ماہ سے جبل پور میں موجود تھا۔

اے ٹی سی سیل کو جو خصوصی اختیارات حاصل تھے اُن کی وجہ سے بھارتی پولیس اکثر شاکی رہتی تھی لیکن اُن کی شنوائی نہیں ہوتی تھی کیونکہ اے ٹی آئی اب بھارت کی مجبوری بن کر رہ گئی تھی۔

جبل پور میں اپنی تعیناتی کے اگلے ہی روز اُس نے مقامی سی بی آئی اور دوسری ایجنسیوں کے اُن ملازمین کو جو اُس کے دائرہ اختیار میں آتے تھے اپنے پاس طلب کر کے ان کا باقاعدہ دربار منعقد کیا اور انہیں خصوصی بریفنگ دی جس میں اُس نے جبل پور کے تمام ہوٹلوں میں قیام کرنے والے تازہ دم مسافروں کی روزانہ فہرست کی فراہمی اور اُن کے لائے ہوئے ایڈریسوں کی کاؤنٹر چیکنگ کا حکم جاری کیا تھا۔

مقامی ملازمین کے لئے یہ بڑا تکلیف دہ کام تھا لیکن انہیں یہ کرنا پڑتا تھا۔ البتہ انہوں نے پندرہ بیس روز بعد اس کام کو ''کاغذی کارروائی'' تک محدود کر دیا کیونکہ سینکڑوں لوگوں کی روزانہ کاؤنٹر چیکنگ کہاں ممکن تھی۔ جو چھ سات انسپکٹر اس کام پر مامور تھے وہ سٹ تو ہوٹلوں سے لے جاتے لیکن خود ہی او کے کر کے داخل دفتر کر دیا کرتے تھے۔

سب انسپکٹر رادھے شیام ایسا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ براہ راست دھنپت سنگھ کے زیر کمان تھا اور جبل پور کے جن تین ہوٹلوں کی لسٹیں وہ لایا کرتا تھا اُن کی کاؤنٹر چیکنگ کبھی کبھی اچانک دھنپت سنگھ بھی کر لیا کرتا تھا۔

آج بھی ایسا ہی ہوا.....

کیلاش ہوٹل کی لسٹ اُس کے سامنے میز پر دھری تھی اور رادھے شیام مودب

سامنے کھڑا تھا۔

''اس وزیٹر کا کوئی فون نمبر نہیں لکھا''۔

اُس نے امیت پانڈے نام کے ایک مسافر کے نام پر انگلی جماتے ہوئے کہا۔

''سر! کچھ لوگوں کے فون نمبر نہیں ہوتے ناں.....''

رادھے شیام نے ٹرخانا چاہا۔

''مسٹر رادھے شیام Take it seriously (سنجیدگی سے کام کرو) میں نے کہہ رکھا ہے ہر ہوٹل کے لئے مسافر کے فون نمبر کا اندراج ضروری ہے۔ اگر اس کا پرسنل نمبر نہیں تو اُس کا پی پی نمبر درج ہونا چاہئے۔ وہ بھی نہیں تو اُس کے پوسٹ آفس کا پتہ موجود ہو''۔

دھنپت سنگھ نے قدرے تلخی سے کہا۔

''او کے سر! آئندہ خیال رکھوں گا سر''۔

رادھے شیام نے اپنے لہجے کی تلخی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنے افسر کی اس فضول بات پر توجہ دے لیکن نوکری بھی اُس کی مجبوری تھی۔ اُس کے لئے فی الوقت دھنپت سنگھ سے جان خلاصی کروانا ہی سب سے زیادہ اہم بات تھی۔

''کہاں کا پسنجر ہے یہ.....الہ آباد کا.....''

دھنپت سنگھ نے لسٹ پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''یس سر''.....

رادھے شیام پھر رُک گیا حالانکہ وہ سلیوٹ مار کر جان چھڑانے کے چکر میں تھا۔

''ٹھیک ہے.....الہ آباد میں دیوی دتّا صاحب کو لائن ملاؤ''۔

دھنپت سنگھ نے اُس کے ارادوں پر پانی پھیرتے ہوئے کہا۔

''یس سر''

رادھے شیام نے ایک کونے میں دھرے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

فون کے نزدیک میز پر دھری اہم ٹیلی فون نمبروں کی فہرست سے اُس نے اے پی ایس الہ آباد کا نمبر تلاش کر کے ڈائل کیا اور دیوی دتّا کو لائن پر لا کر فون دھنپت سنگھ کی طرف بڑھا دیا۔

دھنپت سنگھ نے اپنے پرانے ساتھی دیوی دتّا کو پہلے تو معمول کی گالیاں دے کر اس کی خیریت دریافت کی اور اس کے بعد اُسے امیت پانڈے کی انکوائری کر کے فوراً آگاہ کرنے کے لئے کہا۔

رادھے شیام اس دوران ایک کونے میں مودب کھڑا رہا۔ وہ دل ہی دل میں بھگوان کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اب اُس کی جان چھوٹ جائے گی کیونکہ آج اُسے بہرصورت اپنے سسرال جانا تھا۔ اُس کی پتنی نے کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ خود اُسے لینے نہیں آئے گا وہ گھر واپس نہیں آئے گی۔ اُسے رادھے شیام کی بے ہودہ نوکری سے اب چڑ ہونے لگی تھی۔

رادھے شیام کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ اُنکی شادی کو دو سال ہوئے تھے اور دونوں ابھی تک خود کو کنوارے ہی سمجھ رہے تھے کیونکہ ابھی تک بے اولاد تھے۔ اُس کی خواہش تھی کہ جیسے ہی دھنپت سنگھ فون رکھے اُس سے اجازت لے کر چلا جائے۔

لیکن.....فون لمبا ہی ہوتا جا رہا تھا۔

دس بارہ منٹ بعد جب دھنپت سنگھ فارغ ہوا تو اُس نے فون رکھ کر رادھے شیام کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ رادھے شیام اپنا مدعا زبان پر لائے دھنپت سنگھ کی زبان سے تیر کی طرح یہ الفاظ نکلے اور رادھے شیام کے اعصاب پر بم بن کر پھٹے۔

''دیوی دتّا جی ایک گھنٹہ بعد رپورٹ کر رہے ہیں.....تم اپنی سیٹ پر موجود رہنا''۔

رادھے شیام کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ بڑھ کر اُس کا منہ نوچ لے لیکن یہ کچھ اُس کے اختیار میں کہاں تھا؟

اُس نے اپنی قسمت کو کوستے ہوئے زخمی نظروں سے دھنپت سنگھ کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر اپنے کمرے کی راہ لی۔ اپنے کمرے میں آ کر اُس نے باقی سٹاف تک یہی حکم پہنچایا اور سب مل کر دھنپت سنگھ کی جان کو رونے لگے۔

الہ آباد والوں کی رپورٹ رات ایک بجے موصول ہوئی۔

دیوی دتا نے دھنپت سنگھ کو خود آگاہ کیا تھا کہ امیت پانڈے کوئی بہت بڑا فراڈ ہے۔ نہ صرف متعلقہ ایڈریس بلکہ دور نزدیک بھی اس نام کے کسی آدمی کا وجود نہیں پایا جاتا۔

''ہوں.....تو یہ بات ہے.....ٹھیک ہے''۔

دھنپت سنگھ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اب وہ تیزی سے اگلی حکمت عملی طے کر رہا تھا۔

☆☆☆

اپنے کمرے میں اُسے سامان رکھے بمشکل پندرہ منٹ ہی گزرے ہوں گے جب اچانک لائٹ آف ہوگئی۔ نعمان نے کچھ دیر انتظار کے بعد فون پر کاؤنٹر سے رابطہ کیا تو اُسے بتایا گیا کہ جبل پور میں بجلی آتی جاتی رہتی ہے اور ہوٹل کیلاش کے متبادل انتظامات بھی اب اس بار بار کی لوڈ شیڈنگ سے خاصے متاثر ہو چکے ہیں اس لئے وہ فی الوقت صرف ایمرجنسی لائٹس کے اور کوئی خدمت بہم نہیں پہنچا سکتے۔

لوڈ شیڈنگ مدھیہ پردیش کا بڑا پرانا مسئلہ تھا۔

نعمان کو بجلی کی کچھ اتنی خاص ضرورت بھی نہیں تھی وہ تو صرف ٹی وی نشریات اور خصوصاً خبروں کے ذریعے حالات سے باخبر رہنا چاہتا تھا۔ ان دنوں میں اُس کی ڈاڑھی اور سر کے بال ایسی شکل اختیار کر چکے تھے کہ اب آسانی سے اُس کی شناخت ممکن نہیں رہی تھی لیکن اس مرحلے پر انڈین انٹیلی جنس کے اپنے متعلق عزائم کی بھنک اُسے اگر کہیں سے مل سکتی تھی تو وہ صرف الیکٹرونکس اور پرنٹ میڈیا ہی تھا جس تک وہ بہر حال اپنی رسائی ممکن بنائے رکھنا چاہتا تھا۔

نعمان نے بوریت سے بچنے کے لئے کمرے کو تالا لگایا اور ہوٹل کے باہر آ گیا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ اُس نے جبل پور میں چہل قدمی کا ارادہ کیا لیکن خود ہی پھر اس سوچ کو بدل دیا اور اپنے ہوٹل کے نزدیک ہی ایک لمبا چکر کاٹ کر قریباً آدھے گھنٹے بعد واپس آ گیا۔

لائٹ آ چکی تھی اور ہوٹل کی رونق بھی کافی بڑھ گئی تھی۔

اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ نیچے ہال ہی میں بیٹھ گیا جہاں موجود سیٹیں اب بھرنے لگی تھیں کیونکہ کیبرے شروع ہو گیا تھا۔ نیم برہنہ لڑکیاں سامنے سٹیج پر بڑے بے ہودہ انداز میں ناچ رہی تھیں اور ہال میں موجود تماشائی اپنے سامنے دھری گھٹیا شراب کے پیگ انڈیلتے اُن پر نوٹ پھینک رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی ناچنے والی سٹیج سے اتر کر حاضرین کے نزدیک آتی۔ کسی کے سامنے کھڑے ہو کر جسم کے مختلف خطوط نمایاں کر کے اُس سے ڈٹ وصول کرتی تو کسی کی طرف بوسہ اچھال کر اس کی جیب خالی کرواتی۔ ایک ڈانسر جب اچانک نعمان کی گود میں بیٹھی تو وہ قریباً گھبرا گیا کیونکہ اُس نے اپنی بانہیں نعمان کے گلے کا ہار بنا دی تھیں اور اُس کے گرداگرد سیٹوں پر موجود لوگ اب رشک اور حسد بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

نعمان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دو تین نوٹ نکال کر اُس کو تھمائے جنہیں ناچنے والی نے چوم کر اپنے گریبان میں اُڑس لیا اور اُس کا بوسہ لے کر تماشائیوں کی تالیوں کی گونج میں سٹیج کی طرف واپس بھاگ گئی۔

نعمان کے لئے اس نوعیت کی صورتحال واقعی پریشان کن تھی۔ کئی لوگوں کی نظروں کا وہ مرکز بن چکا تھا گو کہ اس طرح کی حرکتیں یہاں کا معمول تھیں اور یہاں بیٹھے ہوئے زیادہ تر تماشائیوں کو ان ناچنے والیوں کی طرف سے اسی نوعیت کے کسی نہ کسی تجربے سے گزرنا پڑتا تھا۔

جس کسی کے ساتھ کوئی ناچنے والی ایسی حرکت کرتی وہ خود کو راجا اِندر محسوس کرنے

لگتا تھا اور خوامخواہ سے اُس کی گردن پھول جاتی تھی۔ لیکن نعمان کے لئے یہ تجربہ بڑا ہولناک تھا۔ اُسے علم نہیں تھا کہ یہاں کیبرے ہو رہا ہے ورنہ شاید ہال ہی میں نہ آتا۔ اب فوراً یہاں سے جانا ممکن بھی نہیں تھا جب کہ ابھی تک اُس کی طرف سے بیئر یا شراب کا کوئی آرڈر بھی نہیں گیا تھا۔ اُس نے سوفٹ ڈرنکس ہی منگوائے تھے۔ اپنے سامنے دھرے گلاس سے کمپا کولا کا آخری گھونٹ حلق میں انڈھیل کر اُس نے خود کو قدرے نارمل کیا اور تھوڑی دیر پہلے ہونے والے حادثے کے اثرات کو دل و دماغ سے محو کرنے لگا۔

پندرہ بیس منٹ بعد وہ اٹھ کر کاؤنٹر سے اپنے کمرے کی چابی وصول کر کے کمرے میں پہنچ گیا۔ ٹی وی کا سوئچ آن کرنے کے بعد اُس نے فون پر ہی کھانے کا آرڈر دیا۔ اپنے کمرے میں اُس نے ''ویشنو ڈنر'' کیا اور پلنگ سے ٹیک لگا لی۔ ٹی وی پر اُس کے سامنے درجنوں چینل چل رہے تھے لیکن ایک سے ایک بڑھ کر بے ہودہ اور بور تھا۔ بیشتر پر ناچنے گانے والیوں نے اُدھم مچا رکھا تھا۔ تین چار نیوز چینل سے ایک ایک خبر کو درجنوں مرتبہ مختلف انداز سے دہرایا جا رہا تھا۔ کچھ چینلز پر ڈرامے، فلمیں اور مباحث چل رہے تھے اور دو تین مذہبی چینلز مسلسل دیوی دیوتاؤں کے درشن کروا رہے تھے۔

نعمان کے لئے فی الوقت وقت گزاری کا اور کوئی بہانہ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ ویٹر کھانے کے خالی برتن اٹھا کر جا چکا تھا۔ نعمان نے اُس کی روانگی کے بعد اپنے کمرے کے دروازے پر ''ڈونٹ ڈسٹرب'' کا سٹکر لٹکا دیا تھا اور اب اپنے بستر پر گرا مستقبل کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

اُس کے لئے باعث اطمینان بات صرف یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو اپنی خیریت سے مطلع کر چکا ہے۔

رات ہوٹل کیلاش پر اپنے پَر پھیلا رہی تھی جب اُسے اونگھ آنے لگی۔ ٹی وی آف کر کے اُس نے دروازے کا اندرونی لاک چیک کیا اور لمبی تان کر سو گیا۔

☆☆☆

رات ایک پہر بیت گئی تھی جب اچانک ہی اُس کی آنکھ کھل گئی۔ ایسا کبھی کبھی ہوتا تھا۔ ماضی میں بھی کوئی نادیدہ طاقت یا پھر اُس کی انتہائی حساس چھٹی حس اُسے عین اُن لمحات میں جب خطرہ بالکل اُس کے نزدیک پہنچ چکا ہوتا اُسے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا کرتی تھی۔ نعمان نے بستر پر لیٹے لیٹے کمرے کا جائزہ لیا۔ ابھی تک کمرے کی لائٹ روشن تھی جبکہ وہ بتی بند کر کے سویا کرتا تھا۔

رات کا ایک بج رہا تھا۔

اُس نے انگڑائی لے کر خود کو قدرے چست کیا اور لائٹ آف کر کے کھڑکی کے نزدیک آ گیا۔ موسم میں خنکی تھی لیکن نجانے کیوں اُسے گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ بالکل غیر ارادی طور پر اُس نے کھڑکی کا ایک پٹ کھول دیا۔

اُس کے کمرے کی کھڑکی سے ہوٹل کے سامنے والی سڑک کا منظر بڑا واضح دکھائی دے رہا تھا جہاں تین چار جیپوں پر لگی لائٹس گھوم رہی تھیں۔

''اوہ میرے خدایا'' وہ چونکا۔

دال میں ضرور کچھ کالا ہے..... چھٹی حس نے جھنجھوڑا۔

اور..... دوسرے ہی لمحے اُسے صورت حال کی سنگینی کا احساس ہو گیا۔

پلک جھپکتے ہی اُس نے سرہانے دھری جیکٹ پہنی، کمرے کی چابی اٹھائی اور باہر آ گیا۔ دروازے کو اُس نے لاک کرنے کے بعد چابی کو ایک خاص انداز سے گھما کر باہر کھینچا اور بلی کی طرح پنجوں پر بھاگتا کوریڈور کے کونے تک پہنچ گیا جہاں ایک ٹرالی پر کچھ چادریں اور صفائی کے لئے ایپرن رکھے تھے۔ سامنے دھرے واش مین کے ٹیلے کپڑے دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ نعمان نے سامنے کی لمبی زنجیر کھولی اور خود کو جیکٹ سمیت ان کپڑوں میں چھپا لیا۔

اب وہ لفٹ کے بالکل سامنے والے پلر کے نیچے اس طرح چھپ کر کھڑا تھا کہ لفٹ سے برآمد ہونے یا سیڑھیوں سے اوپر آنے والوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔

اُسے یہاں کھڑے بمشکل دو منٹ گزرے ہوں گے جب سیڑھیوں سے پولیس کے کچھ جوان بھاگتے ہوئے اوپر آئے اور کوریڈور میں بھاگتے چلے گئے۔

اس کے ساتھ ہی لفٹ رُکی جس سے دھپت سنگھ اور دو مسلح جوان باہر نکلے۔ تینوں نے ہاتھوں میں پستول پکڑ رکھے تھے۔

نعمان نے انہیں بھی بھاگ کر پولیس والوں کے تعاقب میں جاتے دیکھا۔ لفٹ رُک گئی تھی نعمان نے چند ثانیے کے لئے کچھ سوچا اور اپنے پنجوں پر چل کر لفٹ تک پہنچا۔ دوسرے ہی لمحے وہ لفٹ کے اندر جھاجواب گراؤنڈ فلور کی طرف جا رہی تھی۔

گراؤنڈ فلور پر رات کے ایک بجے بھی زندگی اپنی تمام تر شدتوں کے ساتھ بیدار تھی۔ شاید شادی کا ہنگامہ تھا اور کچھ لوگ شراب کے نشے میں قریباً مدہوش بینڈ کی دھنوں پر ناچ رہے تھے۔ نعمان جیسے کپڑے پہنے دو واش مین ایک کونے میں کھڑے تھے۔ انہیں دوسری طرف متوجہ پا کر وہ اطمینان سے باہر آیا اور لفٹ کے ساتھ والے کوریڈور میں گھوم گیا۔

یہاں مختلف کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک کمرے کے باہر ''صرف سٹاف کے لئے'' کا سائن پڑھ کر اُس نے بے دھڑک دروازہ کھولا اور اندر جا گھسا۔

کمرہ خالی تھا صرف ایک لائٹ جل رہی تھی.....!

نعمان نے بڑی پھرتی سے یہاں واش مین کے کپڑوں سے نجات حاصل کی اور کمرے کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔

یہ دروازہ ایک سٹور روم کے سامنے کھلتا تھا جس پر اس وقت تالا پڑا تھا۔ شاید یہ دن کے اوقات میں کام کرنے والا سٹور روم تھا۔ سٹور روم کے سامنے سے گزر کر اب وہ ہوٹل کے بیک پارٹ میں پہنچ چکا تھا جہاں ایک ٹینس کورٹ بنا ہوا تھا۔

بیک یارڈ پر تاریکی چھائی تھی..... نعمان نے زقند بھری اور اُس بڑے درخت تک پہنچ گیا جس کے ساتھ سرو کے درختوں کی ایک طویل قطار ہوٹل کی وال باؤنڈری تک چلتی

چلی گئی تھی۔ سرو کے درختوں کی اس قطار کی آڑ لے کر وہ بھاگتا ہوا چار دیواری کی قریباً پانچ فٹ اونچی دیوار تک پہنچا اور دوسرے ہی لمحے وہ دیوار پھلانگ کر دوسری طرف کود گیا۔ خیریت گزری کہ اس نے لمبی چھلانگ نہیں لگائی تھی ورنہ دیوار سے بمشکل تین چار فٹ دور کھائی میں گرتا جو لمبی گھاس کی وجہ سے چھپ کر بظاہر نظروں سے اوجھل تھی اور اس وقت اس میں پانی بھی موجود تھا۔ شاید یہ کھائی نما چھوٹا نالہ سیلابی پانی کے لئے بنایا گیا تھا۔

نعمان نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے چھلانگ لگا کر کھائی کو عبور کیا اور سڑک کے کنارے تک پہنچ گیا۔

سڑک قدرے سنسان تھی۔ اِکا دُکا گاڑیاں ہی آ جا رہی تھیں۔ اُس نے اطمینان سے چلتے ہوئے سڑک عبور کی اور پھر وہ صبح تک چلتا چلا گیا۔

وہ کہاں جا رہا ہے؟

شہر کا حدود اربعہ کیا ہے؟

راستے کدھر کو جا رہے ہیں؟

نعمان کو کسی بات کی کچھ خبر نہیں تھی۔ اُسے صرف ایک بات کا احساس تھا کہ اُس کی سمت تبدیل نہ ہو۔ اس کے لئے اُسے بار بار اپنے بازو سے بندھی گھڑی کے قطب نما سے راہنمائی لینی پڑتی تھی۔

اُسے ایک بات کا اطمینان ضرور تھا کہ اب تک اُس نے جتنا بھی سفر کیا ہے وہ شمال کی سمت میں ہے جو ہوٹل کیلاش کی مخالف سمت تھی۔

صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ آبادی سے ہٹ کر سفر کرتے ہوئے کئی چھوٹے چھوٹے میدان اور سڑکیں عبور کرتے نعمان کے کانوں نے گاڑی کے وسل کی آواز سنی تو اندازہ لگایا کہ وہ کسی ریلوے سٹیشن کے نزدیک پہنچ چکا ہے۔ اب اُسے صبح کاذب کی روشنی میں وہ مال گاڑی بھی دکھائی دے رہی تھی جس کے سست رفتار ڈبے اب قریباً رُک گئے تھے۔ شاید سامنے کا سگنل ڈاؤن تھا اور اُسے راستہ نہیں مل رہا تھا۔

نعمان نے چند لمحے کے لئے اپنی جگہ رُک کر کچھ سوچا پھر صبح کاذب کی روشنیوں میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کافی فاصلے پر کھڑے انجن پر نظر ڈالی جس کے باہر کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گاڑی خاصی لمبی تھی اور اس کی کھلی اور بند بوگیاں مختلف نوعیت کے سامان سے بھری تھیں۔

نعمان نے ایک مرتبہ پھر اطراف کا جائزہ لیا اور اب وہ قریباً بھاگتا ہوا ٹرین کی طرف جا رہا تھا جس کے انجن نے زوردار وسل دے کر رینگنا شروع کر دیا تھا۔ نعمان نے جلد ہی ایک ڈبے تک رسائی حاصل کی اور اب وہ اُس کے پائیدان کا سہارا لے کر چھت تک پہنچ گیا تھا۔

بوگی کی چھت پر پہنچ کر وہ چت لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک اسی پوزیشن میں لیٹ کر وہ اپنے اعصاب نارمل کرتا رہا۔ گاڑی نے اب رفتار پکڑنا شروع کر دی تھی۔ روشنی بڑھنے لگی تھی اور مناظر نمایاں ہو رہے تھے۔ وہ اب اٹھ کر چوکڑی مارے ڈبے کی چھت پر بیٹھا تھا۔

اچانک ہی ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی۔ نعمان منہ کے بل لیٹ گیا۔ شاید کوئی اسٹیشن آ رہا تھا۔ اُس نے کہنیوں کے بل لیٹے لیٹے ڈبے کی چھت کے اوپر سے جھانکا۔ اسٹیشن کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

ٹرین کا ٹریک تبدیل ہو رہا تھا جس کا احساس چھت پر لیٹے نعمان کو ہونے لگا۔ پلیٹ فارم نزدیک آ رہے تھے اور دوسرے ہی لمحے اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ سامنے ایک بڑے بورڈ پر ''جبل پور'' کے الفاظ اُس کا منہ چڑا رہے تھے۔

دوسرے ہی لمحے وہ چھت سے چپک گیا!

قسمت اُسے دوبارہ گھیر کر جبل پور ہی لے آئی تھی۔ حیرت انگیز طور پر خوفزدہ ہونے کے بجائے وہ دل ہی دل میں اس ستم ظریفی حالات پر مسکرانے لگا۔ اُس کی تربیت نے اسے ان مشکل اور اعصاب شکن لمحات میں گھبرانے اور خوفزدہ ہو کر کوئی غلط حرکت کرنے کے بجائے مسکراتے ہوئے ہمت حوصلہ اور عقل سے حالات سے نمٹنا سکھایا تھا اور

اسی تربیت کے بل بوتے پر اُس نے زندگی کے بڑے بڑے خطرناک حادثات کو چھو کر بھی خود کو سلامت رکھا تھا۔

گاڑی کی رفتار کم ضرور ہو گئی تھی لیکن ابھی تک اُس کے رُکنے کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ نعمان نے سوچا اگر اس ٹرین کو یہاں رُکنا ہوتا تو پلیٹ فارم کے اتنا نزدیک آنے پر ضرور رک جاتی کیونکہ یہ کوئی مسافر ٹرین نہیں تھی۔ پھر وہ دل ہی دل میں اپنی بیوقوفی پر مسکرا دیا۔ ٹرین کا ٹریک تبدیل ہونے کی وجہ سے اس کی رفتار کم ہو گئی تھی اور پھر اسٹیشن کی حدود میں ہونے کی وجہ سے انجن ڈرائیور نے رفتار کچھ زیادہ ہی کم کر لی تھی۔ اب اپنے ٹریک پر آنے کے بعد ٹرین نے رفتار پکڑ لی تھی اور تھوڑی دیر بعد وہ نارمل رفتار پر بھاگنے لگی۔ نعمان دوبارہ اسی پوزیشن میں بیٹھ گیا۔

اب وہ بالکل نارمل اور کسی بھی پیش آمدہ مشکل کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

☆☆☆

دھنپت سنگھ نے کیلاش ہوٹل کے امیت پانڈے کے مشکوک ہونے پر بھگوان کا شکر ادا کیا کہ دو ماہ بعد ہی سہی اسے کوئی کارکردگی تو اپنے افسران بالا کو دکھانے کا موقعہ ملا۔ اُس کے لئے نوکری میں عزت برقرار رکھنے کا سب سے بہترین نسخہ یہی تھا کہ جیسے ہی ممکن ہو افسران بالا کو اپنی اہمیت کا احساس دلاتا رہے اور یہی اُس کی کامیابی کا راز بھی تھا۔

انسپکٹر رادھے شیام کو اُس نے اپنے کمرے میں بٹھا رکھا تھا اور اُسے بریفنگ دے رہا تھا۔

''خبردار! میری ہدایت کے خلاف کچھ بھی ہوا تو ایک ایک کی کھال کھنچوا دوں گا'' اُس نے اپنی معمول کی زبان میں کہا۔

رادھے شیام کا دماغ کھول رہا تھا۔ عین ممکن ہے اگر دھنپت سنگھ سی بی آئی یا پولیس کا کوئی آفیسر ہوتا تو وہ ابھی حساب برابر کر دیتا کیونکہ وہ بھی جاٹ تھا کوئی معمولی پولیس والا نہیں تھا۔ شہر میں اُس کی بھی عزت تھی لیکن دھنپت سنگھ ''را'' سے اے ٹی ایس میں

ڈیپوٹیشن پر آیا تھا اور ''را'' والوں سے عموماً سیکورٹی فورسز کے لوگ اسی طرح خوفزدہ رہا کرتے تھے جیسے ماضی میں جرمنی کی مسلح افواج کے ملازمین گستاپو سے ڈرتے تھے۔

اُس نے ایڑیاں بجا کر بظاہر دھنپت سنگھ کو تعظیم دیتے ہوئے اپنا بھیجا ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔

''میں نہیں چاہتا کہ ہوٹل میں کسی کو اس بات کی بھنک بھی پڑے''۔

دھنپت سنگھ نے اپنا پستول ہولسٹر سے نکالنے کے بعد چیک کرتے ہوئے دوبارہ ہولسٹر میں رکھتے ہوئے کہا۔

''او کے سر''.....

رادھے شیام نے تابعداری دکھائی۔

''گو آہیڈ (Go ahead)''۔

اگلا حکم ملا۔

رادھے شیام نے سامنے دھرے فون کی ہاٹ لائن سے جبل پور میں اے ٹی ایس کی مدد کے لئے موجود بلیک کیٹس (Black Cats) کمانڈوز کے یونٹ کمانڈر سے رابطہ کیا اور اُسے فوراً اپنے جوانوں کے ساتھ آفس پہنچنے کا حکم دیا۔

پانچ منٹ کے بعد دو جیپوں پر دس کمانڈوز اپنے کمانڈر سمیت وہاں حاضر تھے۔

دھنپت سنگھ نے انہیں اپنا آپریشن بریف کیا اور اپنے پیچھے آنے کی ہدایت کی۔

اُن کے ہوٹل پہنچنے سے پہلے پولیس کے جوانوں نے ہوٹل کو گھیرے میں لے لیا تھا لیکن انہوں نے احکامات کے مطابق ہوٹل کے نزدیک آنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

سب انسپکٹر رادھے شیام اور بلیک کیٹس کمانڈوز کے ساتھ جب دھنپت سنگھ ہوٹل میں گھسا تو وہاں سنسنی پھیل گئی۔

کیلاش ہوٹل جبل پور کا واحد فورسٹار ہوٹل تھا۔ اس وقت یہاں دو تین تقریبات چل رہی تھیں اور ہوٹل گاہکوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔

کمانڈوز لفٹ اور سیڑھیوں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

''امیت پانڈے کتنے نمبر کمرے میں ہے؟''

دھنپت سنگھ نے کاؤنٹر پر کھڑی خوفزدہ لڑکی سے پوچھا۔

''سر! کون امیت پانڈے؟''

لڑکی بوکھلا گئی تھی۔

''آج ہی ہوٹل میں آیا ہے..... نیا گیسٹ!''

اُس کے بجائے رادھے شیام نے جواب دیا۔

لڑکی نے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے سامنے دھرے کمپیوٹر کو امیت پانڈے کا نام ٹائپ کیا اور انہیں کمرے کا نمبر بتا دیا۔

''ٹھیک ہے نارمل ہو جاؤ..... خبردار کسی کو کچھ نہیں بتانا''۔

دھنپت سنگھ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''یس سر..... یس سر''

خوفزدہ اور بوکھلائی ہوئی لڑکی کے منہ سے بمشکل نکلا۔

دھنپت سنگھ رادھے شیام اور فورس کمانڈر لفٹ کی طرف لپکے جبکہ باقی کمانڈوز کو انہوں نے دوسری منزل کے کمرہ نمبر 220 کی نشاندہی کر دی تھی۔

کمانڈوز سیڑھیوں اور وہ لفٹ کے ذریعے اوپر پہنچے اور اب سارا جلوس کمرے کے سامنے کھڑا تھا جس کے باہر ''ڈونٹ ڈسٹرب'' کا کارڈ لٹک رہا تھا۔

دھنپت سنگھ نے ہاتھ میں پکڑے پستول کے اشارے سے کمانڈوز کو پوزیشن دلائی اور رادھے شیام کو اشارہ کیا جس نے دروازے پر شریفانہ انداز سے دستک دی۔

دو تین مرتبہ دستک دینے پر دروازہ نہ کھلا تو انہوں نے غصے سے اُسے گھورنا شروع کر دیا۔ اس دوران ہوٹل کا منیجر پریشان ہو کر بھاگتا ہوا وہاں پہنچ چکا تھا۔

''چابی کہاں ہے اس کی؟''

دھنپت سنگھ نے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''لاتا ہوں سر.....لاتا ہوں''۔

منیجر نے کہا اور خود بھاگتا ہوا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔''ماسٹر کی'' تلاش کرنے اور واپس آنے میں اُسے قریباً دو منٹ لگ گئے تھے۔اس دوران ساری فورس کمرہ نمبر 220 کے سامنے بندوقیں اور پستولیں تانے کھڑی رہی۔کوریڈور میں موجود جس کمرے کا دروازہ بھی کھلا باہر کا منظر دیکھ کر خوفزدہ ہوتے ہوئے گیسٹ نے فوراً دروازہ بند کر لیا۔

''کہاں مر گیا تھا''

دھنپت سنگھ نے گالیاں دیتے ہوئے منیجر کے ہاتھ سے چابی چھینتے ہوئے کہا۔

منیجر بھی کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔اُسے غصہ آ گیا۔وہ دھنپت سنگھ کو نہیں جانتا تھا لیکن اسے اس بات کا علم تھا کہ جبل پور کا ہر بڑا افسر اُس کے سیٹھ کا کارندہ ہے۔

''Mind your language sir''(زبان کو لگام دو)

اُس نے غصے سے کہا۔

دھنپت سنگھ نے خونخوار نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''ابھی تیرا دماغ ٹھیک کرتا ہوں سالے''۔

دھنپت سنگھ نے کہتے ہوئے چابی سے تالا کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔منیجر بھی طیش میں آ گیا لیکن رادھے شیام جو اُسے جانتا اور اُس کے مالک کی حیثیت کو پہچانتا تھا اُسے بازو سے پکڑ کر دوسری طرف لے گیا۔

اُس نے منت سماجت کر کے منیجر کو وہاں سے بھگا دیا۔

دھنپت سنگھ نے چابی کو مختلف انداز سے گھمایا لیکن خدا جانے فرار ہونے پہلے نعمان نے تالے میں کیا گڑبڑ کر دی تھی کہ اس نے کھلنے سے ہی انکار کر دیا۔

''ڈیم اِٹ''

دھنپت سنگھ نے تنگ آ کر گالیاں دینی شروع کر دیں۔

اُس کے اشارے پر دو کمانڈوز نے کندھے مار کر دروازہ کھولنا چاہا لیکن مضبوط لکڑی سے بنے دروازے پر کوئی اثر نہ ہوا۔دھنپت سنگھ نے ایک کمانڈو کی گن سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر دروازے کے تالے پر آٹھ دس گولیاں برسا کر اپنا غصہ ٹھنڈا کیا تو باقی کمروں سے خوفزدہ مسافروں کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔

دروازہ کھل گیا تھا۔

دھنپت سنگھ اور مسلح کمانڈوز جب ''حالت جنگ'' کے انداز میں اپنے ہتھیار لہراتے ہوئے اندر گئے تو خالی بستر اُن کا منہ چڑانے لگا۔

کمرے کی کھڑکیاں بند تھیں۔باتھ روم خالی تھا۔سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اُسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔اس بات کی یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد ہی وہ اوپر آئے تھے کہ امیت پانڈے اپنے کمرہ نمبر 220 میں موجود ہے۔

''کہاں گیا.....کہاں گیا؟''

غصے سے چیختے ہوئے دھنپت سنگھ نے رادھے شیام کی طرف دیکھ کر اس طرح دریافت کیا جیسے اُسے فرار کروانے کا وہی ذمہ دار ہو۔

''ہوٹل میں ہی ہو گا سر!کہاں جا سکتا ہے اتنی جلدی؟''

رادھے شیام نے جان بچانے کے لئے کہا۔

''بے وقوف میرا کیا منہ دیکھ رہے ہو.....ڈھونڈو اُسے.....پکڑو اُسے.....''

دھنپت سنگھ نے جنونی انداز سے چیختے ہوئے کہا۔

رادھے شیام اور اُس کے تعاقب میں کمانڈوز واپس ہوٹل کے گراؤنڈ فلور کی طرف بھاگے جبکہ دھنپت سنگھ نے اپنے ساتھ موجود کمانڈو کو کمرے کے باہر پہرہ دینے اور ''کسی کو اندر نہ داخل ہونے دینا'' کے احکامات دیتے ہوئے نیچے جانا چاہا۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی اُس کا سامنا گھبرائے ہوئے اُن مہمانوں سے ہوا جو اس منزل کے دوسرے کمروں سے نکل کر باہر آ گئے تھے۔

''کیا بات ہے؟''

''کیا ہوا؟''

''کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟''

''اے مسٹر کیا معاملہ ہے؟''

مختلف آوازوں نے اُسے گھیر لیا۔

''کچھ نہیں..... کچھ نہیں..... سب نارمل ہے''۔

دھنپت سنگھ نے کہہ کر اپنی جان چھڑانی چاہی۔

''سالے! سب نارمل ہے تو گولیاں تمہارے باپ نے چلائی ہیں''۔

شراب کے نشے میں دھت ایک سکھ نے جو صرف کچھا اور بنیان پہنے وہاں آ گیا تھا لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

''تیری تو.....''

دھنپت سنگھ نے غصے سے کھولتے ہوئے اُسے گالی دی اور جواب میں سکھ کے منہ سے مغلظات کا طوفان اُبل پڑا۔

''دھنپت سنگھ کا بھیجا گھوم گیا..... اُس نے سکھ پر حملہ کیا تو جواب میں سکھ نے اُس کے منہ پر گھونسا مار دیا۔

دھنپت سنگھ نے غصے سے بے قابو ہو کر پستول اُس کی طرف سیدھا کر لیا۔ اس سے پہلے کہ سردار کوئی اگلا قدم اٹھائے دو تین مانڈوز اُس کی مدد کے لئے وہاں پہنچ گئے۔ دھنپت سنگھ نے گالیاں دیتے ہوئے سکھ کو پکڑ کر نیچے لانے کا حکم دیا۔ کمانڈوز نے اُسے قابو کر لیا اور دھنپت سنگھ اُسے گھسیٹتے ہوئے لفٹ کا طرف لے گیا۔ اپنا غصہ نارمل کرنے کے لئے وہ لفٹ تک اُسے ٹھوکریں مارتے اور گالیاں بکتے ہوئے لے جا رہے تھا جبکہ کوریڈور میں کھڑے باقی کمروں کے مکین اُسے برا بھلا کہہ رہے تھے۔

گراؤنڈ فلور پر شادی کی کوئی تقریب چل رہی تھی۔ جیسے ہی وہاں کمانڈور پہنچے

لوں میں کھلبلی مچ گئی۔ ایک طوفان بدتمیزی ہر طرف دکھائی دے رہا رہا تھا۔ لوگ خوف اور ہراہٹ سے مختلف کونوں کھدروں کی طرف بھاگ رہے تھے۔

کمانڈوز بھاگتے ہوئے لوگوں کو پکڑنے اور ہوٹل انتظامیہ کے سامنے لا کر پوچھنے لگے کہ امیت پانڈے یہی تو نہیں؟

یہ طوفان بدتمیزی کافی دیر برپا رہا جس کے بعد بالآخر دھنپت سنگھ ہوٹل کے تین چار زمین اور شرابی سکھ کو گاڑی میں بٹھا کر اپنے ہیڈ کوارٹر لے آیا۔

.....☆.....

نیپال کے سیکورٹی چیف بھوپندر اسنگھ کو یہ اطلاع اُس کے خصوصی نمبر پر ملی تھی۔ یہ نمبر بہت کم لوگوں کے علم میں تھا اور یہاں آنے والی ہر کال فوراً ٹریس ہو جایا کرتی تھی۔ فون کرنے والی آواز اجنبی ہونے کے سبب وہ چونکا اور دوسرے ہی لمحے اُس نے ایک پش بٹن دبا دیا جس کا مطلب تھا کہ اس کال کی لوکیشن معلوم کی جائے۔

اس کام پر مامور عملے نے بہت پھرتی دکھائی تھی اور بمشکل ڈیڑھ منٹ بعد اُس کے سامنے ایک کاغذ پر سوال کا جواب موجود تھا لیکن تب تک کال کرنے والا فون رکھ چکا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ''.....

بھوپندر اسنگھ نے فون لوکیشن دیکھ کر قدرے پریشانی سے کہا۔ یہ کال کھٹمنڈو کے ایک سرکاری دفتر سے کی گئی تھی جس کا دور دور تک بھوپندر اسنگھ سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔

''چیک کرو''

اُس نے اپنے سامنے کھڑے مستعد انٹیلی جنس آفیسر کو حکم دیا۔

''یس سر''

دونوں ایڑیاں بجا کر اطاعت کی گئی اور انسپکٹر وہاں سے چلا گیا۔

بھوپندر اسنگھ ایک مرتبہ پھر سوچ میں پڑ گیا کہ اُس کا فوری ردعمل کیا ہونا چاہئے؟ کال کرنے والے نے اس اہم اور خصوصی نمبر پر اطلاع دی تھی کہ بھارتی انٹیلی جنس کے دو اہم آفیسر کھٹمنڈو کے پوش ایریا میں موجود سمانتھا نام کی لڑکی کے اپارٹمنٹ پر طبی امداد کے منتظر ہیں اگر مزید تاخیر کی گئی تو اُن میں سے ایک تو ضرور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور یہ قتل بھارتی حکومت نیپال حکومت کے سر منڈھ دے گی۔ کال کرنے والا اور اسے وصول کرنے والا دونوں اس بات سے آگاہ تھے کہ یہ اطلاع کسی عام نیپالی پولیس آفیسر کے بجائے سیکورٹی چیف بھوپندر اسنگھ ہی کو کیوں دی گئی ہے؟

اس کی وجہ تھی بھوپندر اسنگھ کی بھارتی انٹیلی جنس کا نیپال میں روز بروز بڑھتی بے جا مداخلت پر احتجاج.....!

بھوپندر اسنگھ نے دو مرتبہ استعفیٰ دینے کی کوشش کی تھی کیونکہ اُس کی اپنے وزارت خارجہ اور وزارت داخلہ دونوں سے سخت چپقلش چل رہی تھی جنہوں نے بھارتیوں کو اتنا ''فری ہینڈ'' (Free Hand) دیا ہوا تھا کہ بھوپندر اسنگھ کے نزدیک انڈین مداخلت کی وجہ سے نیپال کا اقتدار اعلیٰ بھی خطرے میں پڑنے لگا تھا۔

کھٹمنڈو ائرپورٹ سے جہاز اغوا ہونے کے بعد سے تو جیسے بھارتیوں کے لئے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا.....انہوں نے نیپال کی حکومت پر باقاعدہ چڑھائی کر دی تھی اور یہ تاثر دینے کی بھرپور کوشش کی تھی کہ اُن کی نالائقی یا پھر اُن کے کسی اہلکار کی پاکستانی انٹیلی جنس کے ساتھ ملی بھگت کے بغیر جہاز کا اغوا ممکن نہیں تھا۔

نیپال کی کمزور حکومت کے لئے جہاز اغوا ہونے کے بعد بین الاقوامی سطح پر ہونے والے پراپیگنڈہ کے بعد خود کو بھارت کے اس سفارتی وار سے بچانا ممکن بھی نہیں رہا تھا۔ وہ

خاموشی سے بھارتی خواہشات کے سامنے سر جھکاتے چلے گئے۔ بصورت دیگر نیپال کے شمال میں موجود پہاڑی سلسلے میں چھپے ''ماؤ باغیوں'' کی طرف سے مزاحمت شدت اختیار کر جاتی اور وہ حکومت کے لئے لاینحل مسائل کھڑے کر دیا کرتے تھے۔ ماضی کا تجربہ اس بات کا شاہد تھا کہ جب کبھی بھارتی حکومت کی خواہش کے احترام میں نیپالی سرکار نے پس وپیش کی فوراً ماؤ باغیوں کی سرگرمیاں بڑھ جایا کرتی تھیں اور بے گناہ شہریوں کے خون کی ندیاں بہنے لگتی تھیں۔

جہاز اغوا کرنے والے اپنے ساتھیوں کو چھڑانے میں تو کامیاب ہو گئے تھے لیکن انہوں نے نیپالی حکومت کے لئے ایک مستقل دردسر کھڑا کر دیا جس کے بعد سے بھارت کا باقاعدہ ایک انٹیلی جنس سب ہیڈ کوارٹر نیپال میں ''کوآرڈی نیشن'' کے کام پر کھل گیا تھا۔

بھوپندر اسنگھ کے لئے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ کھٹمنڈو سے سری لنکا کی ائر لائن کا جہاز ہائی جیک ہونے کے بعد آخر بھارت کا ردعمل ماضی جیسا کیوں نہیں؟ اس کے تمام ذرائع نے یہ بات مکمل تحقیق وتفتیش کے بعد حکومت تک پہنچا دی تھی کہ سری لنکن ائر لائن کے اغوا کا کرنامہ کسی اور نے نہیں بلکہ ''را'' نے انجام دیا ہے۔ اور یہ اس لئے ممکن ہوا کہ ''کوآرڈی نیشن'' کی آڑ میں بھارتی ایجنٹ نیپال میں دندناتے پھر رہے ہیں۔

لیکن.....حسب سابق حکومت کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی گئی تھی۔ اگر کسی سطح پر بھارت نے حکومت کے احتجاج کیا تھا تو بھوپندر اسنگھ کو اس بات کا علم نہیں ہو سکا تھا البتہ اسے مطمئن کرنے کے لئے کہہ دیا گیا تھا کہ حکومت نے اپنے ''چینلز'' سے احتجاج ریکارڈ کروا دیا ہے اور بھارتی حکومت نے اپنے طور پر تحقیقات کا وعدہ بھی کر لیا ہے۔

بھوپندر اسنگھ جانتا تھا کہ یہ سب اُسے تسلی دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اس دنیا میں جہاں صرف اور صرف طاقت دھونس اور دھاندلی کا راج چلتا ہو وہاں ایک کمزور ہمسائے کی حیثیت ہی کیا ہے؟

''ممکن ہے یہ اطلاع جو اسے دی گئی ہے اُس کے کس کام آ سکے گی؟''

اچانک ہی یہ خیال اُس کے دل میں پیدا ہوا۔

یہ بات تو وہ جانتا تھا کہ اُس کے اور حکومت کے ''تعلقات'' کا علم اعلیٰ سرکاری ملازمین کے ایک خاص حلقے کو ہے اور نیپال کے سرکاری حلقوں میں بھارتی مداخلت سے متعلق عموماً اسی طرح کے جذبات پائے جاتے تھے جیسے جذبات بھوپندر اسنگھ رکھتا تھا۔ چونکہ اُس کا تعلق شاہی خانوادے سے تھا اس لئے وہ کھل کر اپنے حلقہ احباب میں بھارت کے خلاف جذبات کا اظہار کر دیا کرتا تھا۔ باقی لوگوں کے لئے ایسا ممکن نہیں تھا کیونکہ نیپال کے سرکاری حلقوں تک بھارتی انٹیلی جنس کو رسائی حاصل تھی اور وہ یہاں موجود اپنے مخالفین پر کڑی نظر رکھتے تھے عموماً اُن کے لئے مسائل کھڑے کر دیا کرتے تھے۔ ماضی میں ایسی مثالیں بھی سامنے آئی تھیں جب ''را'' کی طرف سے اپنے مخالفین کو خاموشی سے ٹھکانے لگا دیا گیا یا پھر انہیں سرکاری ملازمت سے رخصت مل گئی۔

بھوپندر اسنگھ نے فوراً اپنے ڈپٹی کو طلب کر کے جو یہاں اُس کا اعتماد والا سب سے اہم آفیسر تھا صورتحال سے آگاہ کیا اور اگلے ہی لمحے نیپالی انٹیلی جنس کے افسران فون پر بتائی گئی جگہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

بھوپندر اسنگھ نے اُس جگہ کا نوٹس نہ لیا جہاں سے اُسے فون کیا گیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فون کرنے والے نے جان بوجھ کر یہ نمبر استعمال کیا ہے جبکہ اُس کا تعلق اس محکمے سے نہیں ہو سکتا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ یہ کال ٹریس ہو جائے گی اور وہ کسی بے گناہ کو مصیبت میں ڈالنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ البتہ بھوپندر اسنگھ کی ہدایت پر اپنے اس ہمدرد اور اتنی اہم جانکاری رکھنے والے کی تلاش کا خفیہ آپریشن جاری رکھنے کی ہدایت کر دی گئی تھی۔

☆☆☆

اشوک اور اُس کے ساتھی کی بے ہوشی طویل ہونے میں اُن کے جسم پر لگنے والی خصوصی ضربات کے علاوہ اُس رومال نے بھی اہم کردار ادا کیا تھا جو حملہ آور نے جاتے ہوئے اُن دونوں کو سونگھا دیا تھا۔ کتنی دیر وہ بے ہوش رہے؟ اس کا اندازہ انہیں نہیں ہوا تھا

کیونکہ دونوں کو ایک دوسرے سے بمشکل ایک دو منٹ کے وقفے سے ہوش آ گیا تھا.....اور اب وہ بدقت تمام اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے صوفے تک پہنچے اور وہاں بیٹھنے کے قابل ہوئے تھے۔

دونوں نے ہوش میں آتے ہی سانتھا اور حملہ آوروں کو گالیاں دینا شروع کر دی تھیں لیکن ابھی ان کے جسم اُن کے دماغی احکامات کی مکمل تابعداری کے لائق نہیں ہوئے تھے۔ خدا جانے حملہ آور نے انہیں کون سی گیس سونگھا دی تھی دونوں کو اپنے اعصاب تڑختے محسوس ہو رہے تھے۔

سانتھا اور حملہ آور کو مغلظات بکتے اشوک کو اچانک یاد آ گیا کہ یہ بہرحال بھارت دوسرا دیش ہے جہاں سے اُسکی گرفتاری اُسکے کیریئر کے لئے کوئی مسئلہ بھی کھڑا کر سکتی ہے۔

''نکلو.....''

اُس کے منہ سے بمشکل نکل پایا جب اچانک دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔ گھبرائی ہوئی نظروں سے دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور چاہا کہ اٹھ کر کھڑکی کے راستے چھلانگ مار کر بھاگ جائیں لیکن اُن کے جسم ابھی تک مکمل نقل و حرکت کے قابل ہی کہاں تھے۔

اشوک نے اپنے منہ پر انگلی رکھ کر اپنے ساتھی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا جو ہوش میں آنے کی بعد سے دل ہی دل میں اشوک کو مسلسل گالیاں دے رہا تھا جو اُسے یہاں سانتھا کے ساتھ کچھ مزے اڑانے کے بعد ٹھکانے لگانے کا مشن لے کر آیا تھا لیکن جس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ سانتھا کے اپارٹمنٹ پر مزاحمت بھی ہو سکتی ہے۔

اشوک کے ساتھی کا خیال تھا کہ اگر پہلے سے یہ بات اس کے علم میں ہوتی تو وہ حملہ آور سے نمٹ سکتے تھے جبکہ اشوک اُسے یہاں میدان بالکل خالی ہونے کا تاثر دے کر لایا تھا جبکہ صورتحال اسکے بالکل برعکس پیش آئی۔

وہ اپنے دلی جذبات کا اظہار اس لئے اونچی آواز میں نہیں کر سکتا تھا کہ اُس کی حیثیت اشوک کے ایک تنخواہ دار ایجنٹ سے زیادہ نہیں تھی اور وہ بھارت نہیں بلکہ نیپال کا شہری تھا۔ دروازے پر ہونے والی دھما چوکڑی نے اُس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ یہاں سے اُس کی گرفتاری کے بعد نیپالی انٹیلی جنس کے ہاتھوں جو درگت بننے والی تھی اُس کا تصور ہی بڑا جان لیوا تھا۔

دروازے پر آہٹ کے بمشکل ایک ڈیڑھ منٹ بعد دروازہ ٹوٹ کر اندر گر گیا اور دوسرے ہی لمحے پانچ سرکاری اہل کار اُن کی طرف پستولیں تانے کھڑے تھے۔ خصوصی تربیت حاصل کرنے والے ان جوانوں نے اگلے ایک منٹ میں ان کے ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ دیئے' آنکھوں پر کالی پٹیاں چڑھا دیں اور اب وہ دونوں کو دو الگ الگ جیپوں میں ڈال کر اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف لے جا رہے تھے۔

دونوں کے ہوش و حواس یہاں پہنچنے تک بحال ہو چکے تھے۔ اشوک نے انہیں اپنا تعارف بھارتی ایمبیسی کے اہلکار کی حیثیت سے کرواتے ہوئے کچھ کہنے سے انکار کر دیا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ اُس کا رابطہ فوراً اُس کی ایمبیسی سے کروایا جائے۔

نیپالی اہلکار پہلے سے تاؤ کھائے بیٹھے تھے انہوں نے اشوک کی خواہش کا احترام کرنے سے پہلے مار مار کر اُس کا بھرکس نکال دیا اور جب بھارتی سفارتکار اُسے وصول کرنے آئے تو اشوک کی شکل پہچاننے لائق نہیں رہی تھی۔ اُس کی ایک آنکھ مکمل اور ایک آدھی چہرے پر آنے والی سوجن کی وجہ سے بند ہو چکی تھی۔ زبان لڑکھڑا رہی تھی اور وہ اپنے قدموں پر چلنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

نیپالی پولیس چیف نے بتایا تھا کہ انہوں نے مخبر کی اطلاع پر اشوک کو ایک فلیٹ سے برآمد کیا ہے جس کی مالکہ سانتھا نامی کوئی لڑکی ہے۔ جب نیپالی پولیس وہاں پہنچی تو لڑکی غائب تھی جبکہ اشوک بے ہوشی کی حالت میں وہاں انہیں جس حالت میں ملا انہوں نے ویسا ہی بھارتی ہائی کمیشن کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

''ہم نے بوھت کوس کیا کہ یہ صاب ڈاکٹر سے مل لے.....'' نیپالی پولیس چیف نے ٹوٹی پھوٹی ہندی میں کہا..... ''لیکن یہ صاحب ڈاکٹر سے علاج کروانے کا بجائے آپ کو بلانے کا جد کرتا رہا''۔

اشوک کے کان ابھی ڈھنگ سے بات سن سکتے تھے حالانکہ ایک نیپالی نے جب شدید نفرت سے اُس کے دائیں گال پر زوردار گھونسا مارا تو اُسے اپنے دائیں کان کی سماعت ختم ہونے کا احساس ہوا تھا۔

نیپالی پولیس چیف کے اس فقرے نے اُس کے دونوں کانوں میں پگھلتا ہوا سیسہ انڈھیل دیا۔ اُس کا جی چاہتا تھا گلا پھاڑ پھاڑ کر ان کو گالیاں دے۔ اس طرح اس کے خون کا اُبال شاید کچھ کم پڑ جائے لیکن اُس کے لئے زبان چلانا ابھی ممکن نہیں تھا۔ اُس کے ہونٹ اندر سے بری طرح پھٹ چکے تھے۔ پانچ نیپالی پولیس والوں نے جونجانے کب سے اُس کے منتظر تھے اُسے درندوں کی طرح مارا تھا۔ پانچوں نے بیک وقت احکامات کے تحت صرف ہاتھوں سے کام لیا تھا لیکن اُن کے ہاتھ آہنی ہتھوڑوں کی طرح اُس کے جسم پر برس رہے تھے۔ ایک تو اُن میں سے یقیناً مارشل آرٹس کا چیمپئن تھا جس نے صرف لاتوں سے اُس کی دھنائی کی تھی۔ اشوک کو یقین تھا کہ اُس کی دو پسلیاں کم از کم ضرور ٹوٹ چکی تھیں۔

نیپالی پولیس والوں نے سفارتخانے سے آنے والے مہمانوں کو اپنی روایات اور بھارت کے ساتھ اپنی دوستی کی وجہ سے مکمل احترام اور پروٹوکول دیا تھا۔ اُن کی مدارت ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود چائے اور دوسرے لوازمات سے کی تھی اور بڑے ادب واحترام سے انہیں رخصت بھی کیا تھا۔

بھارتی سفارتکاروں نے اُن سے درخواست کی تھی کہ پریس کو اس واقعہ کی اطلاع نہ دیں کیونکہ یہ ''سفارتی میٹر'' ہے۔ پولیس اہلکار جانتے تھے کہ جلد ہی یہ ہدایت انہیں حکومت کی طرف سے بھی مل جائے گی اس لئے انہوں نے بھارتی سفارتکاروں کی تسلی کروادی تھی کہ یہ معاملہ اُن تک ہی محدود رہے گا۔

انہوں نے بھارتی مہمانوں اور مضروب اشوک کو بڑے احترام سے رخصت کیا تھا۔ اشوک کے لئے انہوں نے ایمبولینس اور ڈاکٹر منگوانے کی پیشکش کی تھی لیکن بھارتیوں نے بصد شکریہ اسے قبول نہ کیا۔ وہ ایمبیسی میں موجود اپنے ڈاکٹر سے ہی اشوک کا علاج کروانا چاہتے تھے جس کی جسمانی کے ساتھ ساتھ اب ذہنی حالت بھی بگڑنے لگی تھی۔ وہ کچھ بولنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن غصے اور شدید زخمی ہونے کی وجہ سے اُس کے منہ سے ڈھنگ کے الفاظ بھی نہیں نکل رہے تھے۔ کچھ گالیاں البتہ ضرور اُس کی زبان نے اُگلی تھیں لیکن ابھی تک بھارتی سفارتکاروں کو بھی یہ سمجھ نہیں آئی تھی کہ یہ گالیاں وہ کسے دے رہا ہے؟

اپنے اہلکار کی وصولی کی رسید دے کر شکریہ ادا کرنے کے بعد یہ قافلہ مضروب اشوک سمیت بھارتی ایمبیسی کی طرف روانہ ہوگیا۔

اشوک کے ساتھی سے پولیس نے اب تک جو معلومات حاصل کی تھیں اُن کے مطابق وہ ''را'' کے لئے بطور گینگسٹر کام کر رہا تھا۔ اُس کے ذمہ صرف اشوک کی طرف سے احکامات ملنے پر ''ٹارگٹ'' کی ہڈی پسلی توڑنا یا پھر اُسے قتل کرنا بھی شامل تھا۔

سمانتھا کے گھر پنکھے سے لٹکتی رسی کا معمہ اُس نے بالآخر شام تک مار کھانے کے بعد حل کر دیا اور بتایا کہ اشوک کے حکم پر انہوں نے سمانتھا کو ایسے قتل کرنا تھا کہ بادی النظر میں یہ خودکشی کا کیس دکھائی دے۔ ابھی تک اُس نے کسی قتل کا اقرار نہیں کیا تھا لیکن اگلے روز جب اُس کا چارج نیپالی انٹیلی جنس نے سنبھالا تو اُس نے شام ہونے سے پہلے ماضی قریب کے تین قتل اور پاکستانی ایمبیسی کے اہلکاروں پر دو حملوں کی ذمہ داری بھی قبول کر لی۔ اُس نے اپنے اقبالی بیان میں بتا دیا کہ یہ سب کچھ ''را'' کے اسٹیشن انچارج اشوک اور اس سے پہلے کے انچارج مسٹر پرکاش کے حکم پر کیا تھا۔

نیپالی انٹیلی جنس چیف بھوپندر اسنگھ کو ایک ایک لمحے کی رپورٹ دی جا رہی تھی۔ یہ بات وہ جانتا تھا کہ اُس کے ماتحتوں نے سری لنکن جہاز کے اغوا کے بعد سے جن دو مشکوک لوگوں پر کڑی نظر رکھی تھی اُن میں سے ایک ٹریول ایجنٹ شاہد میاں پراسرار حالات

میں مارا جا چکا ہے جبکہ سمانتھا غائب ہے اور ''را'' نے سمانتھا کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔

دونوں حملہ آوروں سے سمانتھا کی جان کس نے بچائی؟

سمانتھا کہاں غائب ہوگئی؟

ان دونوں سوالات پر اُس نے غور شروع کیا تو ان کا جواب بھی اُسے جلد ہی مل گیا۔

بھوپندر اسنگھ بے اختیار مسکرا دیا۔

''بڑے سمارٹ لوگ ہیں..... ''را'' والے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے''۔

اُس نے اپنے سامنے بیٹھے اپنے ماتحت سے کہا اور دونوں قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔

دونوں جانتے تھے کہ جلدی انہیں سمانتھا کے مسئلے پر بھی کوئی ''سرپرائز'' ملنے والا ہے۔

لیکن دونوں کو اس بات کا علم تھا کہ سمانتھا کی جان بچانے والے نیپالی انٹیلی جنس کے نادیدہ ہمدرد کوئی ایسا مسئلہ کھڑا نہیں کریں گے جو ان کے لئے پریشانی یا پشیمانی کا باعث ہو۔ وہ اس گندے اور گھناؤنے کھیل کے ساتھ ساتھ نیپالی حکومت کی مجبوریوں کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے اور ایک ''دوست'' ہونے کے ناطے نیپال کے لئے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کریں گے۔

☆☆☆

وہ رات سمانتھا کی زندگی کا سب سے ڈراؤنا خواب تھی۔

اگر یہ اجنبی جس نے اپنا نام حامد بتایا تھا اُس کی مدد کو نہ آیا ہوتا تو آج صبح یا شاید دو تین روز بعد جب اُس کے اپارٹمنٹ کا دروازہ توڑا جاتا تو اُس کی بدبودار لاش برآمد ہوتی اور یہ باور کر لیا جاتا کہ اُس نے خودکشی کی ہے۔ اُس کی لاش تو وصول کرنے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔ والدین تو کب کے مر چکے تھے کوئی اُس کا سگا بہن بھائی تھا نہیں۔ جو دور پار کے رشتہ دار تھے انہیں سمانتھا سے کچھ لینا دینا نہیں تھا شاید ہی وہ کسی خاندانی تقریب میں شریک ہوتی تھی۔ چرچ میں اُس سوائے اہم مذہبی تقاریب کے کبھی جانا نہیں ہوا تھا۔

اُس کی زندگی تھی ہی کیا..... صبح سے شام تک بس کام ہی کام..... یا پھر کبھی کبھی رات گئے شراب نوشی اور..... اور..... اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہیں سکتی تھی۔ اُسے اپنے آپ سے گھن آنے لگی تھی۔

یہ احساس کہ اشوک اور اس سے پہلے پرکاش اُسے استعمال کرتے رہے ہیں اور وہ بھی انتہائی گھناؤنے مقاصد کے لئے..... اُس کے لئے سوہان روح بنتا جا رہا تھا۔ سری لنکن ائرلائن جہاز کے اغوا کا وہ خوامخواہ خود کو ذمہ دار سمجھنے لگی تھی حالانکہ اُس کا اس سے دور دور تک کوئی واسطہ نہ تھا۔ اگر اُسے اس بات کا علم ہوتا یا اُسے ''را'' بتا دیتی کہ وہ جہاز کے اغوا کی کسی کارروائی میں ملوث ہیں تو وہ اپنی جان پر کھیل کر نیپالی پولیس کو اس کی اطلاع کر دیتی۔

وہ ایسی ہی تھی.....

یہ احساس کبھی کبھی اُسے ستانے لگتا تھا کہ وہ کسی غیر ملکی انٹیلی جنس کے لئے کام کر رہی ہے لیکن اس کام کی نوعیت ایسی تھی جس پر اُسے کوئی خاص پچھتاوا نہیں ہوتا تھا۔ اُسے کرنا ہی کیا ہوتا تھا؟ بس یہی کہ پاکستان ایمبیسی سے کس کے نام کا کہاں ٹکٹ بنا ہے اور جانے والا کس فلائٹ سے جا رہا ہے۔

اس کے علاوہ تو اس نے کبھی کوئی کام نہیں کیا تھا۔

پھر یہ لوگ میری جان لینے کیوں آ گئے تھے؟

اُس نے کئی مرتبہ خود سے یہ سوال کیا لیکن اس کا کوئی جواب اُسے نہیں مل سکا۔

اور..... جب اگلے روز رات گئے حامد واپس آیا تو اُس نے یہ سوال اُس سے بھی کر دیا۔

''اپنے جرم کا نشان مٹانے کے لئے''۔

حامد نے جس کی کنپٹیوں پر سفید بالوں کی چاندنی اُتر آئی تھی اُس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

اُس نے بے ساختہ احتجاج کیا۔

اور.....اجنبی حامد نے اُسے ساری کہانی سمجھا دی۔ اُس نے بتایا کہ سری لنکن ائر لائن کا جہاز ''را'' نے ہائی جیک کیا تھا صرف ایک پاکستانی سفارت کار نعمان کو ہلاک کرنے کے لئے جس کی بکنگ اُس کے ذریعے کروائی گئی کیونکہ یہ بکنگ سمانتھا نے out of way کروائی تھی اسی لئے جلد یا بدیر نیپالی انٹیلی جنس یا پاکستانی ایجنسی اُس تک پہنچ جاتی اور اُن لوگوں کو اس جرم کا کوئی سراغ مل جاتا۔

ہائی جیکر تو انہوں نے مار ڈالے تھے۔ وہ بے چارے تو اب کچھ کہنے سے رہے۔ نہ ہی انہوں نے مرنے سے پہلے اپنی کوئی شناخت بتائی تھی کہ دنیا کو اس ہائی جیکنگ کی اصلیت کا علم ہوتا۔

حامد نے اُسے بتایا کہ اسی طرح معصومانہ طریقے سے یا بلیک میلنگ کے ذریعے یہ لوگ اپنے گھناؤنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور پھر سمانتھا کی طرح اپنے مہروں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔

''میں انہیں بے نقاب کروں گی.....میں ساری دنیا کو بتا دوں گی کہ یہ کتنے گھناؤنے اور خطرناک لوگ ہیں''۔

سمانتھا نے غصے سے بے قابو ہو کر کہا۔

اُسے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اُس کی حیثیت کسی تیسرے درجے کی ویشیا سے زیادہ نہیں تھی اور ''را'' والوں کے لئے وہ سمانتھا کے بجائے ایک سیکس مشین تھی جسے وہ اپنی جسمانی آسودگی کے لئے استعمال میں لاتے رہے۔

اُسے اپنے آپ سے گھن آنے لگی۔

''سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو سمانتھا.....تم پر کوئی دباؤ نہیں''

حامد نے بڑے ناصحانہ اور مشفقانہ انداز میں اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں نے سوچ سمجھ لیا ہے''

سمانتھا کا جواب فیصلہ کن تھا۔

''لیکن اس کے بعد تمہارا نیپال میں رہنا ممکن نہیں ہوگا..... یہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔ یہاں کوئی اُن سے تمہیں بار بار نہیں بچا سکتا''۔

حامد نے یہ بات شاید اُس کا عزم آزمانے کے لئے کی تھی اور اب اُس کے چہرے کے تاثرات سے اُس کی دلی کیفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اب بھی وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے.....آخر میں اُن کے شکنجے سے نکل کر آئی ہوں''.....سمانتھا نے قریباً بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''سمانتھا ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ اگر تم رضا کارانہ طور پر بغیر کسی جبر یا دباؤ کے یہ سچائی دنیا کے سامنے لانے کا ارادہ رکھتی ہو تو ہم تمہیں مکمل تحفظ دیں گے.....تم اپنی مرضی کی آزاد اور ذمہ دار زندگی بسر کر سکتی ہو.....''

حامد نے اُس کے سامنے دنیا کے کچھ ممالک کے نام دہرائے جہاں وہ سمانتھا کو قانونی تحفظ دلا سکتا تھا۔

اور.....سمانتھا نے ایک یورپی ملک پر صاد کر دیا۔

''ٹھیک ہے''

حامد نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اگلے روز آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ اُس کا رویہ اتنا مہذب اور شریفانہ تھا کہ وہاں وارڈ روب میں موجود خواتین کے مختلف کپڑوں میں سے سمانتھا نے اپنے مزاج کے بالکل برعکس ایسے کپڑوں کا انتخاب کیا تھا جن سے اُس کے بے ہودہ ہونے کا قطعاً احساس نہیں ہوتا تھا۔

ٹریول انڈسٹری سے وابستہ ہونے کے ناطے اُس کا واسطہ ہر طرح کے لوگوں سے رہتا تھا۔ کھٹمنڈو میں موجود دنیا کے قریباً ہر نسل اور مذہب کے ماننے والے اُن کے گاہک تھے۔ اُس کی کئی شامیں مختلف سفارتکاروں کے ساتھ گزرتیں تھیں۔ مختلف سفارتخانوں میں

اپنے کام کے سلسلے میں اُس کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اب تک اُس کی عملی زندگی کا تجربہ یہی تھا کہ دنیا کے قریباً سب مرد تھوڑے سے فرق سے ایک جیسی ذہنیت کے مالک ہیں۔

لیکن..... حامد سے جو عمر میں اس سے بڑا اور بظاہر بہت مستعد اور نوجوان دکھائی دے رہا تھا محض چند گھنٹے کی حادثاتی ملاقات نے اُس کا نظریہ باطل کر دیا تھا۔

سانتھا یہی سمجھ رہی تھی کہ اُسے ''را'' کے خونی شکنجے سے نکال کر اس عافیت گاہ تک پہنچانے والا اب نہایت شریفانہ طریقے سے اپنے احسان کی قیمت وصول کرے گا اور اگر وہ ایسا کرتا تو شاید سانتھا کے لئے اس سے زیادہ آسودگی کی اور کوئی بات نہ ہوتی۔ وہ بہت خوشی سے اس سب کچھ کے لئے تیار ہو جاتی۔ ایسے تجربات سے گزرنا اُس کے لئے نئی بات نہیں تھی۔

لیکن..... حیرت انگیز طور پر اُس نے سانتھا سے کوئی بات ہی نہیں کی۔ سانتھا نے خود دو تین مرتبہ جب دوران گفتگو اُسے یہ احساس دلانا چاہا کہ وہ حامد کے ہر فیصلے کو بڑی خوش دلی کے ساتھ قبول کرنے کے لئے تیار ہے تو بھی اُس نے کوئی پیشرفت نہ کی۔

سانتھما کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ کسی اور سیارے کی مخلوق ہے جس کا جہاز غلطی سے زمین پر لینڈ کر گیا ہے۔ کم از کم اس دنیا کا کوئی باشندہ اُس جیسے سیکسی جسم رکھنے والی خاتون کی پیشکش کبھی نہ ٹھکراتا۔ اس نے تو بڑے بڑے سفارتکاروں کو اپنے قدموں پر لوٹتے دیکھا تھا۔

☆☆☆

''میں اب جا رہا ہوں..... تھوڑی دیر بعد یہاں ایک اور صاحب آئیں گے وہ تمہاری Look کچھ بدل دیں گے۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو.....''

حامد نے اُس کی طرف دیکھ کر سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

''مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے..... آپ جو بھی کریں گے میرے لئے بہتر ہوگا''

سانتھا نے پورے تیقن کے ساتھ کہا۔

''اس اعتماد کا شکریہ''

جواب ملا۔

سانتھا جانتی تھی اُسے یہاں سے لیگل کاغذات کے ذریعے کسی دوسرے ملک پہنچایا جا رہا ہے لیکن انڈین اور نیپالی انٹیلی جنس کی نظروں سے بچنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اُس کا حلیہ اور شناخت تبدیل کر کے اُسے یہاں سے نکالا جائے۔

حامد اُسے ''اپنا خیال رکھنے'' کی تلقین کر کے وہاں سے چلا گیا۔ اُس نے جاتے ہوئے اس بات پر پھر معذرت کی تھی کہ وہ کسی عورت کے بجائے سانتھا کے نئے میک اپ کے لئے کسی مرد کو بھیجے گا کیونکہ یہاں اعتماد کی میک اپ ویمن ملنا مشکل تھا۔

سانتھا کو اُس کی یہ بات بہت عجیب لگی لیکن اُس نے جان لیا تھا کہ یہ لوگ خواتین کا جتنا احترام کرتے ہیں اُس کے بعد ان سے ایسی ہی باتوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔

حامد چلا گیا۔

اُس کی روانگی کے بمشکل ڈیڑھ گھنٹہ بعد ایک چھوٹے سے اٹیچی کیس کے ساتھ وہاں ایک اور تازہ دم مسافر آ گیا جس نے اپنا تعارف ولیم کے نام سے کروایا۔

سانتھا کے لئے اب کسی نام میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اس بزنس کے لوگ اپنے اصلی نام سے اپنا تعارف نہیں کروایا کرتے اور سب سے بڑھ کر اُس کے لئے طمانیت کی بات یہ تھی کہ وہ اب محفوظ ہاتھوں میں ہے۔

اس ملک میں جنم لینے سے جوان ہونے تک وہ خاصی باشعور ہو گئی تھی۔ اُس نے اپنے کیریئر کی ابتدا ایک انڈین ریسٹورنٹ میں ویٹرس کی حیثیت سے کی تھی۔ زندگی کے دس سال بھارت میں گزارے تھے اس لئے اُسے اپنے اور بھارت کے مسائل اور معاملات سے کافی آگاہی تھی۔ دن رات اُس کا واسطہ سفارت کاروں سے رہتا تھا۔ شاہد میاں اکثر اُسے اپنی جگہ کسی سفارتخانے کی تقریب میں شرکت کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔ دونوں اکٹھے بھی جایا کرتے تھے اسی لئے اُسے بہت سے سفارتی آداب اور اسرار و رموز سے بھی

آ گاہی ہوگئی تھی۔

حامد نے سچ کہا تھا۔

یہاں نیپال میں اس کا ''را'' کے انتقام سے بچے رہنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اپنا کھیل بگاڑنے والی اس ''دو ٹکے کی چھوکری'' کو وہ زمین کی تہہ سے نکال کر مار ڈالتے۔ اس نے لاشعوری طور پر اپنا اپارٹمنٹ چھوڑتے ہوئے اس بات کا فیصلہ شاید کر لیا تھا کہ اب اُسے دوبارہ اس ملک میں کبھی واپس نہیں آنا۔ اس لئے اُس نے اپنے تمام تعلیمی سرٹیفکیٹ اور ضروری کاغذات جو اُس نے پہلے سے ایک چرمی تھیلے میں محفوظ رکھے ہوئے تھے اپنے کچھ کپڑوں اور خاندانی تصاویر کے ساتھ اپنے ہمراہ رکھ لئے تھے۔

میک اپ مین اپنے فن میں طاق تھا..... اُس نے ابھی صرف بالوں کی کٹنگ کی تھی اور اُسے اپنا چہرہ بدلا ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔

''ویل ڈن''

آئینے میں اپنی شکل دیکھنے کے بعد بے ساختہ اُس کے منہ سے نکلا۔

''تھینک یو میڈم''

میک اپ مین نے سعادت مندی سے کہا۔

اُس نے کٹنگ کے بعد سانتھا کے بالوں کو جو انداز دیا تھا وہ سانتھا کے دل کو بھا گیا۔ اُسے افسوس ہونے لگا کہ آج سے پہلے ایسا میک اپ مین اُسے کیوں نہ ملا..... لیکن اس کام میں اسے پانچ گھنٹے لگ گئے تھے۔ اس دوران اُس نے مختلف کلپس لگا کر بالوں کی تراش خراش کی اپنی ہیئت دے کر اپنی مرضی کے انداز سے ڈھالا اور آخر میں کسی کیمیکل کے ذریعے اُن کا رنگ سامنے سے اس طرح بدلا کہ وہ بالکل قدرتی دکھائی دے۔

شام ڈھلے حامد بھی آ گیا۔

اُس کے پاس ریکارڈنگ کیمرہ موجود تھا جس میں سانتھا نے اب تک اپنے ساتھ گزرنے والی تمام باتیں بخوشی ریکارڈ کروا دیں۔

حامد نے اُسے ریکارڈنگ کے خاتمے پر ایک مرتبہ پھر کہا کہ اگر وہ یہ سمجھتی ہے کہ اس سے زبردستی ایسا کروایا گیا ہے تو وہ اس ریکارڈنگ کو ضائع کر سکتی ہے۔

لیکن..... سانتھا نے یہ سب کچھ بلا جبر و اکراہ کیا تھا۔

حامد نے اُسے بتایا تھا کہ یہ کیسٹ نیپالی انٹیلی جنس چیف کے لئے ہے تاکہ اُسے تمہاری بے گناہی کا یقین آ جائے اور تمہارے فرار کے بعد تمہارے خلاف یہاں کوئی کریمنل کیس درج نہ ہو جائے۔ اُس نے سانتھا کو یقین دہانی کروائی تھی کہ اس ریکارڈنگ کو وہ کبھی میڈیا کے سامنے نہیں لائیں گے البتہ اپنے ملک کی پریس اور اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے اگر کبھی ضرورت پیش آئی تو اس کا استعمال کیا جائے گا لیکن وہ بھی سفارتی سطح تک محدود رہے گا۔

ریکارڈنگ کے بعد سانتھا خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی جیسے اُس کے سر سے بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ اُس نے ایک مرتبہ پھر حامد کا شکریہ ادا کیا جس نے اُسے نئی زندگی دی تھی۔

رات کو حامد اُس سے الوداعی ملاقات کر کے چلا گیا۔ اُس نے سانتھا کو بتایا کہ اُس کے انتظامات مکمل کر دیئے گئے ہیں اور اگلے سات دن کے اندر اندر اُس سے کئے گئے تمام وعدے پورے کر دیئے جائیں گے۔ نجانے کیوں حامد کی روانگی اور اُس کی طرف سے اس ملاقات کو ''آخری ملاقات'' ہونے کی اطلاع نے سانتھا کو غمگین کر دیا تھا۔ زندگی میں بہت کم مواقع پر وہ اتنی جذباتی ہوئی تھی۔ اُس نے بمشکل اپنی آنکھوں میں آئے آنسو روکے ہوئے تھے۔

''کیا زندگی میں دوبارہ کبھی مل سکیں گے؟''

اچانک ہی اُس نے حامد سے پوچھ لیا۔

''یہ دنیا بہت چھوٹی ہے سانتھا..... کچھ بھی ممکن ہے''۔

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اُسے ایک خوشگوار اور بھرپور زندگی کی دعا دے کر رخصت ہو گیا۔

سانتھا زندگی بھر اپنے اس محسن کو فراموش نہیں کر سکتی تھی جس نے اُس کی زندگی کا رخ ہی بدل کر رکھ دیا۔ اُس کی روانگی کے دو روز بعد تک میک اپ مین وہاں رہا جس نے سانتھا کا چہرہ بالکل بدل ڈالا تھا۔

سانتھا کے نئے کاغذات اُس کی تازہ تصاویر لیکن اصلی نام اور شناخت کے ساتھ اس خوبی سے تیار ہوئے تھے کہ بہت تردّد کر کے پھر بھی اُس کی اصلیت کا علم ہو پاتا۔

اس گھر میں جہاں وہ قیام پذیر تھی اُسے بے پناہ عزت دی جا رہی تھی۔ قریباً سات دن قیام کے بعد ایک روز رات کو اُسے یہاں سے کسی اور جگہ منتقل کر دیا گیا۔ سانتھا کو اُس کے ہمدردوں نے ایک ہمسایہ ملک کی سرحد بذریعہ زمینی سفر عبور کروائی جہاں اُن کے ایک ساتھی نے اُس کا استقبال کیا۔

اُس کے لئے ایک یورپی ملک کی ائرلائن سے سیٹ بک کی گئی تھی اور دوسرے دن شام کو اُس کی فلائٹ تھی۔ ائرپورٹ پر اُسے وہی شخص رخصت کرنے آیا جس نے اُسے وصول کیا تھا اور تب تک وہاں رہا جب تک اُسے اس بات کا یقین نہیں آ گیا کہ سانتھا پرواز کر چکی ہے۔ روانگی کے عین آخری لمحات میں اُس نے ایک ٹیلی فون نمبر جو اُس نے پہلے سے چھوٹے سے کاغذ پر لکھ کر اپنی جیب میں محفوظ کیا ہوا تھا اُسے دیتے ہوئے درخواست کی کہ وہ اپنی رہائش گاہ جس کا انتظام بھی کیا جا چکا تھا پر پہنچنے کے بعد اس نمبر پر فون کر کے صرف اپنی خیریت سے مطلع کر دے۔

یہ اُسی ملک کا نمبر تھا جہاں سانتھا جا رہی تھی..... سانتھا نے اُن کی ہدایات پر عمل کیا اور اپنے نئے گھر میں منتقل ہو گئی جہاں سے اُس کے اس وقت ہی لیگل ہونے کے کام کا آغاز ہوا اور اگلے دس روز میں اُسے سرکاری طور پر اس بات کی یقین دہانی مل گئی کہ ایک قانونی طریق کار مکمل ہونے کے بعد وہ اس ملک کی باقاعدہ شہری بن جائے گی۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اُس کی کوئی بھی شناخت تبدیل نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنے اصلی نام کے ساتھ یہاں کام کر رہی تھی۔ اُس کے محسنوں نے سانتھا کے لئے مقامی ٹریول

جنسی میں اچھی ملازمت کا بندوبست پہلے سے کر رکھا تھا' اگلے چند دنوں میں وہ یہ بات بھول چکی تھی کہ اس کا تعلق نیپال سے ہے۔

☆☆☆

بھوپندر اسنگھ کو مطلوبہ سرپرائز دو روز بعد ہی ایک وڈیو کیسٹ کی شکل میں مل گیا جس میں سانتھا نے بلا جبر و اکراہ تمام تفصیلات بیان کر دی تھیں اور نیپالی انٹیلی جنس جسے پہلے ہی ''را'' کے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں تھی حقائق تک پہنچ گئی۔ بھوپندر اسنگھ نے تمام تفصیلات اعلیٰ حکام تک پہنچائیں لیکن حیرت انگیز طور پر اس مسئلے کو دبا دیا گیا۔

بھوپندر اسنگھ سے درخواست کی گئی کہ وہ اس بات کو بھول جائے اور سرکاری راز کی طرح خود تک محدود رکھے۔

بھوپندرا کو اپنی حکومت کی طرف سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس دنیا میں جرم ضعیفی سے بڑا جرم اور کوئی نہیں جس کی کم از کم سزا مرگ مفاجات ہے جو انہیں بہرحال بھگتنی ہے۔

اُسے اپنے اُس ہمدرد کا نام تو معلوم نہ ہو سکا جس نے اُس تک ٹیلی فون کال کے ذریعے یہی اطلاع اور پھر وڈیو کیسٹ کے ذریعے سارا کچا چٹھا پہنچا دیا تھا لیکن وہ یہ ضرور جان چکا تھا کہ اُس کا تعلق کس ملک سے ہو سکتا تھا۔

اور..... بھوپندر اسنگھ نے وفاداری ایک گورکھا ہونے کے ناطے جس کے خون میں شامل تھی اور جس کی رگوں میں یوں بھی شاہی خون دوڑ رہا تھا اپنی شکرگزاری کے جذبات پاکستان ایمبیسی کی ایک تقریب میں شرکت کے دوران بڑے نامحسوس انداز میں اُس شخص تک پہنچا دیئے جس کا اُسے یقین تھا کہ وہ ان معاملات سے باخبر ہے۔

اُسے اس بات کا ہمیشہ دکھ رہا کہ اتنے اہم ثبوت ہاتھ لگنے کے باوجود آخر اُس کا ملک اس پوزیشن میں بھی کیوں نہیں کہ وہ بھارت سے سفارتی سطح پر ہی سہی لیکن آن دی ریکارڈ احتجاج کرے۔

.....☆.....

جبل پور کب رخصت ہوا اور الہ آباد کب آیا؟ اُسے کچھ خبر نہیں تھی۔ ٹرین نے اس دوران سارا مدھیہ پردیش پاٹ لیا تھا اور اب وہ اُتر پردیش میں پہنچ گئے تھے۔ دس بار گھنٹے کے اس سفر کو اُس نے سوتے جاگتے کاٹا تھا۔ اس دوران بھوک پیاس اُس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکی تھی۔ اُسے اس صورتحال سے نکلنے کا خاصا تجربہ حاصل تھا۔ اگر جبل پور سے معمول کا سفر کیا جاتا تو الہ آباد تین گھنٹے میں پہنچ سکتے تھے لیکن ٹرین راستے میں مختلف سٹیشنوں پر رُکتی آئی تھی۔ ایک جگہ تو شاید اس کا انجن بھی تبدیل ہوا تھا۔

الہ آباد سے کچھ دیر پہلے اُسے اونگھ آ گئی۔ رات بھر کی بھاگ دوڑ اب اثر دکھانے لگی تھی۔ سورج اس کے سر پر چمک رہا تھا جس کی وجہ سے یہاں کی شدید سردی سے وہ محفوظ رہا۔ الہ آباد سے کچھ پہلے ہی شاید سٹیشن کے بالکل آغاز پر ٹرین رُک گئی تھی اور یہاں کچھ معاملات طے پا رہے تھے جن کا احساس اچانک نعمان کے کانوں میں دَر آنے والی اُن آوازوں سے ہوا جو بوگی کے باہر بحث کرنے والوں کی تھیں۔ شاید کچھ لوگ بوگی کے باہر کی

بات پر بحث کر رہے تھے۔

نعمان چوکس ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ کچھ سمجھنے سے قاصر تھا کہ باہر کیا مسئلہ چل رہا ہے۔ وہ لوگ شاید ٹرین کے کسی مسئلے پر بحث کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک بولنے کے بعد شاید وہ آگے نکل گئے کیونکہ اب وہاں کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ نعمان نے اچھی طرح سُن گُن لینے کے بعد باہر جھانک کر صورت حال کی نزاکت کا اندازہ لگانے کے لئے پر تولے اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ بوگی کے اوپر سے باہر جھانکنے کی پوزیشن میں آ چکا تھا۔

بوگی کے باہر دور تک ریلوے لائنوں، کانٹوں اور سگنلز کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا شاید یہ کوئی بڑا ریلوے جنکشن تھا جس جگہ اس مال گاڑی کو روکا گیا تھا وہ سٹیشن کا بالکل ابتدائی اور قدرے ویران علاقہ تھا کیونکہ یہاں اُسے مختلف ٹرینوں کے سرخ نیلے اور سبز ڈبوں کی قطاروں اور اُن کے سر پر لٹکتے بڑے بڑے پانی کے فواروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ شاید یہاں انجنوں کو شنٹنگ اور ڈبوں کی صفائی کے لئے لایا جاتا تھا۔

ٹرین اسٹیشن کے آخری حصے پر رُکی تھی اور اب اُسے باہر ہونے والی بحث کا مطلب بھی سمجھ آنے لگا تھا۔ وہ لوگ شاید ٹرین کو پلیٹ فارم نہ ملنے پر بحث کر رہے تھے کیونکہ انجن کے سامنے کا سگنل ڈاؤن نہیں تھا اور اُسے باہر ہی کھڑے رہنے کا حکم ملا تھا۔

نعمان نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے جسم کو تولا۔ فضا میں اُچھلا اور ٹرین سے نیچے آ گیا۔ اب وہ لائنوں کا طویل سلسلہ عبور کر رہا تھا۔ دو تین ٹرینوں کے ڈبوں سے گزر کر راستہ بناتے ہوئے وہ ایک قدرے آباد پلیٹ فارم تک پہنچ گیا جس کے پل پر سے کچھ لوگ آ جا رہے تھے۔ یہاں ہر کوئی اپنے کام میں اتنا مصروف تھا کہ کسی نے نعمان کی آمد کا نوٹس نہ لیا جو اب ریلوے لائن سے اچھل کر پلیٹ فارم پر پہنچ چکا تھا۔

پلیٹ فارم پر رکھے ایک بنچ پر جہاں پہلے ہی ایک بزرگ اپنے بستر سمیت بیٹھا تھا ایک کونے میں وہ بھی سمٹ کر بیٹھ رہا۔ اب وہاں آہستہ آہستہ لوگوں کی آمد بڑھنے لگی

تھی۔اب تک دو تین ریڑھیاں جن پر چائے اور دوسرے لوازمات سجے تھے وہاں پہنچ چکی تھیں جن کے گرد لوگ جمع ہونے لگے تھے۔

نعمان بھی ہمت کر کے اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک ایسی ہی ریڑھی کے نزدیک پہنچ گیا جہاں سے اُس نے چائے کا ایک گلاس اور بند مکھن خرید کر اپنی توانائی بحال کی۔ابھی وہ بمشکل اس ناشتے سے فارغ ہی ہوا تھا جب ایک انجن کی زوردار وسل سنائی دی جو اسی پلیٹ فارم کی طرف آ رہا تھا۔انجن کے پیچھے ڈبوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ دکھائی دے رہا تھا۔ انجن نزدیک آیا تو اس کے آگے بندھے بڑے بڑے بینرز سے نعمان کو اندازہ ہو گیا کہ یہ بجرنگ دل کے بوائی تھے جو ایودھیا میں ''شیلا نیاس'' (مندر بنانے) کا جلوس لے کر آئے تھے۔اُسے اس بات کا تو بخوبی علم تھا کہ بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنانے کے لئے متعصب ہندو فرقہ پرست تنظیموں نے محاذ بنا رکھا ہے لیکن اس مہم کی شہرت اور عوامی جذبات کا اندازہ اب ہو رہا تھا۔

ٹرین کی رفتار نہ ہونے کے برابر تھی اور اس کے ڈبوں سے باہر گردنیں نکال کر اونچی اونچی آواز سے مجنونانہ انداز میں بجرنگ دل کے کارکن ''شری رام چندر کی جے'' کے نعرے لگا رہے تھے۔اب یہاں موجود تماشائی جو شاید ان کا استقبال کرنے جمع ہوئے تھے وہ بھی اُن کا ساتھ دینے لگے۔

ٹرین رُک گئی.....

بلوائیوں کا جلوس ڈبوں سے اُمنڈنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے پلیٹ فارم گیروی رنگ کے ''بگھوا'' (جھنڈے) سے بھر گیا۔قریباً ہر شخص نے اپنے کندھے پر پیتامبر (پیلے رنگ کا کپڑا) رکھا ہوا تھا اور ماتھے پر بھی اسی رنگ کی پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔

نعمان نے کچھ سوچتے ہوئے اسی جلوس کا حصہ بن جانے کا فیصلہ کیا اور وہ بھی اُن میں اسی طرح گھس گیا جیسے یہاں پہلے سے موجود لوگ اس کا حصہ بنے تھے۔اگلے بمشکل دو تین منٹ میں ایک ''پیتامبر'' کسی کے کندھے سے غائب ہو کر نعمان کے گلے کا ہار بن چکا

تھا اور ایک پیلے رنگ کی پٹی اُس نے کسی سے ہتھیا کر اپنے سر پر باندھ لی تھی۔اُس کی بے ہنگم بڑھی ہوئی ڈاڑھی کے بال گذشتہ دن رات کی مسلسل بھاگ دوڑ سے آنکھوں میں اُتر آنے والی سرخی اور اب اختیار کردہ حلیے کو دیکھ کر کوئی بھی یہ بات آسانی سے کہہ سکتا تھا کہ وہ ''رام جی کا بھگت'' ہے۔

جلوس اب اسٹیشن سے باہر نکل رہا تھا اور الہ آباد سے ہزاروں بجرنگ دل ہندو پریشد اور دوسری متعصب انتہا پسند ہندو تنظیموں کے جنونی اور جوشیلے کارکن جنہوں نے ہاتھوں میں ترشول اور ڈنڈے پکڑ رکھے تھے اس کا حصہ بن چکے تھے۔کسی کارکن کے ہاتھوں سے اب ترشول بھی دھکم پیل میں نکل کر نعمان کے ہاتھوں میں منتقل ہو چکا تھا اور وہ بھی جلوس کے دوسرے لوگوں کی طرح بلند آواز سے اُن کے نعروں کے ساتھ نعرے لگا رہا تھا۔

اسٹیشن کے باہر ''رام چندر جی کے ان دیوانوں'' کے لئے الہ آباد کے جنونی ہندوؤں نے بھوجن کا بندوبست کر رکھا تھا جس پر وحشیوں کی طرح سب ٹوٹ پڑے۔ نعمان نے بھی اپنے پیٹ کا جہنم یہاں موجود دال سبزی سے ٹھنڈا کیا اور حلوہ پرشاد کھا کر خود کو تازہ دم محسوس کرنے گا۔کچھ مقامی لیڈروں نے اشتعال انگیز تقاریر کیں اور وہاں ٹریکٹر ٹرالیاں جمع ہونے لگیں جن پر یہ سب بلوائی سوار ہونے لگے تھے۔ٹرالیوں اور ٹریکٹروں پر پہلے ہی سے بڑے بڑے بینرز اور ترنگے لہرا رہے تھے۔ہر ٹرالی پر سب سے پہلے کسی ننگ دھڑنگ جٹا دھاری کو چڑھایا جاتا جس کے پیچھے دھکم پیل کرتے کارکن سوار ہو جاتے۔

نعمان بھی جلد ہی ایک ایسی ٹرالی کے سواروں میں شامل ہو گیا۔اُس نے اپنے لئے ایک قدرے آرام دہ جگہ ڈھونڈ لی تھی اور اپنا ترشول تھامے فرش پر چوکڑی مار کر بیٹھ رہا تھا۔اس کا حلیہ دیکھ کر یہاں موجود مدقوق سے چہروں والے مریل مریل سے ہندو بلوائی اُسے کوئی مہان ہستی سمجھنے لگے تھے گو کہ اُس نے بھی دوسرے بلوائیوں کی طرح پتلون قمیص ہی پہن رکھی تھی لیکن وہ اس کے نزدیک واقعی کوئی پہنچی ہوئی شے دکھائی دے رہا تھا۔اب

تک کئی بجرنگ دل کے کارکن تو ہاتھ جوڑ کر اُسے ''رام چندر کی جے'' بھی کر چکے تھے۔

نعمان جانتا تھا کہ یہاں سے ایودھیا کی طرف جو راستہ جاتا ہے وہ پرتاپ گڑھ سے ہو کر جائے گا جبکہ اُسے نیپال کی سرحد کی طرف سفر کرنا تھا اور وہ وارانسی کی طرف جانا چاہتا تھا۔

کیا کیا جائے؟

اُس نے سوچا۔ پھر خود کو تن بہ تقدیر چھوڑ دیا۔ فی الوقت اُسے اس جلوس سے زیادہ بہترین اور محفوظ کور (cover) نہیں مل سکتا تھا۔ اُسے اب ان لوگوں کی آڑ میں بھی کچھ فاصلہ طے کرنا تھا۔ اس بات کا نعمان کو ''سانتا کروز'' سے بھاگنے کے بعد اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ وہ ایک ہی روپ دھار کر یہاں سے نیپال کی سرحد تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس طرح عین ممکن ہے اُس کی اصلیت بے نقاب ہو جائے اُس نے تو مختلف علاقوں میں مختلف سوانگ رچائے تھے جو وہ کامیابی سے رچا رہا تھا۔

شری رام چندر جی کا بھگت بننے کا اُس کا کوئی ذاتی پروگرام نہیں تھا وہ تو خود کو تن بہ تقدیر کیے اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔ اُسے یوپی کے سرحدی علاقے ''لابنی'' سے سرحد عبور کرنی تھی جس کا مشاہدہ وہ پہلے کر چکا تھا اور یہاں سے متعلق کچھ معلومات بھی رکھتا تھا۔ اُس کے ذہن میں طے شدہ پروگرام کے مطابق اُسے الہ آباد سے وارانسی' سارناتھ اور شاہ گنج کے راستے گورکھپور تک پہنچنا تھا۔

گورکھپور سرحدی ضلع تھا جہاں سے وہ ''سونالی'' کے راستے ''لابنی'' تک پہنچتا اور اپنی منزل مقصود تک رسائی حاصل کرتا لیکن راستے میں پروگرام اگر تبدیل ہو جائے تو بھی اُسے مڑ کر اپنے اصل راستے پر ہی آنا تھا۔ فی الوقت اس نے یہی ٹھانی تھی کہ رات ہونے تک وہ ان لوگوں کے ساتھ رہے گا پھر موقعہ پا کر کھسک جائے گا۔

لیکن..... اس سے پہلے ہی اُس کے لئے ایک اور موقع قدرت نے یہاں سے نکل کر دوسرا راستہ اپنانے کا پیدا کر دیا تھا۔

☆☆☆

الہ آباد کے اے ٹی ایس سیل کے انچارج دیوی دتا کے پاس جبل پور سے جس میت پانڈے کی انکوائری آئی تھی اُس کی شخصیت اُن لوگوں کے لئے اچانک ہی بڑی اہمیت اختیار کر گئی۔

ہوٹل کیلاش سے ناکام لوٹنے کے بعد دھپت سنگھ کا غصہ دوچند ہو گیا۔ اُس نے سب سے پہلے اپنے کمرے میں جا کر دو پیگ چڑھائے اور خود کو قدرے نارمل کرنے کے بعد رادھے شیام سے کہا کہ وہ اُس سکھ کو پیش کرے جس کا نشہ اب تک خاصا اُتر چکا تھا۔ رادھے شیام کو اس بے چارے پر ترس آنے لگا تھا جو پنجاب سے یہاں کسی کاروباری سلسلے میں آیا اور اس ''شڑ یینتر'' (شیطانی چال) میں پھنس گیا تھا۔ جانے کون سی منحوس گھڑی تھی جب اس سردار نے شراب کے نشے میں دھپت سنگھ جیسے نیم پاگل اور جنونی شخص کو چھیڑ دیا۔

''ہاں بھائی سردار جی کیسے مزاج ہیں تمہارے؟''

دھپت سنگھ نے اُسے خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''شما کر دیجئے مہاراج مجھے علم نہیں تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ مجھے تو اب بتایا ہے انسپکٹر صاحب نے ویسے بھی مہاراج میں نے پی ہوئی تھی''۔

سکھ نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

''بہت چڑھ گئی ہے سالے تجھے..... افسروں کے منہ لگتا ہے''۔

دھپت نے غصے سے کھولتے ہوئے کہا کیونکہ اب اُسے چڑھنے لگی تھی۔ اُس کے ماتحت جانتے تھے کہ اول تو وہ دفتر میں کبھی پیتا ہی نہیں اگر کبھی ایسا ہو جائے تو وہ بالکل درندہ بن جایا کرتا تھا۔

اس سے پہلے کہ سکھ کے منہ سے اگلی بات نکلے اُس نے میز پر دھرا ڈنڈا اُٹھایا اور اُسے وحشیوں کی طرح پیٹنے لگا۔

سردار جی کو شاید اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ عام پولیس کے ہتھے نہیں

چڑھے انٹیلی جنس والوں کے قابو آ گئے ہیں جو اُنہیں گولی مار کر بھی پھینک جائیں تو کوئی قیمت نہیں پڑے گی اور ان کا بال بھی بیکا نہیں ہو سکے گا۔ انہوں نے دونوں ہاتھ باندھ کر کبھی اُس کے پاؤں سے لپٹ کر بار بار روتے اور چیختے چلاتے ہوئے معافی مانگنی چاہی۔

لیکن..... دھنپت سنگھ جیسے وحشی سے جان چھڑانا کہاں ممکن تھا۔ جب تک مارتے مارتے وہ خود ادھ موانہ ہو گیا اُس نے سردار کی جان نہیں چھوڑی اور بالآخر نڈھال ہو کر لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے اُس نے رادھے شیام کو طلب کیا۔

''پھینک آؤ اسے ہوٹل میں''۔

اُس نے سامنے زمین پر زخموں سے نڈھال نیم بے ہوش سکھ کی طرف اشارہ کر کے اُسے مغلظات بکتے ہوئے حکم دیا۔

''یس سر''

اعصاب شکستگی اور انتہائی تھکاوٹ کے شکار رادھے شیام نے کہا اور بے چارے سردار کو سہارا دے کر باہر لے آیا۔ وہ شریف آدمی تھا اور جو کچھ یہاں ہو رہا تھا اُس کے بالکل خلاف..... لیکن کچھ کر نہیں سکتا تھا۔

کمرے سے باہر لا کر اُس نے سردار کو اپنے کمرے میں بٹھایا۔ اُس سے معافی مانگی۔ اُسے زبردستی پانی پلایا پھر خوفزدہ اور احساس ذلت سے قریباً نیم پاگل سکھ کو جو شاید اپنے علاقے کا بڑا امیر بیوپاری تھا اُس کے ہوٹل تک پہنچا کر اپنے کمرے میں بیٹھ رہا۔

سردار کی حالت وہاں آنے والے ہوٹل کے باقی ملازمین سے پوشیدہ نہیں تھی اور انہیں بھی اس بات کی اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ جس جگہ وہ پہنچ گئے ہیں وہاں سے اب اُن کا مالک نہیں بلکہ سارے سنسار کا مالک ہی اُن کی جان بخشی کروائے گا۔ وہ سب بہت خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔

بے چارے کانتا نے پندرہ روز پہلے ہی ہوٹل جوائن کیا تھا کہ یہ مصیبت آن پڑی۔ اگر انہیں علم ہوتا کہ امیت پانڈے نامی شخص اُن کے لئے ایسا عذاب کھڑا کر دے گا تو

وہ کب اُسے اپنے ہاں گھسنے دیتے۔

سہمے ہوئے اور خوفزدہ ملازمین جنہیں کمانڈوز اپنے ہمراہ لائے تھے ایک کمرے میں بیٹھے تھے۔ کانتا بھی ان میں موجود تھی جو مسلسل رو رہی تھی اور سب اُسے مل کر حوصلہ دے رہے تھے۔

اچانک دروازہ کھلا اور ایک انسپکٹر اندر آیا۔

''ریسپشن پر کون سی لڑکی تھی؟''

اس نے قدرے اونچی آواز میں پوچھا اور سب گھبرا گئے۔ آخر کانتا نے ہی ہمت کی کیونکہ اس کے سوا اب کوئی فرار کا راستہ نہیں تھا۔

''مم..... میں تھی سر''۔

خوف سے لڑکھڑاتی آواز میں اُس نے کہا۔

''اپنے آپ کو نارمل کرو..... صاحب نے تمہیں بلایا ہے۔ بڑے سخت افسر ہیں اگر کوئی گڑبڑ کی تو.....''

اُس نے نامکمل بات کہتے ہوئے اس طرح خونخوار نظروں سے کانتا کی طرف دیکھا کہ اُس کو اپنی رگوں میں خون خشک ہونے کا احساس ہوا۔

''جی! جی اچھا''.....

تابعدار بچوں کی طرح اُس نے اطاعت کی۔

''چلو آؤ میرے ساتھ..... اور تم سب یہاں آرام سے بیٹھے رہو۔ اگر کسی نے کوئی چالاکی کی تو یاد رکھنا''۔

شاید اس انسپکٹر کو لوگوں کو ڈرانے کی خاص تربیت دی گئی تھی کیونکہ اپنی بات کے خاتمے پر جس طرح وہ گھور کر انکی طرف دیکھتا تھا سب سہم کر رہ جاتے۔

کانتا نے ذبح ہونے والی بکری کی طرح اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ لڑکھڑاتے قدموں اور بے قابو ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالا اور اُس کے ساتھ دھنپت سنگھ کے

کمرے کی طرف چل دی۔

☆☆☆

''کیا نام ہے تمہارا؟''

اپنے سامنے کھڑی خوفزدہ لڑکی سے دھنپت سنگھ نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے پوچھا۔

اُس نے کانتا کے ہمراہ آنے والے انسپکٹر کو باہر بھیج دیا تھا۔

''کانتا''

لڑکی نے بمشکل نام پکارا۔

''ہوں ں ں ں..... کب سے جانتی ہے تو امیت پانڈے کو.....''

اُس نے اچانک کھڑے ہو کر اُس کی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکا۔

''مم مم مجھے کیا معلوم..... مم مم میں تو.....''

لڑکی پر خوف سے ہکلاہٹ طاری تھی۔ اُس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات شامل نہیں تھی کہ یہ لوگ اُس پر اتنا گھناؤنا الزام لگا دیں گے۔

''اے..... سالی..... چپ چاپ بتائے گی یا بلاؤں کسی ڈنڈے والے کو''۔

اُس نے لڑکی کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔

احساس ذلت وخوف سے کانتا بے اختیار رو دی..... دھنپت سنگھ نے اُس کے منہ پر دور سے تھپڑ مارا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئے دیوار سے جا لگی۔

''چپ..... خبردار اگر آواز نکالی تو.....''

جنونی انداز سے وہ چیخا۔

لڑکی دہشت سے اور خوف سے قریباً سکتہ کی سی کیفیت میں آ گئی۔ اُس نے اپنا گلا تو گھونٹ لیا لیکن سسکیوں پر قابو پانا اُس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ جہاندیدہ دھنپت سنگھ نے اندازہ لگا لیا کہ یہ اُسے نہیں جانتی تھی۔ وہ اپنا پریشر کم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے لڑکی کے لئے پانی منگوایا اُس سے درجنوں الٹے سیدھے سوال کئے اور صبح ہونے تک جب اُس

ی جان چھوٹی تو وہ اس کی خاصی قیمت ادا کر چکی تھی۔ دھنپت سنگھ نے محض کیلاش ہوٹل کی یپشنسٹ ہونے کی اُس سے اتنی زیادہ قیمت وصول کی تھی جو اُس کے وہم وگمان میں بھی آ سکے۔ کانتا نے پولیس کے ظلم وستم اور بے گناہ لڑکیوں کی آبروریزی کے درجنوں اقعات پڑھے اور سنے تھے لیکن آج جس بہمیت کا شکار وہ خود ہوئی تھی اُس کے تصور نے ی اُسے اندر سے مار ڈالا۔ جب صبح وہ دھنپت سنگھ کے کمرے سے باہر نکلی تو اُس کا جسم ہی نہیں روح بھی بری طرح داغدار ہو چکی تھی۔

دھنپت سنگھ نے آخری لمحات پر اُسے کہا تھا کہ اپنے ذہن پر زور دے کر امیت پانڈے کا خاکہ ڈیزائن کروائے اس کے لئے اُس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کا ایک بندہ اُس کے سامنے بٹھا دیا تھا۔

کانتا جواب سکتہ کے عالم میں تھی' اپنی جان بچانے کے لئے انٹ شنٹ قسم کے نقش ونگار بتاتی رہی۔ جب ایک ایسا خاکہ تیار ہو گیا جس کی شکل دور دور تک بھی امیت پانڈے سے نہیں ملتی تھی تو اُسے جانے کی اجازت ملی۔

اُس کے باقی ساتھیوں کی تفتیش رادھے شیام اور ایک دوسرے انسپکٹر نے کی تھی جن کا تعلق پولیس سے تھا اور وہ دونوں جبل پور کے رہنے والے تھے۔ دونوں نے لاشعوری طور پر دھنپت سنگھ کے لئے دوران تفتیش اُن کے سامنے کئی مرتبہ غلط الفاظ استعمال کئے تھے اور اب ان سب کے الگ الگ بیان لکھ کر انہیں ہاتھ باندھ کر رخصت کر دیا تھا۔

جب ان بیانات کے کاغذات کا پلندہ لے کر سب انسپکٹر رادھے شیام اپنے باس دھنپت سنگھ کے سامنے پیش ہوا تو دھنپت سنگھ کا پارہ چڑھ گیا۔

''نالائق ہو تم سب لوگ..... ایک ہی ڈھنگ کی بات نہیں معلوم کر سکے''۔

اُس نے چیختے ہوئے کاغذات کا پلندہ اٹھا کر پرے پھینک دیا۔

رادھے شیام کو جی تو چاہا کہ آگے بڑھ کر اس کا ٹینٹوا دبا دے لیکن ایسا کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ یہ نوکری اُس کی ضرورت تھی اور اُسے امید تھی کہ اور دو چار ماہ بعد شاید اس

موذی سے اُن کی جان چھٹ جائے جس کے بعد وہ اپنی اصلی پولیس ڈیوٹی پر واپس لوٹ جاتا اور ساری کسر نکال لیتا۔

ابھی تک انہیں کسی پولیس اسٹیشن، ریلوے اسٹیشن، لاری اڈے یا اور مشتبہ جگہ سے کوئی اطلاع نہیں مل سکی حالانکہ دھنپت سنگھ نے سارے جبل پور میں ناکے لگوا دیئے تھے۔

''یہ خاکہ لو اور اس کے فوٹو سٹیٹ فوراً یوپی اور مدھیہ پردیش کے تمام اے ٹی ایس سنٹرز کو روانہ کردو''۔

اُس نے اپنی دانست میں امیت پانڈے کا نام نہاد خاکہ اُسے تھماتے ہوئے کہا۔

''او کے سر''۔

رادھے شیام کاغذ پکڑ کر اپنے آفس میں آ گیا۔ اُس کے لئے اپنے غصے پر مزید قابو پانا ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔

اگلے چند منٹوں میں ''ایک خوفناک دہشت گرد'' کے جبل پور سے فرار اور اُس کی ان علاقوں میں موجودگی کی سنسنی خیز (Flash) فلیش کے ساتھ یہ خاکے تمام انسداد دہشت گردی سنٹرز میں پہنچ چکے تھے۔

☆☆☆

دیوی دتّا کا تعلق ایسے آفیسرز سے تھا جو ہمیشہ نمبر بنانے کی دوڑ میں آگے رہنا چاہتے ہیں۔ اس طرح کی اطلاعات ان کے پاس پہلے ہی سے موجود تھیں کہ ایودھیا میں چل رہے رام مندر تنازعے کی آڑ میں آتنک وادی (دہشت گرد) بھی اپنا کام دکھا سکتے ہیں۔ اب اُس کے دیرینہ دوست کی طرف سے خاکہ کی وصولی اور جبل پور سے مشتبہ دہشت گرد کے فرار نے اُسے مزید چوکنا کر دیا۔ چونکہ اس دہشت گرد نے کیلاش ہوٹل میں جو جعلی پتہ درج کروایا تھا وہ الہ آباد ہی کا تھا اور الہ آباد اس کے دائرہ اختیار میں آتا تھا۔ اُس نے اپنے خصوصی یونٹ کے جوانوں کو ہدایت کی کہ الہ آباد میں دوسرے شہروں سے آنے والے قافلوں پر خصوصی نظر رکھی جائے۔ اے ٹی ایس کو اپنے کام میں معاونت کے لئے ہمیشہ

پولیس کی ضرورت رہتی تھی۔ انہوں نے پولیس کی فالتو نفری اپنی مدد کے لئے بلالی اور الہ آباد سے ایودھیا جانے والے تمام یاتریوں کی چیکنگ شروع کر دی۔

نعمان کے قافلے میں بیس پچیس ٹرک ٹرالیاں اور درجنوں موٹر سائیکل وغیرہ موجود تھے۔ ابھی وہ لوگ گورکھپور سے کافی دور ہی تھے جب اچانک ایک ناکے پر انہیں روک لیا گیا۔

اس طرح ''شیلا نیاس'' کے جلوس کو روکنے سے بجرنگ دَل اور ہندو پریشد کے کارکنوں میں اشتعال پھیلنا قدرتی امر تھا۔ انہوں نے بحث مباحثہ شروع کر دیا اور اس بحث مباحثے نے بالآخر ''تو تکار'' کی شکل اختیار کر لی۔

یہ سب لوگ اپنے گھروں سے ہنگامہ آرائی اور لوٹ مار ہی کے لئے تو آئے تھے۔ اگر یہ کام ایودھیا سے پہلے اور الہ آباد ہی میں شروع ہو رہا تھا تو انہیں اس میں کیا اعتراض ہوتا۔ نعمان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ''شری رام چندر جی کی جے'' کے ساتھ ساتھ اب ''جے بجرنگ بلی'' کے نعرے بھی گونجنے لگے۔

شاید کسی یاتری کو پولیس کے جوانوں نے دھکا دے کر پرے کیا تھا جس نے پولیس والے کا گریبان پکڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ دونوں طرف موجود سمجھدار لوگ اس معاملے کو ٹھنڈا کرتے بھگوان رام کے ایک بھگت کو طیش آ گیا کیونکہ تھانیدار انہیں مسلسل گالیاں دیتے ہوئے پیچھے ہٹنے کا حکم دے رہا تھا اور اپنے افسر کی تابعداری یا چمچہ گیری میں اُس کے ماتحت انہیں ایک کے بجائے دس دس گالیوں سے نواز رہے تھے۔

''تیری تو ایسی کی تیسی'' کہتے ہوئے بھگوان شری رام کا بھگت تھانیدار پر حملہ آوار ہوا۔ پولیس والوں نے اُسے زمین پر گرا کر مارنا شروع کیا تو ''بجرنگ بلی'' کے زوردار نعروں کے ساتھ باقی لوگ اُن پر پل پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا علاقہ میدان جنگ میں تبدیل ہو گیا۔ پولیس اور جلوس کے شرکاء ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ ''شیلا نیاس'' جلوس کے شرکاء نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ترشول اور ڈنڈوں سے پولیس پر حملہ کر دیا۔ پولیس والوں نے

بھی جوابی کارروائی کی لیکن اُن کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے تین چار سپاہیوں کو زبردست چوٹ آئی اور اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں جلوس والے انہیں مار ہی نہ ڈالیں۔

اس خطرے کا احساس ہونے پر ہی پولیس والوں نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔ ابھی انہوں نے چند گولیاں ہی فائر کی تھیں کہ جلوس میں موجود غنڈوں نے جو اپنے ساتھ اسلحہ چھپا کر لائے تھے اُن پر سیدھی فائرنگ شروع کر دی جس سے ایک حوالدار فوراً مارا گیا۔

اپنے ساتھی کو زمین پر گرتے دیکھ کر پولیس والوں کا دماغ خراب ہو گیا۔ انہوں نے جلوس پر فائرنگ شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ہی ایمرجنسی پولیس کو بھی طلب کر لیا گیا۔ دو تین یاتری زمین چاٹتے دکھائی دیے تو جلوس کے شرکاء گھبرا گئے اور بھگوان رام کو بھول کر اپنی جان کی فکر کرنے لگے۔

ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔

''بھاگو..... بھاگو'' چلاتے ہوئے سب الہ آباد کی طرف واپس بھاگ رہے تھے۔

نعمان کے لئے یہ صورتحال بڑی اچانک اور کچھ دیر ہی کے لئے سہی گڑبڑا دینے والی تھی۔ اس کا یہاں گرفتار ہونا اور پولیس اسٹیشن تک جانا اُس کے لئے ناقابل تصور تھا۔

''نکل چلئے مہاراج..... نکل چلئے..... پولیس والے فائرنگ کر رہے ہیں''۔

اُس کے نزدیک کھڑے ایک رام بھگت نے کہا اور نعمان نے بابا جٹا دھاری کی طرف دیکھا جو اُس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی چھلانگ لگا کر ٹرالی سے باہر نکل گیا۔ نعمان کیسے پیچھے رہتا..... وہ بھی بابا جٹا دھاری کی پیچھے ہی باہر کو لپکا۔

اُس کے چاروں طرف لوگ چیختے چلاتے جان بچانے کے لئے دوڑ رہے تھے کیونکہ سامنے سے ریزرو پولیس فورس اور بی ایس ایف کے ٹرک آتے دکھائی دے رہے تھے۔ شاید کوئی پولیس والا مارا گیا تھا جس کے بعد سے معاملہ بہت زیادہ سیریس

(serious) ہو گیا۔ نعمان نے بھاگتے بھاگتے اندازہ لگا لیا کہ اگر ان لوگوں نے گھیرا ڈال لیا تو وہ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ ضرور پکڑا جائے گا جو بہت خطرناک ہوتا۔

اپنی جگہ رُک کر اُس نے صورتحال کا جائزہ لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اگلے ایکشن کے لئے تیار تھا۔

اپنے سر پر بندھا پیلے رنگ کا رومال اور گلے میں لٹکتا ''پیتامبر'' اُس نے اتار کر پرے پھینکا۔ ترشول کا ڈنڈا اپنے داہنے ہاتھ میں موجود اُس موٹر سائیکل سوار کے سر پر مارا جس نے موٹر سائیکل ابھی سٹارٹ کی تھی۔ سر پر ڈنڈا کھانے والا لڑکھڑا کر گرا اور موٹر سائیکل اُس کے ہاتھ سے نکل گئی جسے بجلی کی سی پھرتی سے نعمان نے سنبھال لیا۔

موٹر سائیکل اب اُس کے کنٹرول میں تھی..... لیکن اسے اتنے بے ہنگم مجمعے کے بیچ سے نکال لے جانا آسان نہیں تھا جبکہ پولیس کی ہنگامی امداد کسی بھی لمحے اُن کے سروں پر سوار ہو سکتی تھی۔

نعمان نے بادل نخواستہ سٹارٹ موٹر سائیکل دو تین لوگوں سے ٹکرائی تو مجمعے نے خوفزدہ ہو کر گالیاں بکتے ہوئے اُسے راستہ دے دیا۔ موٹر سائیکل کو وہ مسلسل ریس دے رہا تھا جس سے خوفزدہ ہو کر یاتری ایک طرف ہٹ جاتے۔

پندرہ بیس منٹ کی اس مشقت کے بعد وہ قدرے محفوظ ہو گیا تھا اور اب اندازے سے اُس سڑک پر الہ آباد شہر کی طرف واپس جا رہا تھا جدھر سے وہ لوگ یہاں آئے تھے۔ ابھی اُس نے بمشکل تین چار فرلانگ کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک سامنے سے پولیس کی ایک جیپ اور بس آتی دکھائی دی۔

نعمان جانتا تھا یہ مسلح پیرا ملٹری فورسز کے جوان ہیں جن کو مشتبہ کر کے بھگنا آسان نہیں۔ اُس نے موٹر سائیکل کی رفتار آہستہ آہستہ کم کر کے خود ہی اسے روک دیا۔

پولیس کی جیپ اُس کے نزدیک آ کر رُک گئی۔

''کون ہو تم.....؟ کدھر سے آ رہے ہو؟''

ایک سکھ انسپکٹر نے جو اگلی سیٹ پر گود میں پستول رکھے بیٹھا تھا اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''مہاراج بڑا اندھیرا ہوا..... اُدھر رام بھگتوں نے پولیس پر فائرنگ کر دی ہے..... میں بڑی مشکل سے آیا ہوں مہاراج..... بھگوان کے لئے جلدی وہاں پہنچئے..... جلدی کیجئے مہاراج وہ لوگ گولیاں بھی چلا رہے تھے''۔

نعمان نے اُس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے باقاعدہ بین ڈالنے کے انداز میں کہنا شروع کیا اور اگلی دو تین باتوں سے بی ایس ایف کے اس انسپکٹر کو یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ بہت کمزور دل کا ہندو لالہ ہے جس کا جلوس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ بہت خوفزدہ ہے کیونکہ جلوس نے پولیس پر حملہ کر دیا ہے۔

اپنے چیخنے چلانے کے دوران اُس نے بمشکل بتایا تھا کہ اُس کے باپ کی مٹھائیوں کی دکان ہے اور وہ اپنی دکان پر ہی جا رہا ہے۔

سکھ انسپکٹر نے جلوس والوں کو گالیاں دیتے ہوئے جیپ آگے بڑھانے کا حکم دیا۔ نعمان خوفزدہ بنیوں کی طرح ہاتھ باندھے اُس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک یہ بلا اُس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے وہ دوبارہ موٹر سائیکل پر سوار ہو گیا۔ اُسے یقین تھا کہ کافی دیر تک وہ اس موٹر سائیکل کو استعمال کر سکتا ہے۔

☆☆☆

الہ آباد تک وہ اگلے پندرہ بیس منٹ تک پہنچ گیا۔ شہر کے باہر ہی ایک بس اڈے کے پاس اُس نے موٹر سائیکل کھڑی کی اور لاری اڈے کی طرف چل دیا جہاں ایک بس باہر نکل رہی تھی۔

بس کے سامنے ''وارانسی'' کا نام ہندی میں نمایاں کر کے لکھا گیا تھا۔ نعمان ایک لمحہ کی غفلت کے بغیر بس میں سوار ہو گیا۔ شاید وہ اس بس میں سوار ہونے والا آخری مسافر

تھا۔

بس کنڈیکٹر سے اُس نے وارانسی کا ٹکٹ لیا اور بس میں موجود اُس آخری خالی سیٹ پر بیٹھ گیا جو شاید قدرت نے اُس کے لئے بچا کر رکھی تھی۔ بس نئی اور قدرے آرام دہ تھی۔ اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اُس نے ٹانگیں سیدھی کیں اور لمبی سانس لے کر سیٹ کی پشت سے لگ کر بیٹھ گیا۔

بس میں سوار ہونے پر صرف ایک مرتبہ دو تین مسافروں نے گردن گھما کر اُس کی طرف دیکھا تھا لیکن اب سب اپنے آپ میں مگن تھے۔ ڈرائیور نے لتا کے پرانے گانوں کی کیسٹ لگا دی تھی جنہیں سنتے ہوئے نعمان نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

اُس کی آنکھ اس دھچکے سے کھلی جو اچانک لگا تھا۔

بس اپنے سٹینڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ نعمان نے گھڑی کی سوئیوں پر نظر ڈالی۔ وہ دوران سفر مسلسل دو ڈھائی گھنٹے سوتا رہا تھا۔ بھرپور نیند نے اُسے ایک مرتبہ پھر تازہ دم ضرور کر دیا تھا۔

ایک جگہ سے اُٹھ کر اُس نے طویل انگڑائی لی کیونکہ بس اب قریباً اپنے سٹینڈ پر پہنچ چکی تھی بالآخر بس رُک گئی۔ ایک ایک کر کے سواریاں اُترنے لگیں۔

وارانسی آ گیا تھا۔

دریائے گنگا کے کنارے سینکڑوں مندروں اور چند قدیم مساجد والا وارانسی جس کا پہلا نام بنارس تھا اُس نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اُس کا خیال یہی تھی کہ یہاں شاید وہ زیادہ محفوظ ہو گیا کیونکہ وارانسی میں غیر ملکی دہشت گردوں کی آمد کا خطرہ کم ہی رہتا تھا۔

بس سے اتر کر اُس نے دوبارہ اپنے جسم کو مختلف زاویوں پر موڑتے ہوئے اپنی کسلمندی دور کی اور ایک ڈھابے پر آ گیا۔

دوپہر ڈول رہی تھی۔

اُس نے ہوٹل سے دال سبزی کھائی اور وہاں کچھ دیر ستانے کے بعد باہر آ گیا۔ فی الوقت وہ اپنے موجودہ حلیے میں کچھ تبدیلی چاہتا تھا جس کے لئے اُسے کچھ تنہائی چاہئے تھی۔ یہ تنہائی اُسے کسی ہوٹل یا سرائے ہی میں مل سکتی تھی۔

نعمان نے کچھ سوچتے ہوئے ہوٹل کے بجائے سرائے پر ہی قسمت آزمائی کا فیصلہ کرلیا۔ اب وہ بازار کی طرف جا رہا تھا۔

بنارس کے قدیم بازار سے اُس نے ایک بیگ اور استعمال کے دو چار کپڑے خرید کر اُس میں ڈالتے ہوئے باقاعدہ مسافر کی صورت اختیار کی اور ایک نزدیکی مندر کا رُخ کیا۔

اس مندر کی طرف اُس نے اپنی طرح بہت سے مسافروں کو گلے میں ایسے ہی بیگ لٹکائے جاتے ہوئے دیکھا تھا جس سے اُسے یہی اندازہ ہوا کہ ضرور اس مندر کی کوئی خاص اہمیت ہوگی۔ سب کے ہمراہ وہ بھی اپنے جوتے سٹینڈ پر رکھ کر مندر کے مین ہال میں پہنچ گیا جہاں لوگ ایک بڑی سی دیوی کے سامنے ماتھا ٹیکنے کے لئے قطار بنائے کھڑے تھے۔ نعمان نے قطار کی طرف جانے کے بجائے اُس خالی کونے تک پہنچنا زیادہ مناسب جانا جہاں سے ابھی ایک عورت اُٹھ کر باہر گئی تھی۔ بیگ کو اپنے نیچے رکھ کر وہ پشت دیوار سے ٹِکا کر وہاں بیٹھ گیا۔

مندر ڈھول تاشوں اور بھجن گانے والوں کی بے ہنگم آوازوں سے گونج رہا تھا۔ سینکڑوں مرد عورتیں مل کر تالیاں بجاتے ہوئے بھجن گا رہے تھے۔ نعمان بھی بساط بھر کوشش سے اُن کا ساتھ دے رہا تھا۔

شام ہونے تک وہ یہیں بیٹھا رہا پھر اُٹھ کر باہر آ گیا۔ اب اُس کا رُخ ایک سرائے کی طرف تھا جہاں اُس نے رات بسر کرنے کے بعد اپنا سفر شروع کرنا تھا۔

.....☆.....

وارانسی میں بھارت کے کونے کونے سے یاتریوں کا سیلاب اُمڈ آیا تھا اور اس کی وجہ تھی اگلے کچھ دنوں بعد ہونے والا سورج گرہن..... کیونکہ ہندو دھرم میں سوریہ گرہن کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہندو مائتھالوجی کے مطابق سورج گرہن دراصل منش (انسان) کے کرم کانڈوں (کرتوت) کے لئے ایک شبھ اوسر (نیک ساعت) ہے۔ اس موقعہ پر کوئی بھی منش دراصل اپنے بہت سے جنموں کا کفارہ ادا کرتی ہے اور ہندو دھرم کے مطابق وارانسی یعنی بنارس کی بھومی پر موجود گنگا جل کے پوتر پانی میں نجات دینے کی مکمل شکتی موجود ہے۔

بھارت بھر کے فراڈیئے، نجومی اور رمل فال کے ماہرین نے وارانسی میں ڈیرے جما رکھے تھے کیونکہ بھارتی عوام ان سے راہنمائی لیتے تھے۔ سوریہ گرہن کے لئے وہ مختلف راشی پھل (Stars) رکھنے والے لوگوں کو مختلف قسم کے دان پن بتاتے تھے۔

تقدیر نعمان کو بھی اُن دنوں میں وہاں لائی تھی جب یہاں سوریہ گرہن ہونے میں چار پانچ روز باقی تھے۔ مندروں، دھرم شالاؤں اور ہوٹلوں میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔

اُسے اس صورت حال کا اندازہ نہیں تھا یعنی وہ سمجھتا تھا کہ اتنے زیادہ لوگوں میں اور خصوصاً اس نوعیت کے دھارمک اجتماع میں وہ انٹیلی جنس کی عقابی نظروں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

اُسے مختلف انداز کی صورت کو مختلف انداز سے اپنے حق میں استعمال کرنے کی تربیت بھی دی گئی تھی اور اُس کا شمار ہمیشہ اکیڈمی کے بہترین شاگردوں میں ہوتا تھا۔ اس نے اپنے انسٹرکٹرز کو متعدد مرتبہ اپنے متعلقہ بہترین ریمارکس ادا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وارانسی دنیا بھر کے سیاحوں کا مرکز نگاہ رہتا تھا۔ دو ہزار سال قدیم اس شہر کو جو دریائے گنگا کے دونوں کناروں پر آباد ہے دیکھنے کے لئے دنیا بھر سے سیاح یہاں آتے تھے۔ پہلے ہی روز اس شہر کے سحر نے نعمان کو جکڑ لیا تھا۔

وہ شہر کے پرانے حصے میں موجود تھا جہاں قریباً سو گھاٹ تھے۔ راج گھاٹ کے نزدیک کھڑے نعمان نے گنگا کی لہروں پر ناچتی کشتیوں کی روشنیوں میں دور تک نظر دوڑائی۔ ہر طرف مندر ہی مندر دکھائی دے رہے تھے یا پھر تنگ راستوں پر چلتے عجیب و غریب وضع قطع اور شکل وصورت والے انسان۔

سوریہ گرہن نزدیک ہونے کے سبب یہاں ہونے والے اجتماع کی وجہ سے بھارتی ایجنسیاں بھی خاصی متحرک تھیں کیونکہ انہیں ہر وقت اس بات کا دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں کوئی آتنک وادی یہاں نہ گھس آئے۔

نعمان کے پاس معقول پیسے موجود تھے لیکن وہ فی الوقت کسی بھی ہوٹل میں قیام کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اُس نے اپنے گلے میں ''صفنو'' پہن رکھا تھا ماتھے پر بڑا سا سفید چندرا لگا تھا اور ہاتھ میں لوہے کا کڑا..... جو اُس کے پنجابی براہمن ہونے کی نشاندہی کر رہا تھا۔

پانچ چھ جگہ قسمت آزمائی کے باوجود اُسے ابھی کہیں رات بسر کرنے کو جگہ نہیں ملی تھی۔ تمام چھوٹے بڑے ہوٹل اور سرائے مسافروں سے کھچا کھچ بھرے تھے اور وشوانا تھ مندر کے نزدیک لوگوں کے ہجوم میں کھڑا نعمان سوچ رہا تھا کہ اسے یہ رات بھی شاید کسی

ندر میں یا پھر ریلوے سٹیشن پر گزارنی پڑے کیونکہ فی الوقت وارانسی میں اُس کے لئے کوئی تر خالی نہیں تھا۔

پرانے شہر کے ایک ڈھابے میں کھانا کھانے کے لئے بیٹھا وہ اسی مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ رات کہاں بسر کی جائے جب ایک نوجوان اپنی خوبصورت پتنی کے ساتھ اُس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''رام رام جی''.....

اُس نے شاید نعمان کی شخصیت سے متاثر ہو کر اُسے پرنام کیا تھا۔

''رام رام''.....

نعمان نے بھی دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔

نوجوان کا لہجہ پنجابی ہونے کی چغلی کھا رہا تھا اور نعمان نے اندھیرے میں تیر چلانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''آپ شاید پنجاب سے آئے ہیں''۔

اُس نے نوجوان سے پوچھا۔

''ہاں جی..... میں تو پنجابی ہوں یہ میری پتنی ساکھشی ہریانہ کی رہنے والی ہے''۔

نوجوان شاید یہی چاہتا تھا کہ اُس سے کوئی بات کرے۔

''پہلی مرتبہ آئے ہیں کیا؟''

نعمان نے دریافت کیا۔

''ہاں جی..... پہلی بار یاترا پر آئے ہیں۔ میں تو اتنا دھارمک بندہ نہیں لیکن میری پتنی ساکھشی بڑی بھگتی والی ہے''۔

اُس نے پھر اپنی بیوی کی طرف اشارہ کیا۔

''بڑے دھنے وان ہیں آپ''۔

نعمان نے اُس کی پتنی کی طرف دیکھ کر کہا جو بے ساختہ مسکرا دی۔

''کرپا ہے بھگوان کی''۔

نوجوان نے کہا۔

''اے ہے بولتے ہی جاؤ گے یا اس کا شبھ نام بھی پوچھو گے؟''

اس مرتبہ اُس کی پتنی نے اُسے ٹوکا۔

''اوہو شما کرنا مہاراج! میرا نام روپیش ہے..... روپیش کمار اور آپ کا پریچے (تعارف)؟''

نوجوان نے چونک کر کہا اُس کی پتنی کیوں شرمانے کی اداکاری کر رہی تھی یہ بات ابھی نعمان کو سمجھ نہ آئی۔

''آنند..... آنندورما''

نعمان نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر''.....

روپیش کمار نے کہا۔

''اور مجھے بھی''.....

اُس کی پتنی نے دونوں ہاتھ جوڑے۔

یہ اُن کے تعارف کا آغاز تھا۔ دونوں کے درمیان شروع ہوئی باتوں کے سلسلے میں اب ساکھشی بھی بڑھ چڑھ کر اچھا حصہ ڈال رہی تھی۔

نعمان نے انہیں بتایا کہ اُس کا تعلق بٹالہ کے ایک کھاتے پیتے گھرانے سے ہے اور وہ صرف تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہاں آ گیا ہے۔ اُس نے بتایا تھا کہ ورما برا ہمن ہونے کے باوجود اُس کا دھرم میں کچھ خاص لگاؤ نہیں ہے۔

بھوجن انہوں نے مشترکہ ہی کیا تھا اور اُن کے اصرار کے باوجود اس کی ادائیگی نعمان نے کر دی تھی۔

''کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں آپ؟''

روپیش نے اٹھنے سے پہلے دریافت کیا۔

''ابھی تک تو کوئی بندوبست نہیں ہوا..... میں آج ہی یہاں پہنچا ہوں..... ہو جائے گا کچھ نہ کچھ''۔

نعمان نے بظاہر لاپروائی سے کہا۔

''ہمارے ساتھ آ جایئے ناں..... ہم بھی یہاں پرائیویٹ ٹھہرے ہوئے ہیں''۔

روپیش نے بے ساختہ کہا۔

پرائیویٹ ٹھہرنے کا مطلب نعمان سمجھ گیا تھا۔ یہاں کچھ لوگ مہمانوں کو اپنے گھروں میں بطور ''پے انگ گیسٹ'' ٹھہرایا کرتے تھے۔

اس سے زیادہ محفوظ اور کوئی طریقہ اس کے لئے فی الوقت موجود نہیں تھا۔ نعمان نے دونوں کی آمد کو عطیۂ خداوندی جانا۔

اور..... تھوڑی سی پس وپیش کے بعد وہ اُن کے ساتھ ٹھہرنے پر رضامند ہو گیا۔

☆☆☆

وارانسی کا یہ گیسٹ ہاؤس بظاہر ایک پرائیویٹ گیسٹ ہاؤس تھا لیکن بہت کم لوگ اس بات کو جانتے تھے کہ یہاں قیام پذیر کوئی بھی مہمان غیر سرکاری نہیں بلکہ یہاں تو کسی غیر سرکاری بندے کو دور دور تک پھٹکنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی کیونکہ اس علاقے میں سی بی آئی (سنٹر بیورو آف انٹیلی جنس) کا مقامی ہیڈ کوارٹر تھا۔

وارانسی یوں تو دھارمک شہر تھا لیکن دنیا بھر سے سیاحوں کی آمد کا یہاں تانتا بندھا رہتا تھا۔ اس شہر کے اسرار جن کی شہرت یورپ اور دنیا کے کونے کونے تک پہنچ چکی تھی وہاں کے سیاحوں کو یہاں پہنچا دیا کرتی اور جہاں غیر ملکی سیاحوں کی آمد ہو وہاں کرائم بھی اپنی بدترین شکل کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ یہی کچھ وارانسی کا حال تھا۔

بھارت کے کونے کونے سے جدید جرائم پر دسترس رکھنے والے مجرم یہاں جمع رہتے تھے۔ نشے کا غیر قانونی کاروبار عروج پر تھا۔ غیر ملکیوں کو چرس اور دوسرے نشہ آور

چیزوں کی سپلائی کے علاوہ وارانسی بھارت سے نیپال جانے تک ہونے والی نشہ آور شیا کی سپلائی کا سب سے اہم راستہ تھا۔ یہاں پر یاتریوں اور سیاحوں کے ہجوم میں منشیات کے سمگلر بھی اپنا کام کرتے رہتے تھے۔

ناگی کا شمار بھی مہاراشٹر کے ایسے ہی بدنام سمگلروں میں ہوتا تھا جس کا نشانہ خصوصاً غیر ملکی سیاح بنتے تھے۔ ناگی اور اُس کے گروہ کے لوگ ان غیر ملکیوں کو بسا اوقات چند سو ڈالر کے لئے موت کے گھاٹ اتارنے سے بھی دریغ نہیں کیا کرتے تھے۔ گذشتہ دو سال میں یہاں چھ غیر ملکی ان کا شکار ہو چکے تھے جنہیں قتل کر کے ان کا مال و متاع لوٹ لیا جاتا تھا۔ کئی مرتبہ ناگی پولیس کے قابو آ کر نکل چکا تھا۔ بہت مکار مجرم تھا وہ۔

سوریہ گرہن کے موقع پر ناگی اور اُس کے ساتھیوں کی موجودگی کی مصدقہ اطلاعات مہاراشٹر پولیس کی طرف سے یہاں پہنچنے کے بعد سے سی بی آئی آفس میں پریشانی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

اس وقت بھی مقامی ڈائریکٹر چھندے کے سامنے اُس کے تینوں مستعد انسپکٹر بیٹھے تھے اور وہ انہیں ناگی کے متعلق بریفنگ دے رہا تھا۔

''مخبری کا جال مضبوطی سے پھیلا دو..... ہمارے پاس بھی بہترین ہتھیار ہے اُسے شکار کرنے کے لئے''۔

اُس نے اپنی گفتگو سمیٹتے ہوئے کہا۔

''سر! مطمئن رہئے۔ اگر وہ وارانسی میں ہے تو اس مرتبہ بچ کر نہیں جا سکتا'' انسپکٹر منجیت سنگھ نے کہا۔

منجیت سنگھ کا تعلق تو پنجاب سے تھا لیکن اُس کا شمار یوپی کے بہترین انسپکٹروں میں ہوتا تھا۔ خصوصاً سمگلنگ کے دھندے میں ملوث لوگ اُس سے بہت خوفزدہ رہتے تھے۔ منجیت سنگھ نے کبھی کہیں (لمبے بال) رکھنے یا پگڑی باندھنے کا تکلف نہیں کیا تھا۔ اُس کا جنم تو سکھ گھرانے میں ہوا تھا لیکن اُس کی تمام عادات ہندوؤں والی ہی تھیں اور اپنا حلیہ

ہی اُس نے ایسا ہی بنا رکھا تھا گو کہ اُس کی زیادہ ملازمت پنجاب میں رہی تھی لیکن اُسے زیادہ شہرت یوپی میں ہی ملی تھی جہاں اُس نے خصوصاً گورکھپور سے نیپال کی طرف جانے والے سمگلروں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔

''مجھے تم سے یہی امید ہے منجیت سنگھ''۔

ڈائریکٹر چھندے نے عینک کے شیشوں کے اوپر سے اُس کی طرف جھانکتے ہوئے کہا اور میٹنگ برخاست کر دی۔

منجیت سنگھ اپنے کمرے میں آیا تو مقامی مخبر اُس کا منتظر تھا۔

''کوئی نئی خبر ہے یا وہی پرانی خبریں ہی چلاؤ گے؟''

''اُس نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔

''سردار صاحب آپ کا پرانا نمک خوار ہوں..... بڑی خبر لایا ہوں آپ کے لئے.....''

''کیا؟''

منجیت نے قدرے بے اعتنائی سے ہی دریافت کیا تھا۔

''وہ جو تصویریں دکھائی تھیں ناں آپ نے مہاراج پرسوں مجھے''۔

مخبر نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں! ہاں! کیا ہوا انہیں؟''

منجیت چونک کر متوجہ ہوا۔ اُس نے بانکے لال کو وہ دس تصویریں دکھائی تھیں جن لوگوں کی انہیں بطور خاص تلاش تھی۔

''سردار صاحب اُن میں سے ایک کو میں نے ڈھونڈ لیا ہے''۔

مخبر بانکے لال کے منہ سے نکلا اور منجیت کا دل دھک سے رہ گیا۔

''کس کو..... کس کو.....''

اُس نے اپنی میز کی دراز سے ایک فائل نکالی جس میں دس تصویریں بڑے

اہتمام سے ایک ایک ملزم کی ہسٹری شیٹ کے ساتھ چپکائی گئی تھیں۔ فائل اُس نے بانکے لال کے سامنے رکھ دی۔

''اس کو سر.....''

بانکے لال نے دلی کے مفرور مندر بٹو کی تصویر پر انگلی جماتے ہوئے کہا اور منجیت اس کی طرف قریباً جھک کر دیکھنے لگا۔

''واقعی.....؟''

اُس نے بے یقینی کے انداز میں بانکے لال کی طرف دیکھا۔

''سردار صاحب پندرہ سال سے پولیس کے لئے کام کر رہا ہوں۔ میرے باپ دادا بھی افسروں کی خدمت کر کے اس دنیا سے گئے ہیں۔ جسے ایک مرتبہ دیکھ لوں..... لاکھوں کے مجمع میں پہچان سکتا ہوں..... بانکے لال کی نظروں سے کوئی بچ کر نہیں جا سکتا سردار صاحب! میرا ریکارڈ اس بات کا گواہ ہے۔

بانکے لال نے گردن پھلاتے ہوئے کہا۔

''ویل ڈن..... ویل ڈن بانکے لال..... دل خوش کر دیا تو نے..... اگر بٹو پکڑا گیا تو بڑا انعام دلاؤں گا تجھے سرکار سے..... بڑا انعام''۔

منجیت نے ہاتھوں کے اشارے سے کہا۔

''بس مہاراج پھر تیاری کیجئے''۔

بانکے لال نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

منجیت سنگھ نے اُس سے رازدارانہ انداز میں حکمت عملی طے کرنا شروع کر دی..... بٹو معمولی لفنگا نہیں تھا..... دلی اور اُس کے گردونواح میں پولیس کے لئے وہ دہشت بنا ہوا تھا۔ اب تک سات باقاعدہ قتل اُس کے کھاتے میں پڑے تھے۔ اس کے علاوہ وہ کتنے لوگوں کو قتل کر چکا ہے اس کا کوئی ریکارڈ پولیس کے پاس نہیں تھا لیکن پولیس والوں کو یقین تھا کہ دلی سے ہریانہ اور ہماچل پردیش تک وہ کئی وارداتوں میں ملوث ہے۔ گذشتہ سات

آٹھ ماہ سے پولیس کو اپنے مخبروں کے ذریعے یہ تشویشناک اطلاعات بھی ملنے لگی تھیں کہ بٹو نے ناگی کے گروہ میں شمولیت اختیار کر لی ہے جس کے بعد سے پولیس کے نزدیک اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔

منجیت سنگھ نہیں چاہتا تھا کہ معمولی سی غلطی کی وجہ سے ہاتھ آئی مچھلی جال سے نکل جائے۔ اُسے بانکے لال پر بڑا اعتماد تھا۔ گذشتہ دو سال سے وہ منجیت کے لئے کام کر رہا تھا اور بڑے کامیاب آپریشن کروا چکا تھا۔

منجیت جانتا تھا بانکے لال دوسرے پولیس ٹاؤٹوں کی طرح صرف نمبر بنانے کے بجائے کام بھی کرتا ہے اور اُس کے ذریعے ہی منجیت نے کالی داس جیسے خطرناک مجرم کو گرفتار کر کے سرکار سے بڑے اعزازات حاصل کئے تھے۔

''میری بات اچھی طرح سمجھ آ گئی ناں''۔

اُس نے بانکے لال کو بریفنگ دینے کے بعد پوچھا۔

''بالکل صاحب ایک دم سمجھ آ گئی''۔

بانکے لال نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر کام شروع کر دو اپنا..... اور نکلو یہاں سے.....''

منجیت سنگھ نے کہا اور بانکے لال ''جے ہند'' کہہ کر باہر آ گیا۔

☆☆☆

دونوں اُسے لے کر راج گھاٹ کے نزدیک ایک قدرے گنجان علاقے میں آ گئے تھے۔ پہاڑیوں کے درمیاں میں بنے اس محلے میں انہوں نے ایک پرانے مندر نما مکان میں ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ اس مکان کے کتنے کمرے ہیں اس کا شمار تو نعمان نہ کر سکا لیکن اُس نے اندازہ کر لیا کہ یہ سرائے نما مکان جو گھر سے زیادہ علی بابا چالیس چوروں کا مسکن دکھائی دے رہا تھا ضرور خصوصی اہمیت کا حامل ہوگا۔

تین چار کمروں کے سامنے سے گزرتے اب وہ جس کمرے کے سامنے رکے

تھے وہ کسی غار کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اگر یہاں لائٹ آف ہو جاتی تو شاید دن میں بھی کچھ دکھائی نہ دیتا۔ جن کمروں کے سامنے سے گزر کر وہ یہاں پہنچے تھے وہ خالی تھے یا اُن میں بھی کوئی مقیم تھا اس کا نعمان کو علم نہ ہو سکا۔

اُس نے زیادہ تردّد بھی نہ کیا۔ اُسے تو یہاں صرف ایک رات بسر کر کے آگے جانا تھا کیونکہ رات کو وہ سفر نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ شاید وارانسی میں بھی نہ رُکتا۔

کمرے کے دروازے پر لٹکا تالا روپیش نے اپنے پاس موجود چابی سے کھولا اور جب اندر موجود لائٹ کا بٹن آن کیا تو کمرے کی سج دھج دیکھ کر نعمان حیران رہ گیا۔

کمرے میں شاندار بیڈ اور صوفے موجود تھے۔

''یہ آپ کا کمرہ ہے..... جتنے دن جی چاہے قیام کریں''۔

روپیش نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

''دھنواد''۔

نعمان نے براہمنوں کے طرح ہاتھ باندھے۔

''ارے ورما جی کیوں شرمندہ کرتے ہیں..... اور ہاں یہ واش روم ہے۔ ایک دروازہ ہمارے کمرے میں اور ایک آپ کے کمرے میں کھلتا ہے اس کا۔ استعمال کرتے ہوئے دوسرے دروازے کو لاک کر لیا کریں''۔

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا اور نعمان بھی التزاماً مسکرا دیا۔

''میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں..... ابھی آپ آرام کریں''۔

ساکھشی نے کہا اور اپنے ساتھی کو اشارے سے چلنے کے لئے کہا۔

''کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی..... آپ تکلیف نہ کریں''۔

نعمان نے کہا۔

''ارے نہیں بھائی صاحب بہت سردی ہو رہی ہے''۔

ساکھشی نے کہا اور اُس کا جواب سنے بغیر باہر چلی گئی۔ روپیش نے بھی اس کی

تقلید کی تھی۔

اُن کی روانگی پر نعمان نے کمرے کو اندر سے لاک کیا اور پشت کے بل پلنگ پر گر پڑا۔ اب وہ مسلسل بھاگ دوڑ کے بعد واقعی سونے کی ضرورت محسوس کرنے لگا تھا۔ چائے کی طلب اُسے بھی ہو رہی تھی شاید اسی لئے اُس نے انکار نہیں کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واش روم میں چلا گیا..... جس کا دروازہ دوسری طرف سے بند تھا۔ اچانک ہی اُس کی چھٹی حس نے نعمان کو جھنجھوڑا۔ نعمان کو چھٹی حس نے کبھی دھوکہ نہیں دیا تھا۔

اچانک ہی اُس کے ذہن نے پلٹا کھایا اور اُسے اپنی بے وقوفی پر کچھ غصہ بھی آیا کہ ابھی تک اُس نے تصویر کے دوسرے رخ پر تو غور کیا ہی نہیں تھا۔ اُسے ان دونوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے کچھ شک تو گزرا تھا لیکن نجانے کیوں اُس نے زیادہ نوٹس لینا مناسب نہ جانا۔

واش روم کے دونوں دروازوں کے اوپر والے حصے پر لکڑی کی ایسی جالی لگائی گئی تھی جس سے ہوا کی آمد کا سلسلہ بنا رہے۔ اس جالی سے دوسرے کمرے کی روشنی بھی چھن کر آ رہی تھی۔ واش روم کی لائٹ آف کر کے نجانے کیوں اُس نے اپنے حساس کان اس طرف لگا دیئے اور دوسرے کمرے سے سُن گُن لینے کی کوشش کرنے لگا جہاں سے اُسے دونوں کے باتیں کرنے کی کچھ آوازیں سنائی دی تھیں۔ دوسری طرف ساکھشی اور روپیش باتیں کر رہے تھے..... جو نعمان کے لئے کسی بھیانک انکشاف سے کم نہیں تھیں۔ ساکھشی اُس سے کہہ رہی تھی۔

''بٹو..... مجھے تو تمہاری بات پر یقین نہیں آتا''۔

''میری جان آج تک بٹو کی نظر نے دھوکہ نہیں کھایا..... بڑی موٹی آسامی ہے میرا دل کہتا ہے اس کا بیگ نوٹوں سے بھرا ہے..... نوٹوں سے..... تو چائے تیار کر باقی معاملہ مجھ پر چھوڑ دے''۔

بٹو نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم کہتے ہو تو.....''

ساکھشی کی باقی بات نامکمل رہی کیونکہ اس کے بعد وہ جس کام میں جُت گئے تھے اُس سے نعمان کو کچھ لینا دینا نہیں تھا۔

اب اُسے سارا معاملہ سمجھ آ گیا۔ یہ دونوں کوئی فراڈیے تھے اور اُسے مالدار بے وقوف آسامی سمجھ کر جس کا وہ خود مظاہرہ بھی کرتا آ رہا تھا اُسے لوٹنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔

نعمان کو یاد آ گیا اُس نے اخبارات میں ایک گروہ کی خبریں پڑھی تھیں جس میں شامل لوگ اجنبیوں کو پھانس کر نشہ آور یا زہریلی ادویات کے ذریعے بے ہوش کرنے کے بعد اُنہیں لوٹ کر فرار ہو جایا کرتے تھے۔

انہیں مقامی لوگ ''ٹھگ'' کہتے تھے۔ اُس کا واسطہ اب ٹھگوں سے پڑ گیا تھا۔ دل ہی دل میں وہ ان کے بے وقوفی پر مسکرا دیا کیونکہ انہوں نے واقعی غلط شکار پھانس لیا تھا۔

نعمان کی توقعات کے مطابق پندرہ منٹ بعد ہی ساکھشی اور روپیش چائے لے کر آ گئے۔ دو کپ انہوں نے خود تھام رکھے تھے۔

نعمان نے اس طرح اٹھ کر دروازہ کھولا جیسے نیند سے اٹھ کر آیا ہو اور انہیں اندر لے آیا۔

''چائے حاضر ہے بھائی صاحب''

ساکھشی نے اُس کی طرف کالاہاری مسکراہٹ اچھالی۔

''شکریہ..... دھنواد''

نعمان نے کپ پکڑ کر ایک طرف رکھ دیا۔

''کیسا لگا کمرہ آپ کو..... کوئی بے آرامی تو نہیں''

اگلا سوال ہوا۔

''نہیں نہیں..... بہت شکریہ آپ کا..... میری عادت ہے چائے پیتے ہی سو جاتا

ہوں اور اس کے بغیر نیند بھی نہیں آتی ناں.....''

نعمان نے کہا۔

''پھر تو بھائی صاحب آپ سمجھیں کہ آج آپ کو زندگی کی شاندار نیند آئے گی۔ یہ جو ساکھشی ہے ناں..... بڑی زبردست چائے بناتی ہے''۔

روپیش نے ذومعنی انداز سے کہا۔

''کچھ اندازہ ہو رہا ہے مجھے''۔

نعمان نے اُس کی طرف مسکراہٹ اچھالی۔

دونوں ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے لیکن ابھی تک نعمان نے چائے کے کپ کو منہ نہیں لگایا تھا۔

''لیجئے ناں بھائی صاحب! ٹھنڈی ہو رہی ہے''۔

ساکھشی نے مسکراہٹ اچھالی۔

''ارے ساکھشی جی بس یہی کمزوری ہے میری۔ ایک تو چائے ٹھنڈی کر کے پیتا ہوں اور جیسے ہی حلق سے اتری نیند آ جاتی ہے''۔

نعمان نے جوابی مسکراہٹ سے کہا۔

''کوئی بات نہیں..... آرام کریں..... ہم چلتے ہیں..... صبح ملیں گے..... شُبھ راتری'' روپیش نے کہا اور دونوں چلے گئے۔

شاید وہ بالکل مطمئن تھے کہ شکار کہاں بچ کر جائے گا۔

☆☆☆

منجیت سنگھ نے جوانوں کا انتخاب خود کیا تھا اور انہیں اپنی براہ راست کمان میں لے کر بانکے لال کی بتائی ہوئی اُس عمارت کو گھیرے میں لیا تھا جس کی نشاندہی بانکے لال نے اُسے ساتھ لے کر سرِشام ہی کرا دی تھی اور منجیت سنگھ نے اُس سے حلف لیا تھا کہ وہ آپریشن مکمل ہونے تک اس کا ذکر بھی اپنی زبان پر نہیں لائے گا۔

بانکے لال کو رخصت کرنے کے بعد اُس نے صرف اپنے ڈائریکٹر کو اعتماد میں لیا تھا۔ اپنے کسی ساتھی کو اس آپریشن کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔ اُس نے رات گیارہ بجے کا وقت حملے کے لئے منتخب کیا تھا اور اپنے تمام ساتھیوں کو سفید کپڑوں میں یہاں لایا تھا۔ اُن لوگوں کے عمارت میں داخل ہونے کے بعد ہی پولیس والوں نے عمارت کے دور نزدیک پوزیشنیں سنبھالی تھیں۔ یہ بات سب اچھی طرح جانتے تھے کہ بٹو مقابلے کے بغیر کبھی قابو میں نہیں آئے گا۔ خفیہ پولیس کے مستعد اور چاک و چوبند نوجوان بڑے محتاط قدموں پر چلتے اُس کمرے تک پہنچے تھے جہاں بٹو اور اُس کی داشتہ ساکھشی نے ڈیرے جما رکھے تھے۔

منجیت سنگھ نے خود دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر سے دریافت کرنے پر مالک مکان کا نام لے کر باہر آنے کو کہا۔

کمرے میں خاموشی طاری تھی اور خاموشی کے یہ لمحات طویل ہو رہے تھے جس کا مطلب یہی تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

بٹو اور ساکھشی کو نعمان کے کمرے سے آئے ابھی بمشکل چھ سات منٹ ہوئے تھے اور اگلے تین چار منٹ کے بعد وہ نعمان کے کمرے پر دھاوا بولنے والے تھے کیونکہ اُن کی دانست میں نعمان پر اب تک چائے میں ملائی بے ہوشی کی دوا نے مکمل اثر کر دیا تھا اور اب انہیں اُس کی دولت سمیٹ کر یہاں سے اپنی اگلی منزل کی طرف کوچ کرنا تھا۔

شاید اگلی منزل کے کوچ کی تیاریوں میں ہی کچھ دیر ہو گئی تھی اور اب دونوں اپنے اپنے بیگ قریباً تیار کر چکے تھے جب اچانک دروازے پر بڑے شریفانہ انداز سے دستک دی گئی۔

بٹو کے استفسار پر جب منجیت سنگھ نے باہر سے مالک مکان کا نام لے کر اپنا تعارف کروایا تو بٹو کے کان کھڑے ہو گئے کیونکہ ایسا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس مکان کا مالک اُن کا بڑا قابل اعتماد ساتھی تھا اور گذشتہ روز ہی اُس کی ٹیلی فون پر بٹو سے بات ہوئی تھی

کیونکہ وہ یہاں نہیں بلکہ گورکھپور میں اپنے شکار پر نکلا ہوا تھا۔

مالک مکان خود تو آنے سے رہا اپنا کوئی نمائندہ وہ یہاں بھیج نہیں سکتا تھا۔ بٹو کا شیطانی ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اُسے سمجھ آ گئی تھی کہ یہ لوگ کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں؟

ساکھشی کی طرف دیکھ کر اُس نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ پولیس باہر موجود ہے اور اُن کے کمرے سے باہر جانے کا راستہ پولیس کے درمیان سے ہو کر گزرتا تھا۔ نعمان کے کمرے میں ایک کھڑکی دوسری طرف کھلتی تھی لیکن انہوں نے وہ کمرہ خود نہیں بلکہ اپنے ''شکار'' کے لئے رکھا ہوا تھا۔

دوسرے ہی لمحے دونوں مقابلے کے لئے تیار تھے۔ یہ صورتحال اُن کے لئے نئی نہیں تھی دونوں نے اپنے پستول سنبھال لئے۔

ساکھشی نے دروازے کو ایک سائیڈ پر کھڑے ہو کر کھولا اور سامنے کھڑے بٹو نے فائرنگ شروع کر دی۔ منجیت سنگھ سامنے سے ہٹ کر اپنی تربیت کے مطابق پہلی ہی ایک طرف ہو گیا تھا اُسے بٹو سے اس ردعمل کی توقع تھی لیکن اس مرتبہ وہ بھی پکے پیروں سے آیا تھا۔

پولیس کو اُس نے اس طرح پوزیشن دلا دی تھی کہ بٹو اور ساکھشی کے فرار کے تمام راستے بند ہو گئے تھے۔ دونوں نے کچھ دیر کمرے کے اندر سے ہی گولیاں چلائیں اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب فرار کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تو ہتھیار ڈال کر گرفتاری پیش کر دی۔

☆☆☆

نعمان اپنے کمرے میں موجود بستر پہ وہاں موجود صوفے کے کشن رکھنے کے بعد چادر ڈال کر ایسا تاثر قائم کر چکا تھا کہ وہ کمرے ہی میں سو رہا ہے اور خود دروازے کے ساتھ ایک کرسی پر اس طرح تیار ہو کر بیٹھا تھا کہ اندر داخل ہوتے ہی دونوں کو قابو کر لے۔ اُس نے دونوں سے نمٹنے کے فوراً بعد یہاں سے نکلنے کا پروگرام بنایا تھا کیونکہ اس کے بعد وہ

یہاں رہ نہیں سکتا تھا۔

اپنے فرار کے لئے اُس نے دونوں آپشن سوچ لیے تھے۔ ایک تو سیدھا راستہ تھا کہ وہ جس طرح یہاں آیا ہے ویسے ہی باہر نکل جائے اور دوسرا راستہ کھڑکی کا تھا جو اُس کے کمرے کے باہر دوسری طرف ایک انتہائی تنگ گلی میں کھلتی تھی۔ یہ گلی آگے کہاں جاتی تھی اس کا اُسے اندازہ نہیں تھا۔

نعمان کو یقین تھا کہ اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی وہ آسانی سے دونوں کو قابو کر کے یہاں پھینک کر اپنی راہ لیتا کہیں نہ کہیں رات بسر کرنے کو جگہ مل جاتی اس کے بعد اُسے آگے ہی جانا تھا۔

ابھی اُسے اپنی جگہ بیٹھے چند منٹ ہی گزرے تھے جب اچانک فائرنگ کی آوازوں سے کمرہ گونجنے لگا۔ کوئی اندھا دھند گولیاں چلا رہا تھا۔

نعمان اچھل کر قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ گولیاں اتنی نزدیک سے چلائی جا رہی تھیں کہ اُسے ایک مرتبہ گن لوڈ کرنے کی آواز بھی سنائی دی۔

''اُسے فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے'' نعمان نے سوچا اور دوسرے ہی لمحے وہ کھڑکی کے نزدیک پہنچ گیا لیکن دوبارہ پلٹا اور اُس نے اپنا چھوٹا سا بیگ بھی گلے کا ہار بنا لیا۔ کھڑکی کھول کر وہ باہر نکلا اور اُس کے چھجے پر ہاتھ جما کر بمشکل پائپ تک پہنچا جس نے اُسے پندرہ بیس فٹ نیچے گلی میں پہنچانا تھا۔ اگر کھڑکی سے چھلانگ لگاتا تو عین ممکن تھا کوئی ہڈی پسلی برابر ہو جاتی۔

گلی میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے نیچے کا منظر نمایاں نہیں تھا۔ گلی بہت تنگ تھی شاید یہی وجہ تھی کہ ابھی تک اسے گزرگاہ بھی نہیں بنایا گیا تھا۔ نعمان کے قدم زمین سے لگے تو وہ اُسی پوزیشن میں بیٹھ کر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اطراف کا جائزہ لینے لگا۔

فائرنگ کی آوازیں تو نمایاں تھیں لیکن اُس کی خوش قسمتی کہ یہاں کوئی نہیں تھا۔ گلی دونوں اطراف کھلتی تھی۔ ایک سمت سے روشنی آ رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ یہ راستہ کسی

مصروف گزرگاہ کا ہے اور دوسری سمت بالکل اندھیرا تھا۔ نعمان نے اس طرف قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا اور بھاگتا ہوا جب وہاں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ گلی کے کونے پر مندر کی دیوار تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور فیصلہ کرے دوسرے کونے سے بھاری بوٹوں کے بھاگنے کی آوازیں پیدا ہونے لگیں اور وہ سمجھ گیا کہ یہ پولیس والے ہیں جو شاید اسی گلی میں پوزیشن سنبھالنے آ رہے ہیں۔

سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ گلی سے دیوار پر اور اب دیوار سے ایک دوسری دیوار تک پہنچ چکا تھا۔ یہ سلسلہ شیطان کی آنت کی طرح پھیلتا جا رہا تھا اور اب وہ مختلف چھجوں سے پھسلتا ایک خاصی بارونق جگہ پہنچ چکا تھا۔ پھر وہ اسی رونق کا حصہ بن گیا۔ شاید کوئی دھارمک جلوس تھا۔ اُس نے چاہا کہ الگ ہو کر دوسری طرف نکل جائے اور اب اسی کوشش میں تھا جب اچانک ایک کیلے کے چھلکے پر اُس کا پاؤں رپٹا اور وہ لڑکھڑا کر ایک جوگن سے ٹکرا گیا۔

نعمان نے چاہا کہ اٹھ کر اُس سے معذرت کرے۔ جوگن اپنی جگہ رک گئی تھی اُس نے گیروی رنگ کا چولا پہن رکھا تھا۔ گلے میں مالا ڈالی ہوئی تھی اور شاید اکیلی کسی طرف جا رہی تھی۔ ایسے کپڑے مختلف آشرموں سے وابستہ عورتیں اور مرد ہی پہنا کرتے تھے۔ اس سے نعمان نے یہ اندازہ قائم کیا تھا۔

نعمان اٹھ کھڑا ہوا..... اُس نے نظریں اٹھائیں اور جیسے ہی جوگن کے چہرے پر نظر پڑی دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔

''نروپاتم.....؟''

اُس کے منہ سے نکلا۔

.....☆.....

دہلی سے وارانسی تک کا سفر نروپا رائے کی زندگی کا ایسا بھیانک خواب تھا جس کی تعبیر نے اُسے لرزا کر رکھ دیا۔ زندگی نے اُس کے ساتھ عجیب کھیل کھیلا۔ ایک ماڈرن خیالات رکھنے والی سمارٹ اور مارشل آرٹس کی چیمپئن لڑکی کو ''را'' کے ہیڈ کوارٹر سے اُٹھا کر یہاں وارانسی کے ایک آشرم میں پھینک دیا تھا۔ گو کہ یہ اُس کا اختیاری عمل تھا اور کسی نے اُسے اس فیصلے پر مجبور نہیں کیا لیکن اصل میں جو کچھ اُس پر گزری اُس کے بعد زندگی نے نروپا رائے سے سارے اختیارات سلب کر لئے تھے۔ اُسے بالکل تنہا کر کے زندگی کے ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیا تھا جہاں سے دونوں راستے تباہی کی طرف جاتے تھے۔

ایک طرف ''را'' تھی جس نے اُسے مسلسل تختۂ مشق بنا لیا تھا۔

دوسری طرف یہ آشرم جس تک اُس کی رسائی نوکری کرنے کے کچھ عرصہ بعد ہی ایک کیس کے سلسلے میں ہوئی تھی اور یہاں آ کر وہ کچھ دیر ہی کے لئے سہی دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جایا کرتی تھی۔

''را'' کو اس بات کا یقین تھا کہ نعمان کو فرار کروانے میں نروپا رائے نے کوئی نہ

کوئی کردار ضرور ادا کیا ہے۔ انہوں نے سنگھ کی رپورٹ پر نروپا رائے کی تفتیش کی تھی۔ اُس کو تین ماہ تک زیرِ تفتیش رکھا تھا۔ اس دوران اُس پر ہر ممکن نفسیاتی' جسمانی اور روحانی عذاب ڈھایا گیا تھا۔

اُسے ایسی ایسی اذیت ناک سزائیں دی گئی تھیں جن کے بعد عام عورت کا شاید زندہ رہنا ہی ایک مسئلہ بن جاتا لیکن اس کا کمال تھا کہ زندہ رہی۔

تین ماہ بعد اُسے **clear** تو کر دیا گیا لیکن وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ اب وہ ساری زندگی ''زیرِ نگرانی'' انڈر سرویلنس **(under surveillance)** رہے گی۔ اب اس کی زندگی میں کچھ بھی اُس کا اپنا نہیں رہا تھا۔ اُس کے ٹیلی فون سے لے کر بیڈ روم تک ہر جگہ ''را'' موجود تھی۔ دس پندرہ دنوں کے بعد ہی اسے پھر ایک تفتیشی ٹیم نے گھیر لیا۔ یہ لوگ کسی دوسری ایجنسی کے تھے اور نعمان سے متعلق عجیب و غریب قسم کے سوالات کر رہے تھے۔ ''را'' اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کے جو بھی نمائندے اُس کی تفتیش کرتے تھے انہیں اس بات کا یقین تھا کہ نروپا رائے کے نعمان سے جسمانی تعلقات رہے ہیں۔

یہ کوئی اچنبھے کی بات بھی نہیں تھی۔

اگر ایسا ہو جاتا تو یہ اس کے بزنس کا تقاضا تھا۔

لیکن..... یہ جھوٹ تھا۔

اس بات کو نروپا رائے سے زیادہ اور کون جان سکتا تھا کہ ایسا نہیں تھا۔ جس شخص کا نام نعمان تھا وہ تو برف کا بلاک تھا۔ اپنی تاثیر میں گرم ہونے کے باوجود باہر سے ایک دم ٹھنڈا۔

کئی مرتبہ ایسے جذباتی لمحات آئے جب نروپا نے بے قابو ہو کر اپنا سراپا اُس کے سامنے مکمل سرنڈر کر دیا لیکن اُس نے کبھی نروپا سے کوئی خیانت نہیں کی۔ نروپا کو یقین تھا کہ نعمان اس سے محبت کرتا ہے۔

اور وہ خود.....؟

اُس نے کئی مرتبہ خود سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا اُس جیسی فاحشہ لڑکی بھی کسی سے محبت کر سکتی ہے۔ اور اُسے ہر مرتبہ اس سوال کا جواب ''ہاں'' میں ہی ملا تھا۔

اُس نے سوچا اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ آخری لمحات میں اپنی اصلیت نعمان پر کیوں منکشف کرتی؟ اُسے فرار ہونے کا موقعہ کیوں دیتی؟

اُس نے ''را'' سے clear ہونے کے دو ماہ بعد ہی استعفیٰ کی درخواست گزار دی جس پر ایک نئی قیامت کھڑی ہوگئی۔ ایجنسی والے اب یہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ ''را'' کو کیوں چھوڑنا چاہتی ہے؟

اُس کا ایک ہی جواب تھا کہ وہ خود کو اب ''را'' کی نوکری کے اہل نہیں سمجھتی اور اس کے بعد کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟ کی گردان شروع ہو جاتی۔ وہ لوگ جاننا چاہتے تھے کہ آخر نروپا خود کو احساس جرم میں مبتلا کیوں پاتی ہے؟ انہوں نے اپنے بہترین شہ دماغوں کے ذریعے نروپا کے لاشعور کو متعدد مرتبہ کھُد یڑا کہ شاید وہاں سے کوئی اور اصلیت برآمد ہو جائے۔

لیکن..... پولی گراف مشین کے ٹیسٹ نے نروپا کی بے گناہی ثابت کر دی اور ''را'' والوں کو یقین ہوگیا کہ اس استعفیٰ کی وجہ اُس کی جذباتی حالت ہے اور کچھ نہیں۔ ماضی میں بھی اپنے دیش کے خلاف کسی سازش میں ملوث نہیں رہی اور اب بھی کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے۔

پہلے تو تین چار ایجنسیوں نے انفرادی سطح پر اُس کے طویل اور تھکا دینے والے انٹرویو کئے اس کے بعد ایک مشترکہ ٹیم نے اُسے تین روز تک مسلسل سوال و جواب کی سولی پر لٹکانے کے بعد بالآخر اُس کی گلوخلاصی کا پروانہ جاری کر دیا۔

اور.....ایک روز اُسے آزادی مل گئی۔

لیکن یہ محدود آزادی تھی.....

وہ زیر نگرانی تھی اور اُس کی ایک ایک حرکت کو ''مانیٹر'' کیا جا رہا تھا۔ دو سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور ایک روز اُن لوگوں کو واقعی اس کی بے گناہی کا یقین ہوگیا۔ ان دو سالوں میں اُس کے منہ سے کوئی بھی نئی بات' کوئی بھی نیا سچ اُگلوانے کے لئے ''را'' نے مختلف انداز میں درجنوں لوگوں کو اُس کی زندگی میں داخل کیا لیکن نروپا رائے نے تو جیسے اپنے ہونٹ ہی سی لیے تھے۔

وہ باقاعدہ مندر جانے لگی تھی۔ مذہبی تقریبات میں اُس کی شمولیت ناگزیر سمجھی جانے لگی تھی۔ اُس کے اندر اچانک در آنے والی یہ تبدیلی اُس کے والدین ہی نہیں اُس کے دوستوں کی سمجھ سے بھی باہر تھی۔ وہ لوگ کبھی اس بات کو نہ سمجھ سکے کہ نروپا رائے کو کبھی دھرم سے کوئی لگاؤ نہیں البتہ اُس نے دھرم کی آڑ میں پناہ ضرور لے لی ہے۔

یہ نروپا کا فرار تھا!

نعمان کی یادوں سے فرار!

نعمان کی یادوں سے وہ کبھی اپنی خلاصی نہ کروا سکی۔ آخری ملاقات کے بعد اُس کے دل میں ایک عجیب سی خلش نے ڈیرہ جما لیا تھا۔ اُسے خوامخواہ سے ایک پچھتاوے کا احساس ہونے لگا تھا حالانکہ اُس نے نعمان کو ان موذیوں کے چنگل سے نکال دیا تھا اور ''را'' اپنے گھناؤنے ارادوں میں ناکام رہی تھی لیکن نجانے کیوں وہ خود کو نعمان کا قصوروار سمجھ رہی تھی۔

ایک بے نام سی خلش!

ایک عجیب و غریب قسم کا احساس جرم اُس کے اندر ڈیرے جما کر بیٹھ گیا۔ اُس کی شدید خواہش تھی کہ زندگی کے کسی موڑ پر ایک مرتبہ نعمان اُسے ضرور ملے۔ وہ نعمان سے مل کر اپنی اسی خلش سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتی تھی..... ''را'' نے اُسے کلیرنس سرٹیفکیٹ دے دیا تھا لیکن اُس کے ضمیر نے نہیں۔

اس بے نام سی اذیت سے اُسے صرف نعمان ہی نجات دلا سکتا تھا۔

سوامی جی کے آشرم تک اُس کی رسائی اپنی ایک دوست کے ذریعے ہوئی تھی جو پہلے ہی سے یہاں یوگا کے ذریعے شانتی حاصل کرنے آ رہی تھی۔ اُس نے سوامی جی سے نروپا رائے کا تعارف کروایا تو اُس ''انتریامی'' (دلوں کا حال جاننے والا) نے اُس کے دور اندر تک جھانک کر اُس کا مرض دریافت کر لیا۔

''یہ تمہارا سنسار نہیں جس میں تم رہتی ہو''۔

سوامی جی نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا اور اُسے مسخر کر لیا۔

''میرا کون سا جہان ہے سوامی جی''۔

اُس نے ہونقوں کی طرح سوال داغا۔

''جہاں شانتی ہے.....گیان ہے.....وگیان ہے اور.....اور.....''

سوامی جی کہتے چلے گئے اور وہ تابعدار شاگردوں کی طرح سنتی رہی۔

اگلے روز وہ اپنے کپڑوں کا ایک بیگ لے کر سوامی جی کے آشرم میں آ گئی۔ اُس کے گھر والوں نے اُسے نہ روکا۔ وہ خود یہی چاہتے تھے کہ جیسے بھی ممکن ہے نروپا کو اُس ان دیکھے کرب سے نجات مل جائے جس نے نروپا کو اسیر کر رکھا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اب اس قیدی کو رہائی مل جائے۔

نروپا کا زیادہ وقت اب آشرم میں ہی گزرنے لگا۔ کبھی کبھی وہ اپنے ماتا پتا سے ملنے آ جاتی لیکن ایسا بھی وہ صرف سوامی جی کے حکم پر کرتی۔ خود سے اُس کا جی کبھی نہ چاہا.....اس دوران نعمان اُس کے دل و دماغ سے چمٹا رہا.....لیکن حیرت انگیز طور پر اب نعمان کی یادیں اُس کی ضرورت بنتی جا رہی تھیں۔

جب وہ گیان دھیان لگاتی نعمان چراغ کے جن کی طرح اُس کے سامنے حاضر ہو جاتا۔

سوامی جی کا سماج سدھار آشرم بھارت کے کونے کونے میں جا کر دُکھی لوگوں کی سیوا کرتا تھا۔ اور نروپا کا شمار اب اس آشرم کی اُن داسیوں میں ہونے لگا تھا جنہیں سوامی جی

کا قرب حاصل ہونے کی وجہ سے بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ نئی آنے والیوں کو یوگا کی تربیت دیا کرتی تھی اور نگر نگر گھوم کر آشرم کی طرف سے جاری مختلف پراجیکٹس پر خدمات انجام دے رہی تھی۔

سوامی جی آشرم کا قافلہ سوامی جی کی سربراہی میں سوریہ گرہن کے ''پوتر اُوسر'' پر وارانسی آیا ہوا تھا جس میں نروپا رائے بھی شامل تھی۔ سوامی جی کے آشرم کی ایک شاخ وارانسی سے دس کلومیٹر دور سارناتھ میں تھی جہاں اُن کا اپنا کیمپس موجود تھا۔ یہ قافلہ وہیں ٹھہرا ہوا تھا۔

کبھی کبھی نروپا رائے کا جی گھبراتا تو وہ اسی طرح اُٹھ کر چل دیا کرتی تھی۔ آج بھی اُسے کچھ گھبراہٹ ہو رہی تھی اور وہ شام ڈھلے سارناتھ سے وارانسی آ گئی تھی۔ یہاں دیوی ماں کے درشن کرنے کے بعد اب وہ واپس لوٹنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ چراغ کے جن کی طرح نعمان اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

☆☆☆

حیرت، خوشی اور دکھ کے ملے جلے جذبات سے قریباً پتھر بن جانے والی نروپا کے ہونٹوں نے جنبش کی۔ اُس نے نعمان کو اس حلیے میں بھی آسانی سے پہچان لیا تھا۔ ایسے شخص کو وہ کیوں کر فراموش کر سکتی تھی جو کناٹ پیلس دلی کے ایک ریسٹورنٹ سے اُس سے الگ ہونے کے بعد سے مستقل اُس سے جڑ گیا تھا۔ زندگی کا وہ کونسا دن تھا جب اُس نے نعمان کو کسی نہ کسی حوالے سے یاد نہ کیا ہو۔

وہ بے نام سی خلش جس نے تین سال سے نروپا رائے کو بے حال کر رکھا تھا اُسے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر کے زندگی کے اندھیرے غار میں دھکیل دیا تھا۔ آج ایک زندہ انسان کے روپ میں اُس کے سامنے موجود تھی۔

اُس کی ڈاڑھی کے بے ترتیب بال، آنکھوں میں مسلسل بھاگ دوڑ سے ناچتے سرخ ڈورے اور بالوں کا مختلف انداز بھی اُسے نروپا رائے سے نہ چھپا سکا۔

اتنی جلدی شاید اشیش کمار بھی اُسے شناخت نہ کر پاتا جتنی جلدی نروپا رائے نے کیا تھا۔

''تم یہاں.....؟''

اس مرتبہ نعمان کی باری تھی۔

نروپا نے اُس کی بات کا جواب منہ کے بجائے ہاتھ سے دیا۔ اُس کا دایاں ہاتھ بالکل غیر ارادی طور پر بلند ہوا اور کسی سحر زدہ معمول کی طرح اُس نے پہلے نعمان کو چھو کر دیکھا بالکل ایسے جیسے اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو اور وہ اسے بھی کوئی خواب ہی سمجھ رہی ہو..... پھر اُس کا ہاتھ نعمان کے بازو سے پھسل کر اُس کے ہاتھوں پر آن گرا۔

نعمان نے لاشعوری طور پر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

دونوں کے لئے بولنا کار دارد تھا..... نعمان محسوس کر سکتا تھا کہ نروپا کس کرب سے گزر رہی ہے اور اپنے اندرونی جذبات سے بھی اُسے بخوبی آگاہی حاصل تھی۔ اُس نے براہ راست ہمت کر کے نروپا کی آنکھوں میں جھانکا جہاں آنسو منجمد تھے۔

نروپا کی آنکھیں کسی بھی لمحے چھلک جانے کو تیار تھیں۔ اُس نے ناقابل بیان ہمت سے آنسوؤں کو اپنی آنکھوں ہی میں تھام رکھا تھا۔ نجانے کیوں نعمان نے چاہا کہ اُس کی آنکھیں چھلک ہی جائیں۔ جس ضبط کا وہ مظاہرہ کر رہی تھی نعمان نے بخوبی اندازہ لگا لیا کہ وہ اُس کا یار انہیں رکھتی۔

وہ چاہتا تھا کہ نروپا کی آنکھوں کے راستے دل کا سارا کرب بہہ جائے اور اُس کی خواہش کا احترام کیا گیا۔

اچانک ہی نروپا کی آنکھیں چھلکیں اور وہ بے ساختہ اُس کے سینے سے لگ گئی۔

گزرتے ہوئے دو چار لوگوں نے رُک کر یہ منظر دیکھا اور چل دیئے شاید ایسے جذباتی مناظر دیکھنے کی تاب اُن میں بھی نہیں تھی۔

لوگوں کو اپنی طرف متوجہ پا کر نعمان پہلے عالم ہوش میں واپس لوٹا۔ وہ نہیں چاہتا

تھا کہ یہاں کوئی نیا تماشہ کھڑا ہو۔ تھوڑی ہی دیر پہلے وہ جس خطرناک صورتحال کا شکار تھا اور جس طرح اچانک اُسے جان بچانے کے لئے پولیس کی ممکنہ گرفت سے بچنے کے لئے وہاں سے بھاگنا پڑا وہ سب کچھ جیسے اُسے بھول ہی گیا تھا۔

نروپا کے اچانک سامنے آنے سے اُسے یوں لگا جیسے اُس کی زندگی کا مشن مکمل ہو گیا ہے اور اب بھاگ دوڑ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اُسے یوں لگا جیسے وہ گذشتہ تین سال سے زندگی کی کھوج کے جس سفر پر نکلا ہوا تھا آج اُس کا اختتام ہو گیا..... شاید اُسے نروپا ہی کی تلاش تھی۔ شاید زندگی بھر کی تلاش کا حاصل یہی تھا۔

نروپا اُس کے سینے سے لگی سسکیاں لے رہی تھی۔ بالکل یوں جیسے میلے میں گم ہو جانے والے بچے اچانک والدین سے لپٹ کر رو دیا کرتے ہیں۔ اور وہ خود پتھر کا مجسمہ بنا زمین میں گڑا تھا۔ اُس نے تو یہ بات بھی بھلا دی تھی کہ وہ تھوڑی دیر پہلے جس بلڈنگ سے فرار ہوا ہے وہاں بڑا خطرناک پولیس مقابلہ ہوا ہے اور بمشکل وہ پولیس سے جان بچا کر یہاں تک پہنچا تھا۔

اُس نے شاید یہ بات بھی بھلا دی تھی کہ بھارت کی سپریم انٹیلی جنس ایجنسی ''را'' کے ایک ڈائریکٹر نے اُس کی جان لینے کے لئے گھناؤنا کھیل کھیلا ہے اور اُسے جلد از جلد اس ملک کی سرحدوں سے نکل کر اپنے لوگوں میں واپس پہنچنا ہے جہاں بے تابی سے اُس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔

وارانسی اس کے لئے کوئی محفوظ ٹھکانہ نہیں۔

''ہائے رام کیا کل جُگ آ گیا..... ایسے پوتر استھان پر بے شرموں کی طرح چمٹی کھڑی ہے اس سے.....''

ایک بزرگ عورت کی آواز نعمان کے حساس کانوں سے ٹکرائی اور وہ عالم ہوش میں واپس لوٹ آیا۔

''نروپا.....'' اُس نے نروپا کو آہستگی سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ ''آؤ کہیں بیٹھ جائیں''۔ نروپا کو بھی شاید ہوش آ گیا تھا۔ اُس نے اپنے بڑے سے چولے کی آستین سے آنکھوں سے آنسو پونچھے اور دونوں وہاں سے چل دیئے۔

دونوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ انہوں نے کہاں جانا ہے لیکن دونوں یہ ضرور چاہتے تھے کہ یہاں سے ہٹ جائیں۔

نروپا نے ابھی تک اُس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا شاید خوفزدہ تھی کہ پھر نعمان کہیں بھاگ نہ جائے اور نعمان کو یہ دھڑکا لگا تھا کہ اگر اُس نے نروپا کا ہاتھ چھوڑ دیا تو وہ پھر زندگی کی بھیڑ میں کھو جائے گی۔

اُن کے نزدیک سے جوگی، سادھو سنت، رشی مُن، تپ دھاری، پنڈت، پروہت اور کبھی کبھی ننگ دھڑنگ جسم والے سادھو گزرتے جا رہے تھے لیکن دونوں انسانی ہجوم سے لاتعلق چلتے چلے گئے۔ نروپا چاہتی تھی کہ وہ اُسے رکنے کے لئے کہے اور نعمان کی خواہش تھی کہ نروپا کچھ بولے۔

شاید دونوں اسی طرح چلتے چلے جاتے جب ایک ڈھابے کے نزدیک وہ رُک گیا۔ یہاں خاصی رونق دکھائی دے رہی تھی۔

وارانسی رات کا شہر نہیں لیکن سوریہ گرہن کے نزدیک یہاں دن رات کا فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ مندروں اور شوالوں کے اس شہر میں دن رات بھجن کتھا ہوتی ہے۔ ساری رات مندروں میں خصوصی عبادات کی جاتی ہیں۔ جگہ جگہ مجمع لگائے سادھو سنت اپنی راس لیلا جماتے ہیں۔ مختلف مقامات پر ہندو دھرم کی اساطیری داستانوں کے کرداروں کا سوانگ بھرے عوامی اجتماع میں گھرے مختلف کردار مختلف داستانیں بیان کرتے رہتے ہیں۔

اُن کے اردگرد یہی اسرار کا جنگل پھیلتا جا رہا تھا۔ چرس گانجے اور بھنگ کے نشے میں مدہوش غیر ملکی مرد اور عورتیں سادھو سنتوں جوگی جوگنوں کے ساتھ ساتھ خود بھی عالم و مافیہا سے بے خبر ڈگمگاتے پھر رہے تھے۔

اب شاید نروپا کو بھی صورتحال کی نزاکت کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ نعمان کا ہاتھ تھامے ایک کونے والی میز پر بیٹھ گئی تھی۔ ایک مستعد ویٹر اُن کے سر پر موجود تھا جس سے نعمان نے چائے منگوائی اور چائے آنے تک دونوں کبھی خلاؤں میں اور کبھی ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔

ویٹر اُن کے سامنے چائے کے گلاس رکھ کر واپس گیا تو نعمان نے ہمت کی۔

''نروپا کچھ تو بتاؤ..... کچھ تو کہو..... کہیں سے تو ہمیں بات شروع کرنی ہی ہے ناں''

نروپا نے اُس کی طرف دیکھا۔ ایک زخمی مسکراہٹ اُس کے خوابیدہ ہونٹوں پر جاگی اور وہ نعمان سے مخاطب ہوئی۔

''کہاں سے سننا چاہو گے..... کہاں سے شروع کروں.....؟''

اُس کی آواز نعمان کو کسی گہرے کنویں سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

''کہیں سے بھی نروپا کہیں سے بھی.....''

نعمان جاننا چاہتا تھا..... سننا چاہتا تھا کہ ایک الٹرا ماڈرن اور زندگی سے بھرپور کلاسیکل ڈانسر کو اس حال تک کس نے اور کیسے پہنچایا۔

اور..... نروپا نے اُسے اپنی کہانی سنا دی۔

اُس نے نعمان کو دِلی میں خود سے الگ ہونے کی ساری داستان اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ بیان کر دی۔ اُس نے نعمان سے کچھ نہ چھپایا۔ اُسے صاف صاف بتا دیا کہ وہ اب تک پچھتاوے کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ کسی ایسے گناہ کی سزا بھگت رہی ہے جس کی وہ کبھی مرتکب ہی نہیں ہوئی۔

اُس کی کہانی کا اختتام ہوا تو رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور نعمان اس دوران مختلف کیفیات کا شکار رہا۔ اُسے رہ رہ کر اس بات کا احساس ستانے لگا کہ وہ اس لڑکی سے جو اب جوگن بنی اُس کے سامنے بیٹھی ہے آخر زندگی میں کبھی ملا ہی کیوں تھا؟

☆☆☆

نعمان کو حالات نے زندگی کے سب سے اذیت ناک دوراہے پر لا کھڑا کر دیا تھا۔ گو کہ اُس نے گذشتہ تین سالوں میں کئی مرتبہ نروپا کے ساتھ گزارے وقت کو یاد کیا تھا اور کبھی کبھی اُس کی کمی کا بھی احساس ہوا تھا جس شدت سے نروپا نے اُس کے ساتھ اپنی مختصر ملاقات کو حرز جان بنا لیا تھا اُس کا اندازہ اُسے نہیں تھا۔

ایک بات کی گواہی تو اُس کے دل نے دے دی تھی کہ نروپا جو کچھ کہہ رہی ہے وہی سچ ہے اور اس سے مختلف سلوک اشیش کمار اس کے ساتھ نہیں کر سکتا تھا جو اُس نے کیا۔ اُسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ ماضی کی طرح آج بھی نروپا اُسے گرفتار نہیں کروائے گی لیکن اُسے خود پر حیرت ہو رہی تھی کہ اُس کے دماغ نے دل کے اس فیصلے کو کیسے مان لیا؟

وہ بہت پریکٹیکل انسان تھا۔ زندگی میں جذبات کی اہمیت کا قائل وہ ضرور تھا لیکن اُس نے عملی زندگی میں کبھی جذبات کو اپنے نزدیک بھی پھٹکنے نہیں دیا تھا۔ یہی شاید اُس کی کامیابی اور اب تک نمبر ون رہنے کا راز بھی تھا۔ لیکن آج نجانے کیوں اُسے اپنے سارے آدرش اصول جھوٹے محسوس ہو رہے تھے۔

نروپا پر اعتماد کرنا چاہئے یا نہیں؟

کیا وہ چپ چاپ یہاں سے نکل جائے؟ یا پھر نروپا کی مدد حاصل کرے جو اُسے آسانی سے نیپال کی سرحد تک پہنچا سکتی تھی؟

نروپا کو اپنے متعلق سب کچھ سچ سچ بتا دے؟

یہ تھے وہ سوالات جو بار بار اُس کو کچوکے دے رہے تھے۔

''مجھے پوچھنا تو نہیں چاہئے لیکن تم یہاں کیسے آ گئے نعمان؟''

نروپا نے خود ہی پوچھ لیا۔

اور..... نعمان نے اُسے سب کچھ بتا دیا۔ اس نے بتایا کہ کس طرح وہ جان بچا کر نکلا ہے اور ''را'' نے اُس کے لئے کیسا جال بچھایا تھا۔

''میں اشیش کمار کو اچھی طرح جانتی ہوں نعمان..... یہ سارا منصوبہ اُسی کے

شیطانی ذہن نے ترتیب دیا ہوگا۔ وہ بہت کینہ پرور بندہ ہے۔ دلی میں اُس کے ہاتھوں سے تمہارا نکل جانا اُس کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا..... یہ اُس کا ذاتی انتقام ہے''۔

نروپا نے کہا۔

''اگر تمہاری بات سچ ہے نروپا تب تو اب تک وہ باؤلا ہو چکا ہوگا''۔

نعمان نے اپنی رائے ظاہر کی۔

یقیناً..... اور تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ خاموش بیٹھا ہے۔ بہت خطرناک اور مکار انسان ہے وہ نعمان۔ تم شاید اُس کی سنگینی کا اندازہ نہ کر سکو''۔

نروپا کے لہجے میں چھپی نفرت اشیش کمار سے متعلق اُس کے جذبات بتانے کے لئے کافی تھی۔

نعمان جواب میں صرف کندھے اچکا کر رہ گیا۔

اُس نے ابھی تک نروپا کو اپنا اگلا پلان نہیں بتایا تھا لیکن نروپا جانتی تھی کہ وہ اس علاقے میں کیوں گھوم رہا ہے۔ اُسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ نعمان یہاں سے نیپال کی سرحد پار کرنے کی کوشش کرے گا۔

''میرے خیال میں تمہیں ابھی آرام کی ضرورت ہے''۔

نروپا نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''ہاں لیکن وارانسی اب میرے لئے محفوظ نہیں..... کسی لمحے کچھ بھی ممکن ہے..... مجھے جلدی یہاں سے نکلنا ہوگا''۔

نعمان نے عندیہ ظاہر کیا۔

''میں بھی یہی سوچ رہی ہوں نعمان.....'' نروپا نے کہا اور پھر براہ راست اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا ''کیا تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو نعمان؟''

نعمان ٹھٹکا کر رہ گیا۔

نروپا نے اُسے بڑے امتحان میں ڈال دیا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اُس سے

جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔

''ہاں.....''

نعمان نے بڑے تیقن سے کہا۔

اُس کے لہجے کی سچائی نے نروپا کو بتا دیا کہ نعمان نے اپنی تربیت کے برعکس سچ بولا ہے اور وہی کہا ہے جس کی اُس کے دل نے گواہی دی۔

''چلو میرے ساتھ''۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے نروپا سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ نروپا کی معیت میں چلتا ہوا وہ بس سٹینڈ تک آیا جہاں اُسے ایک بنچ پر بٹھا کر وہ خود دو ٹکٹ لے آئی۔

''آؤ میرے ساتھ''۔

اُس نے اپنا ہاتھ نعمان کی طرف بڑھایا جسے نعمان نے بے ساختہ تھام لیا۔ دونوں ایک لوکل بس تک آئے جس کے فرنٹ سکرین سے ''سارناتھ'' کے بڑے بڑے الفاظ جھانکتے دکھائی دے رہے تھے۔

وارانسی کے شمال مشرق میں قریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع سارناتھ کے متعلق نعمان نے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ بھارت میں دوران قیام اُس کی شدید خواہش تھی کہ گوتم بدھ کے اس مسکن کو ضرور دیکھے جہاں اُسے ''نروان'' حاصل ہوا تھا اور جہاں اُس نے اپنی زندگی کی پہلی تبلیغ بھی کی تھی۔ سارناتھ کا ذکر اُس کے پراسرار ''سٹوپا'' جنگلوں اور بہت بڑے وائلڈ لائف پارک جسے ''ڈیر پارک'' کہا جاتا تھا کے حوالے سے اکثر سننے میں آیا کرتا تھا۔

پہاڑی بھول بھلیوں میں سفر کرتے قریباً آدھے گھنٹے میں وہ سارناتھ پہنچ گئے۔ اُس نے فی الوقت خود کو نروپا پر چھوڑ دیا تھا جو چپ چاپ اُس کے ساتھ چلتی چلی جا رہی تھی۔ دونوں کچھ کہنا چاہتے تھے اور کہہ نہیں پا رہے تھے۔ دونوں کی خواہش تھی کہ ایک دوسرے

سے کچھ سنیں لیکن دونوں پر ہی چپ طاری تھی۔ بالآخر اس چپ کا روزہ نروپا نے توڑا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''کچھ نہیں.....سوچتا ہوں کہ خوامخواہ تمہیں پھر مصیبت میں ڈال دیا.....'' اُس نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔

''نہیں نعمان تم نے مجھے بہت بڑی مصیبت سے نکال لیا.....''

نروپا نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''میں سمجھا نہیں''

اُسے الجھن سی ہونے لگی۔

''نعمان میں تین سال سے یہ پچھتاوا لے کر جی رہی تھی کہ میں نے محبت کے نام پر تم سے دھوکہ کیا.....تمہیں ''را'' کے جال میں پھنسا دیا.....کئی مرتبہ میرے دماغ نے کہا کہ یہ میری ڈیوٹی تھی تم بھی اگر میری جگہ ہوتے تو یہی کرتے.....لیکن دل نے دماغ کی اس دلیل کو کبھی تسلیم نہیں کیا..... یہ روگ میری جان کو آ گیا تھا کہ میں نے محبت جیسے مقدس جذبے کی توہین کی.....لیکن اب میں اس کا پراشچت (کفارہ) کروں گی۔ میرے جیتے جی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا نعمان.....''

اُس کی آواز بھرا گئی۔

نعمان نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ اُس کے حلق میں پھنس گئے تھے۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ نروپا کے اپنے لئے جذبات پر کسی ردعمل کا اظہار کرے۔ اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ اُس جیسا پروفیشنل اور انتہائی عملی انسان بھی جذبات میں کیوں بہتا چلا جا رہا ہے۔ دونوں ''دھامک سٹوپا'' کے نزدیک ایک عمارت کے پاس پہنچ چکے تھے جب نروپا نے اُسے بائیں طرف مڑنے کا اشارہ کیا۔

دونوں ایک ہوسٹل نما عمارت کے باہر کھڑے تھے جہاں لوگ صبح صبح اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے اور ایک طرف یوگا کی کلاس چل رہی تھی۔

''یہ ہمارے آشرم کی عمارت ہے''.....اُس نے بتانا شروع کیا۔''یہاں کوئی تم سے کچھ سوال نہیں کرے گا۔تم میرے کمرے میں آرام کرو میں یوگا کی کلاس لوں گی۔اب ہماری ملاقات دوپہر کے کھانے پر ہوگی اس دوران میں تمہارے لئے شاید کچھ آگے کا بندوبست کرسکوں''۔نروپا نے اُسے ایک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اندر بٹھانے کے بعد دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے.....جیسے تمہاری مرضی''

جس لہجے میں یہ بات نعمان نے کہی تھی اُس کا احساس نروپا کو ہوگیا تھا لیکن وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ نروپا اُس سے زیادہ شدت سے نعمان کا قرب چاہتی ہے لیکن وہ ان لمحات میں نعمان کو کمزور نہیں کرنا چاہتی تھی۔وہ فرار چاہتی تھی.....اپنے آپ سے.....نعمان سے.....اور اُس طاقتور اور بے رحم جذبے سے جس نے اُس کی رگوں میں خون بن کر دوڑنا شروع کردیا تھا۔

''نعمان زندگی میں شاید بہت کم وقت کے لئے ہم اپنی مرضی سے جیتے ہیں''۔

اُس کے لہجے میں جہان بھر کی یاسیت اُتر آئی تھی۔نعمان کو یوں لگا جیسے کسی نے زور سے اُس کے دل پر گھونسا مار دیا ہو۔

''ہاں!تم ٹھیک کہتی ہو نروپا.....شاید یہی وہ سب سے بڑی سچائی ہے جس سے فرار کے لئے خوامخواہ ہاتھ پاؤں مارتے رہتے ہیں''۔

نعمان کو آج اپنی آواز اجنبی لگ رہی تھی۔

''اب تم آرام کرو.....تھک گئے ہوگے.....لیٹ جاؤ''۔

خدا جانے اُس نے کس لہجے میں یہ بات کی۔نعمان تابعدار بچوں کی طرح چپ چاپ لیٹ گیا۔نروپا نے ایک کونے میں سلیقے سے تہہ کیا کمبل اُس پر ڈال دیا۔نعمان نے آخری لمحات میں اُس کی آنکھوں میں سیلاب ٹھاٹھیں مارتا دیکھا تھا۔

☆☆☆

نروپا کے جانے کے کافی دیر بعد تک اُسے نیند نہ آئی۔

شاید اُس کے لاشعور میں چھپے احساس عدم تحفظ نے یا پھر نروپا کی ذاتی کیفیت نے اُسے سونے نہ دیا۔کافی دیر تک وہ نروپا کے متعلق سوچتا رہا۔پھر اُسے اونگھ آ گئی اور تھوڑی دیر بعد گہری نیند سو گیا۔

نعمان کی آنکھ کھلی تو سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔گھڑی اُس کے بالکل سامنے دیوار پر لگی تھی۔ہڑبڑا کر وہ بستر سے اُٹھ بیٹھا تو اُسے ایک طرف آرام دہ کرسی پر نروپا کسی کتاب کا مطالعہ کرتی دکھائی دی۔

''سوری!کب آئیں تم؟''

اُس نے کہا۔

''پریشان کیوں ہو رہے ہو۔اچھا ہوا تم نے بھرپور نیند لے لی۔میں خود یہی چاہتی تھی''۔

نروپا نے اطمینان سے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

''تمہاری وجہ سے کچھ زیادہ ہی لاپرواہ ہوگیا ہوں''۔

اُس نے بستر سے باہر نکل کر انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس بات سے خوشی ہوئی نعمان.....اچھا میں تمہارے لئے بھوجن لے آؤں.....تم تیار ہو جاؤ.....تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے نکل جائیں گے''۔

اُس نے نعمان کو بالکل بچوں کی طرح سمجھاتے ہوئے کہا۔

اور.....نعمان نے سرِتسلیم خم کردیا۔

نروپا کمرے سے باہر چلی گئی۔نعمان ملحقہ باتھ روم میں۔پندرہ منٹ بعد جب وہ تازہ دم ہو کر باہر نکلا تو دروازے پر آہٹ ہوئی اور نروپا ایک اور مقامی لڑکی کی مدد سے دو ٹرے اٹھائے ہوئے اندر آ گئی۔اُس کے ساتھ آنے والی نے صرف سرسری نظر سے نعمان کو دیکھا اور ٹرے رکھ کر الٹے قدموں واپس لوٹ گئی۔

''ہمارا لنگر 3 بجے کے بعد بھوجن نہیں بناتا۔ خود کچھ تیار کر کے لائی ہوں۔ میں اچھی باورچی نہیں مجھے اس بات کا علم ہے..... لیکن جو کچھ تھا حاضر ہے''۔

اُس نے نعمان سے کہا۔

نعمان نے نروپا کی طرف دیکھا اور بے اختیار آگے بڑھ کر اُس کے دونوں تھام لئے۔ اُس کا یہ عمل بالکل غیر ارادی تھا..... ہاتھوں کے لمس نے اُس کے دل میں نروپا کے لئے موجود تمام جذبات نروپا تک منتقل کر دیئے تھے۔

کھانے سے فارغ ہونے پر نروپا نے اُسے اپنے ذہن میں بنایا گیا پلان سمجھایا۔ نعمان کی منزل اب سرحدی علاقہ ''لمبینی'' تھا جہاں سے وہ سرحد عبور کر کے نیپال جانا چاہتا تھا۔

''لمبینی'' گوتم بدھ کی جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے بڑا متبرک اور مشہور شہر مانا جاتا تھا اور دنیا بھر سے گوتم بدھ کے پیروکار یہاں نذر عقیدت گزارنے آتے تھے۔

نروپا نے اپنے آشرم کے مشن کے ساتھ گورکھپور جانا تھا اور اُس نے نعمان کو اس مشن کا حصہ بنا لیا تھا۔

گورکھپور کے بعد لمبینی تک اُن دونوں نے ہی سفر کرنا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سوامی جی آشرم کا مخصوص لبادہ اوڑھے دس پندرہ عورتوں اور مردوں کے ساتھ وہ نروپا کی ہمراہی میں اُس بس میں سوار ہو رہا تھا جس نے انہیں گورکھپور پہنچانا تھا۔

.....☆.....

اشیش کمار کا تبادلہ شاید کسی اور ڈیپارٹمنٹ میں ہو چکا ہوتا اگر اُس کے سسرال نے ''را'' کی بیوروکریسی پر قبضہ نہ جمایا ہوتا۔ وہ اب تک صرف اپنی بیوی کی وجہ سے اُس عتاب سے محفوظ تھا جو اُس کے باقی ساتھیوں پر ٹوٹ چکا تھا۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اُسے وزارت داخلہ اور وزارت خارجہ دونوں کے سیکرٹری صاحبان نے اپنے دفاتر میں طلب کر کے باقاعدہ ڈانٹ دیا تھا۔

''مسٹر کمار..... آپ یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ ''را'' ایک سویلین ایجنسی ہے یہاں بیٹھ کر فوجیوں کی طرح فیصلہ کرنا پرلے درجے کے حماقت ہے.....''

بوڑھے سیکرٹری خارجہ نے جسے شاید ریٹائرمنٹ کی عمر ہونے کے باوجود حکومت نے اس عہدے پر برقرار رکھا ہوا تھا اُسے کہا۔

''میں دیکھوں گا سر.....''

اشیش کمار نے جان بچانے کے لئے کہا۔

''اب آپ کیا دیکھیں گے..... جو کبھی ہماری ہونی تھی وہ تو ہو چکی۔ مجھے تو حیرت ہے اس بات پر کہ آپ نے کیسی بچگانہ حرکت کی ہے۔ صرف ایک ذاتی بدلہ لینے کے لئے آپ نے سارے دیش کی ساکھ داؤ پر لگا دی''۔

سیکرٹری کو شاید بطور خاص یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اُس کی طبیعت صاف کرے۔

''سر! ایسی بات نہیں۔ یہ آپریشنل معاملات ہیں۔ میں آپ سے اتنے ''ٹاپ سیکرٹ'' مسئلے پر اپنی حیثیت میں بات نہیں کر سکتا''۔

اُس نے قریباً زچ ہو کر کہا۔

''میں سمجھتا ہوں ان آپریشنل معاملات کو مسٹر کمار..... آپ کے فادر اِن لاء جانتے ہیں مجھے اچھی طرح..... اُن کو پڑھاتا رہا ہوں میں۔ بہر حال میری ایک بزرگ کی حیثیت سے آپ کو نصیحت ہے کہ آئندہ اتنا بڑا قدم کبھی نہ اٹھایئے۔ ہمیں ساری دنیا کو جواب دینا ہوتا ہے''۔

بوڑھے سیکرٹری نے اُس کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال سے مجھے چلنا چاہئے''۔

اشیش کمار نے کہا۔

اس کے لئے معاملات اب برداشت سے باہر ہو رہے تھے۔ سیکرٹری خارجہ صاحب اُسے ایک گھنٹہ سے مسلسل ذلیل کر رہے تھے۔

''ٹھیک ہے..... آل رائٹ All the best!

اُس نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا دیا۔

اشیش کمار نے کھڑے ہو کر اُس سے ہاتھ ملایا حالانکہ اُس کا دل یہی چاہتا تھا کہ اس بوڑھے سے ہاتھ کے بجائے اُس کا ٹیٹوا دبا دے جس نے اُسے اچھا خاصا ذلیل کر دیا تھا۔ اس انداز سے تو اُس کے افسران نے بھی اُسے نہیں ڈانٹا تھا۔

بڑے غصے میں وہ گاڑی لے کر اپنے دفتر جانے کے بجائے سیدھا ہیڈ کوارٹر پہنچا

تھا اور اب اپنے سسر کے کمرے میں موجود تھا۔

''پاگل ہے سالا..... اُسے کیا معلوم''

اشیش کمار کی ساری بات سن کر اس کے سسر اجے سکسینہ نے سگار کا کش لیتے ہوئے کہا۔

''انکل ایسے پاگلوں کو اتنی اہم پوسٹ پر رکھنا بھی تو بڑا پاگل پن ہے''۔

اُس نے اپنا غصہ نکالتے ہوئے کہا۔

''معلوم ہے مجھے..... لیکن یہ منسٹری کے لوگ سالے ایک دم گدھے ہیں۔ کچھ معلوم نہیں انہیں..... یہ کرو وہ نہ کرو..... ایس کرو ایسے نہ کرو..... ہونہہ ڈیم اِٹ..... گدھے نہ ہوں تو کہیں گے..... Anyhow تم اپنا کام کرو..... ایجنسی کسی کے ماتحت نہیں ہم صرف پرائم منسٹر کو جوابدہ ہیں..... اور بس..... باقی سب کارروائی ہے''۔

اجے سکسینہ کو اپنے داماد سے کچھ زیادہ ہی محبت تھی۔

''میں اسے چھوڑوں گا نہیں انکل..... میں دیکھتا ہوں کہاں سے سرحد عبور کرے گا''۔

اُس نے نعمان کو اپنے سسر کے سامنے گالیاں دیتے ہوئے گردن ہلا کر کہا۔

''Finish کروا سے..... اپنے لڑکوں کو لگا دو اُس کے پیچھے..... میرا خیال ہے اُدھر ہی واپس جائے گا نیپال کی طرف''۔

سسر نے رائے ظاہر کی۔

''میرا بھی یہی خیال ہے انکل''۔

اشیش کمار نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

اپنے سسر ڈائریکٹر آپریشن سے کچھ خصوصی ہدایات اور مزید فری ہینڈ free hand لے کر وہ واپس اپنے آفس آ گیا اور اب اپنے کمرے کی دیوار سے لٹکے نقشے پر مختلف انداز سے نظریں دوڑاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ اچانک ہی ایک خیال اُس کے

شیطانی ذہن میں بجلی کے کوندے کی طرح لپکا۔ اُس نے فوراً انٹرنل لائن پر اپنے سب سے مستعد ماتحت سنجے کو طلب کر لیا۔

''یس سر''

دوسرے ہی لمحے سنجے اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

''یہ انسپکٹر نروپا رائے آج کل کس کے چارج میں ہے''۔

اُس نے اچانک ہی کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''میرے ہی سر''

سنجے نے کہا۔

''گڈ..... کیا رپورٹ ہے اُس کی آجکل..... میرا مطلب ہے کیا کر رہی ہے وہ.....''

اُس نے سنجے سے دریافت کیا۔

''سر! آخری رپورٹ پچھلے ہفتے فائل ہوئی ہے کاؤنٹر (counter) والوں کی طرف سے۔ اُس نے سوامی جی کا آشرم join کر لیا تھا اُسی کے ساتھ ہوتی ہے.....''

سنجے نے بتایا۔

''ہوں..... تو بھگتی ہو رہی ہے''۔

طنزیہ انداز سے اُس نے سنجے کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔

''سر رپورٹ تو یہی ہے''۔

سنجے بڑا سمجھدار اور اپنے باس کا موڈ سمجھنے والا آفیسر تھا۔

''مجھے اس کی آخری لوکیشن بتاؤ جلدی..... ابھی اسی وقت''۔

اچانک ہی وہ سنجیدہ ہو گیا۔

اُس کی سنجیدگی نے سنجے کو مزید چوکس کر دیا۔

''دس منٹ دیجئے سر!''

سنجے نے کہا اور سلیوٹ کر کے کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

اشیش کمار کے شیطانی ذہن میں ابھی تک یہ بات اٹکی ہوئی تھی کہ نروپا رائے آپریشن کے دوران نعمان کے ساتھ انوالو (involve) ہو گئی تھی اور اُس کے دل میں نعمان کے لئے سافٹ کارنر پیدا ہو گیا تھا۔

اشیش کمار کے نزدیک یہ اُس کا ناقابل معافی گناہ تھا۔ اسے اچانک ہی یہ احساس ہوا کہ شاید ابھی تک دونوں رابطے میں ہیں حالانکہ گذشتہ تین سال سے نروپا ''زیر نگرانی'' تھی اور چھ ماہ پہلے ہی اُسے A سے B کیٹگری میں کیا گیا تھا۔

اے کیٹگری کے دوران اُس کی ہر کال ٹریس کی جاتی تھی۔ اُس کی ڈاک مکمل سنسر ہوتی تھی اور اُس کی پرائیویسی مکمل غیر محفوظ تھی۔

ڈھائی سال تک وہاں سے کچھ حاصل نہ ہونے کے بعد ہی اُسے بی کیٹگری میں کیا گیا تھا۔ عموماً ''را'' اپنے زیر نگرانی لوگوں کو ایک سال کے بعد اگر اُن کی طرف سے معاملات ایجنسی کے مطابق چل رہے ہوں تو بی کیٹگری میں کر دیا کرتی تھی لیکن اُسے بطور خاص ڈھائی سال تک اے کیٹگری میں رکھا گیا تھا کیونکہ ماضی میں اُس کا تعلق ''را'' سے رہا تھا۔

بی کیٹگری میں زیر نگرانی افراد سے کچھ نرمی برتی جاتی تھی۔ اُن کی نقل و حرکت کو مانیٹر کیا جاتا تھا لیکن اُن کے ذاتی معاملات میں کچھ نرمی برتی جاتی تھی۔ اسی دوران اُن کی ایک ماہانہ رپورٹ تیار ہو کر اُن کی فائل میں لگتی رہتی تھی جس میں اُن کی مہینہ بھر کی سرگرمیاں خصوصاً آمد و رفت کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا اور اُن پر سے کنٹونمنٹ ایریا میں جانے کی پابندیں بھی اٹھالی جاتی تھیں۔

نروپا رائے چونکہ اب بی کیٹگری میں آ گئی تھی اس لئے اُس کی بھی ماہانہ رپورٹ ہی ملتی تھی جس میں اُس کی نقل و حرکت ہی درج ہوتی تھی ذاتی معاملات سے صرف نظر کیا

جاتا تھا۔

سنجے نے اپنے وعدے کے مطابق دس منٹ بعد ہی اُسے مطلع کر دیا تھا کہ وہ اپنے آشرم مشن کے ساتھ وارانسی گئی ہوئی ہے۔ اُس نے آشیش کمار کو بتایا تھا کہ سوامی جی کا مشن بھارت کے کونے کونے میں گھوم پھر کر ضرورت مندوں کی سیوا کرتا ہے اور نروپا اُس کے مشن میں اہم مقام حاصل کر چکی ہے۔

''وارانسی میں''

وہ زیرلب بڑبڑایا۔ پھر اچانک چونکا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا سنجے جانتا تھا کہ اُس کا ''صاحب'' جب کسی ''شڑی انتر'' (شیطانی چکر) میں پھنسا ہو تو اُس پر ایسی ہی کیفیات طاری ہوا کرتی تھیں۔

''مجھے اُس کی مکمل موومنٹ (movement) کی رپورٹ چاہئے۔ آج ہی..... ابھی..... جتنی جلدی ممکن ہو''۔

اُس نے اچانک سنجے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''آل رائٹ سر!''

سنجے نے دونوں قدم جمائے۔

''جتنی جلدی ممکن ہو..... میرا مطلب سمجھ گئے ناں''۔

دوبارہ اُس نے سنجے کو اپنے آرڈر کی اہمیت کا احساس دلایا۔

''Obviously سر!'' (ضرور جناب)

اُس نے مضبوط لہجے میں کہا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ اب وہ اپنے پاس موجود خصوصی لائن سے وارانسی رابطہ قائم کر رہا تھا۔

☆☆☆

وارانسی میں ''را'' کا کوئی اتنا مضبوط مرکز نہیں تھا۔ البتہ گورکھپور اور اُس سے آگے سرحد تک کے علاقے کو کنٹرول کرنے کیلئے انہوں نے اپنا بڑا مضبوط جال پھیلا رکھا

تھا۔ وارانسی میں صرف ایک سب آفس سرکاری ڈاک بنگلے میں بنایا گیا تھا جہاں ایک سینئر انسپکٹر اپنے ماتحت عملے کے تین چار لوگوں کے ساتھ موجود رہتا تھا۔

ان لوگوں کو اپنی روایات کے مطابق ''را'' نے تمام ذرائع ضرور مہیا کر رکھے تھے خصوصاً اس علاقے کی اہمیت کے تحت انہیں اکثر گورکھپور کی طرف کوئی نہ کوئی ''ٹاسک'' ملتا ہی رہتا تھا جسے یہ لوگ اپنی استعداد سے بڑھ کر کوشش کے ساتھ عموماً پورا کر دیا کرتے تھے اور یہاں اُس انسپکٹر کو بھیجا جاتا تھا جس کی شہرت بہت اچھی رہی ہو۔

انسپکٹر منشارام اُن میں سے ایک تھا۔

گذشتہ تین ماہ سے وہ یہاں کام کر رہا تھا اور اس دوران اُس نے اپنے افسران کو ہر طرح خوش رکھا ہوا تھا۔ سوریہ گرہن نزدیک ہونے کے سبب اُس کا کام اور بھی زیادہ بڑھ گیا تھا کیونکہ ہیڈ کوارٹر کے اکثر افسران کی فیملیز کو یہاں آنا ہوتا تھا جن کے لئے اُسے کسی نہ کسی ریسٹ ہاؤس یا ہوٹل میں بکنگ کروانی پڑتی تھی۔ زیادہ تر کام اسی نوعیت کے تھے۔ اُسے افسران سے زیادہ ان کی بیگمات کا خیال رکھنا ہوتا تھا۔

منشارام کو جب کبھی ہاٹ لائن پر کال کی اطلاع ملتی تو وہ فوراً سمجھ جاتا کہ یہ کیا کام ہو سکتا ہے۔ اکثر ہوٹلوں میں وہ پہلے سے کمرے بک کروا رکھتا تھا کیونکہ اب ریسٹ ہاؤس تو بالکل بھر چکے تھے۔ آج بھی جب اُسے اپنی جیپ کے وائرلیس پر ماتحت سب انسپکٹر کی طرف سے فوراً آفس پہنچ کر کال اٹینڈ کرنے کا پیغام ملا تو شاید وہ اسے معمول کا معاملہ ہی سمجھتا لیکن جب اُس نے بتایا کہ دلی کے ''ڈیٹ کمانڈر'' آشیش کمار کے ماتحت نے کال کی ہے تو منشارام چونکا۔

وہ آشیش کمار کے ساتھ کام کر چکا تھا اور جانتا تھا کہ اُس کا مزاج دوسرے افسروں سے کتنا مختلف ہے۔ آشیش کمار اپنے ہر کام کا ارجنٹ اور پازیٹو رزلٹ مانگتا تھا اور کسی بھی قباحت یا رکاوٹ کی صورت میں اس کا دماغ بالکل گھوم جایا کرتا تھا۔

منشارام نے دفتر پہنچنے میں بمشکل تین منٹ لئے تھے۔ عام حالات میں شاید ہیلی

کا پٹر بھی یہاں اتنی جلدی نہ پہنچ سکتا جتنی تیزی سے وہ جیپ چلاتا آیا تھا۔ جیپ کھڑی کر کے وہ قریباً بھاگتا ہوا اپنے کمرے تک گیا۔ اُس کے ماتحت حیرانگی سے منشارام کو دیکھ رہے تھے کہ اُسے کیا ہو گیا ہے۔

ہاٹ لائن سے وہ اگلے ہی لمحے دلی DET پر بات کر رہا تھا جہاں سے سنجے نے اُسے نروپا رائے نامی ایک لڑکی کے متعلق جو سوامی جی آشرم کے ساتھ یہاں آئی ہوئی ہے فوراً معلومات حاصل کر کے رپورٹ کے لئے کہا تھا۔

''نروپا وہی جو انسپکٹر تھی سر''.....

اچانک اُسے یاد آ گیا کہ وہ ڈیڑھ سال پہلے دلی میں اس کو چیک کر چکا ہے۔ اُن دنوں اُس کی ڈیوٹی نروپا پر ہی لگی تھی۔

''یس.....یس.....جانتے ہو تم اُسے؟''

سنجے نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

''آف کورس سر..... مجھ سے بہت جونیئر تھی لیکن میں نے کاؤنٹر (counter) میں کام کیا ہے سر!''

منشارام نے سنجے کی خوشی کو دوگنا کرتے ہوئے کہا۔

''ویل ڈن! ویل ڈن.....بہت سیریس لینا اسے۔ ڈائریکٹر کمار صاحب کا سپیشل کیس ہے۔ میرے خیال سے تصویر بھیجنے کی ضرورت تو نہیں ہو گی''۔

سنجے نے خوش ہو کر کہا۔

''گھبرائیے نہیں سر! یہاں سوامی جی کا مشن آیا ہوا ہے میں دو گھنٹہ تک ساری رپورٹ کرتا ہوں''۔

انسپکٹر منشا نے کہا اور فون رکھ کر اپنے ماتحتوں کی طرف گھوما۔ اُس نے انہیں معمول کی بریفنگ دی اور ہوشیار رہنے کی تلقین کر کے خود باہر آ گیا۔ یہاں آنے والے قریباً تمام بڑے بڑے ''سوامیوں'' اور ''پروہتوں'' کے آشرم کا ریکارڈ اُن کے پاس محفوظ

رہتا تھا۔

سوامی جی کا تو سارناتھ میں باقاعدہ آشرم بھی موجود تھا جہاں وہ سال میں ایک دو مرتبہ ضرور آتے تھے۔ منشارام جانتا تھا کہ کسی سوامی کا بنارس متھرا آئے بغیر کاروبار نہیں چل سکتا۔ اُس کے نزدیک یہ سارے پاکھنڈی تھے حالانکہ ''سوامی جی'' کی شہرت بھارت میں بہت اچھی تھی لیکن منشارام اُسے بھی چکرباز ہی کہا کرتا تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ یہ تمام سوامی اُس وقت تک ''مہان'' ہیں جب تک ان کے کالے کرتوت چھپے رہیں اور اکثر ایسے ہی ہوتا تھا۔ بڑے بڑے رشی منی اور جٹا دھاری بعد میں فراڈ ہی نکلتے تھے عموماً اُن کے آشرموں پر پولیس چھاپے مار کر کچھ نہ کچھ برآمد کرتی رہتی تھی۔

انسپکٹر منشارام نے یہ کام اپنے کسی ماتحت پر ڈالنے کے بجائے خود کرنے کا عزم کیا اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ ''سوامی جی آشرم'' میں داخل ہو رہا تھا جہاں اُس کا ایک ''سورس'' پہلے سے موجود تھا۔

اس ''سورس'' کے ذریعے ہی اُس نے آشرم کے اس رجسٹر تک رسائی حاصل کی جس میں سوامی جی کے حلقہ خاص کے چیلوں اور چیلیوں کے اوقات کار اور کام کی نوعیت درج تھی اور یہیں سے اُسے معلوم ہوا کہ نروپا رائے آشرم میں ''یوگا'' کی انچارج ہے۔ اُس کے فرائض میں یہاں آنے والے سوامی جی کے ''شردھالوؤں'' کو ''یوگا'' سکھانا اور غیر ملکی شردھالوؤں کو دھارمک استھانوں کے درشن کروانا اور اُن کے متعلق معلومات فراہم کرنا شامل ہے۔

آج صبح ہی ''نروپا رائے بہن جی'' سوامی جی مشن کی ایک چھوٹی بس میں نئے شردھالوؤں کو ''سارناتھ'' کے درشن کروانے لے کر گئی ہیں جہاں سے انہیں آگے پھر نیپال کی سرحد ''سناؤلی'' تک جانا ہے۔

منشارام نے اپنی دانست میں کوئی اطلاع ادھوری نہیں چھوڑی تھی۔ اُس نے اپنے سورس اور دیگر ذرائع سے اس بات کی تصدیق کر لی تھی کہ جس ''نروپا بہن جی'' کے

متعلق وہ معلومات حاصل کر رہا ہے اُسے یہ لوگ دیوی کے سمان سمجھتے تھے جس نے اپنا سب کچھ تج کر اب آشرم کی سیوا داری میں سارا جیون لگا دیا تھا۔

یہ بات تو منشا رام ہی جانتا تھا کہ یہ ''دیوی جی'' ماضی میں کیا کیا کارنامے انجام دے چکی تھیں۔

اُس نے دفتر میں آ کر طویل رپورٹ ٹائپ کی جس میں اپنی تربیت کے مطابق تفتیش و تحقیق کا کوئی نقطہ خالی نہ چھوڑا۔ ایسی رپورٹس لکھنے کا اُسے خاصا تجربہ تھا۔

سنجے کا فون پہنچنے کے تین گھنٹہ بعد وہ رپورٹ فیکس ہو کر اشیش کمار کی میز پر موجود تھی۔ رپورٹس کے مندرجات کا مختصر خلاصہ اور اہم پوائنٹس سنجے نے پہلے سے ایک الگ کاغذ پر نکال کر نمایاں قلم سے لکھ کر ساتھ ہی منسلک کر دیئے تھے تاکہ اُس کے ''صاحب'' کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اُس کے ماتحت نے اپنے کام میں بھرپور دلچسپی لی ہے۔

رپورٹ کا اُس نے تفصیلی مطالعہ کیا تھا اور اب بے چینی سے اپنے کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔ اُس کے دماغ میں اپنے سسر کے کہے ان الفاظ کی تکرار ہو رہی تھی کہ اُس کا سبجیکٹ (subject) نیپال سے سرحد عبور کرنے کی کوشش کرے گا۔

''نیپال..... نعمان..... سوامی جی کا مشن..... نروپا رائے..... سارناتھ''

اُس کے ذہن میں الفاظ انگاروں کی طرح تڑپ رہے تھے۔ پھر اچانک وہ چلتے چلتے رکا، مسکرایا اور پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے لگا۔

''نعمان ملک اگر تم یہاں موجود ہو تو اب میں کسی اور کو تمہارا شکار نہیں کھیلنے دوں گا۔ اب میں خود تمہارا شکار کھیلوں گا..... میں خود''۔

اُس نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگایا۔

اس حالت میں اگر اُس کا کوئی ماتحت اُسے دیکھ لیتا تو شاید پاگل ہی سمجھتا۔ اشیش کمار نے نروپا رائے کو چارہ بنا کر نعمان کا شکار خود کھیلنے کی ٹھانی تھی۔ کوئی نادیدہ شکتی اُسے بار بار یہی بات کہہ رہی تھی کہ اُس کا ''شکار'' بھی یہیں کہیں موجود ہے جس سے وہ اپنا تین سال

پرانا قرضہ پورے سود کے ساتھ وصول کر سکتا ہے۔

نعمان کے جہاز سے غائب ہونے پر حکومت پاکستان مسلسل واویلا تو کر رہی تھی لیکن اس کا کوئی نوٹس بھارت سرکار کی طرف سے نہیں لیا جا رہا تھا اور اس طرح گم ہو جانے والے نعمان کو اگر وہ اپنے علاقے میں شکار کر لیتا تو ضرور اُس کی ایجنسی کی طرف سے اُسے سرخاب کا پر لگ جاتا جو اُس کے لئے بڑے اعزاز کی بات تھی کیونکہ اب تک اُسے ناکامی کے طعنے مل رہے تھے جنہوں نے اُس کی آتش انتقام کو دو چند کر دیا تھا۔

جہاز کو ہائی جیک کروا کر اُس نے اپنی دانست میں کچھ عرصہ پہلے ہائی جیک ہونے والے بھارت کے جہاز کی ہائی جیکنگ کا بدلہ چکانا چاہا تھا اور یہ مشن کامیاب رہتا تو شاید اُسے توقع سے بڑھ کر پذیرائی بھی مل جاتی۔

لیکن..... نعمان نے ایک مرتبہ پھر ہاتھ آئی مچھلی کی طرح ہاتھوں سے پھسل کر اُس کے لئے لاینحل مسائل کھڑے کر دیئے تھے۔

نعمان کے فرار کی وجہ سے اُسے اپنے انتہائی کام کے چار ہائی جیکروں کو مروانا پڑا تھا۔ ان لوگوں نے اشیش کمار کے لئے بہت خدمات انجام دی تھیں اور اب اُسے اُن جیسی اہمیت کے حامل گدھے نہیں مل سکتے تھے۔

اشیش کمار اس سب کا ذمہ دار نعمان کو سمجھتا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ نعمان پکے ہوئے پھل کی طرح اُس کی گود میں آ گرتا جس سے وہ اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر لیتا۔

وہ بچپن سے بہت ضدی اور خودسر تھا۔

کروڑ پتی باپ کی دولت نے اُس کا دماغ خراب کر دیا تھا۔ ایک تو اُس کا باپ بہت بڑا بیوروکریٹ تھا پھر حرام کی کمائی سے کروڑوں کے بینک بیلنس کا مالک بھی تھا۔ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر دنیا میں آنے والے اشیش کمار کو دنیا پر حکومت کرنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ اُس نے ''را'' تک رسائی بھی اسی لئے حاصل کی تھی کہ ''را'' کو جرمنی کی ''گسٹاپو'' کی طرح اپنے ملک میں لامحدود اختیارات حاصل تھے اور ان اختیارات کا وہ

جائز ناجائز استعمال کرنے میں بھی مکمل آزاد تھے۔

نعمان اب اُس کی پریسٹج کا مسئلہ بن گیا تھا۔

اگر وہ آرام سے قربانی کے بکروں کی طرح تین سال پہلے ہی دلی میں اُس کے ہاتھوں ذبح ہو جاتا تو شاید اشیش کمار اُسے معاف بھی کر دیتا لیکن ایک تو وہ دلی میں اُس کے ہاتھوں سے پھسل گیا اور اب جب اُس نے ''ملٹی پرپز'' آپریشن کے ذریعے جہاز کے اغوا کا ڈرامہ رچایا تو اس کا اصل مقصد بھارتی طیارے کے اغوا کا بدلہ لینے سے زیادہ نعمان سے اپنا ذاتی حساب چکانا تھا۔ وہ نعمان کو بہر صورت مار دینا چاہتا تھا۔

لیکن..... اُس کی بدقسمتی کہ ایک مرتبہ پھر وہ نہ صرف اُن کے ہاتھوں سے نکل گیا بلکہ اُس کے فرار کے بعد جس ناقابل تلافی نقصان کا صدمہ اشیش کمار کو اٹھانا پڑا اُس کا اُسے بے حد غصہ اور دکھ تھا۔

جب کبھی وہ نعمان کے سانتا کروز سے فرار کے متعلق سوچتا تو اُس کی رگوں میں دوڑتا خون غصے سے ابلنے لگتا۔ نعمان آسیب کی طرح اُس کے اعصاب پر سوار ہو چکا تھا۔ اُسے احساس تھا کہ وہ نعمان کے فرار کے بعد سے کچھ زیادہ ہی شراب نوشی کرنے لگا ہے جس کا اُس کی پتنی نے بھی سختی سے نوٹس لیا تھا۔ لیکن وہ کیا کرتا.....

اس مسئلے پر اُس کی اپنی پتنی سے تین چار مرتبہ بک بک جھک جھک ہو چکی تھی۔ عام حالات میں وہ اپنی پتنی اُرملا کے سامنے کبھی زبان درازی نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ اُس کی پتنی سے زیادہ ''را'' کے آپریشن ڈائریکٹر اجے سکسینہ کی صاحبزادی تھی جس سے پھڈا لینے کا مطلب سوائے اپنی موت کے بلیک وارنٹ پر دستخط کرنے کے اور کچھ نہیں تھا۔

اُرملا سکسینہ شادی سے پہلے ہی کئی سکینڈلوں کا شکار رہی تھی۔ انٹیلی جنس کمیونٹی کا اہم رکن ہونے کے ناطے اُس کے کردار سے اشیش کمار سے زیادہ اور کون باخبر ہو سکتا تھا۔ اُسے اس بات کا بھی علم تھا کہ اُس کے دو تین ہمعصروں کے ساتھ اُس کی پتنی کے شادی سے پہلے باقاعدہ جسمانی تعلقات رہے ہیں اور شادی کے بعد بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں

آئی تھی۔

لیکن..... زندگی کی دوڑ میں سب سے آگے نکل جانے کے خواہش مند اشیش کمار کے لئے یہ کبھی کوئی اہم مسئلہ نہیں رہا تھا۔ وہ خود کو یہ کہہ کر تسلی دے لیا کرتا تھا کہ وہ بھی تو وہی کچھ کر رہا ہے جو اُس کی دھرم پتنی کرتی ہے۔ اگر اُسے کوئی نہیں روکتا تو وہ اپنی دھرم پتنی کو روکنے والا کون ہوتا ہے؟

اُسے ابھی اور آگے نکلنا تھا۔ ہیڈ کوارٹر میں کسی بڑے منصب تک پہنچ کر اپنی زندگی کے تمام ادھورے خواب مکمل کرنے تھے۔ اُن کی تعبیر اپنے ہاتھوں سے بنانی تھی۔ وہ عموماً ایسے ہی آپریشن کیا کرتا تھا جس سے اُس کی شخصیت اور قد کاٹھ نمایاں ہو کر اُس کے افسران کے سامنے آئے۔

اور نعمان بھی اُس کا ایسا ہی ایک ''آپریشنل سبجیکٹ'' تھا جس نے اُسے ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔

''میرے لئے فوراً گورکھپور کی فلائٹ کا بندوبست کرو''۔

اُس نے سنجے کو انٹر کام پر حکم دیا۔

اور..... شام ڈھلے وہ ہیلی کاپٹر کی ایک خصوصی پرواز کے ذریعے گورکھپور جا رہا تھا۔ اُس کی روانگی ابھی تک ''ٹاپ سیکرٹ مشن'' پر ہونے کی وجہ سے ''کانفیڈنشل'' رکھی گئی تھی۔ سوائے سنجے کے اور کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا۔

کوئی کارنامہ انجام دینے کے چکر میں روانگی کا مقام غلط درج کیا گیا تھا۔ اُسے ایسا کرنے کے خصوصی اختیارات حاصل تھا جن کا وہ ضرورت سے زیادہ ہی استعمال کیا کرتا تھا۔

گورکھپور کے ہیلی کاپٹر پیڈ پر سوائے ایک سی بی آئی آفیسر کے جو اُس کا ذاتی دوست اور کلاس فیلو تھا اور کوئی اُس کے استقبال کے لئے موجود نہیں تھا۔ اُس نے مشن کو اتنا سیکرٹ رکھا تھا کہ گورکھپور کے ''سب ہیڈ کوارٹر'' کو بھی اپنی آمد کی خبر نہیں ہی تھی۔

اس مرتبہ وہ رازداری سے سب کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ناگزیر ضرورت کے بعد اپنے لوگوں سے کام لینے سے اجتناب برتا تھا اور سی بی آئی میں اپنے ہم منصب دوست سے مدد لے کر اس مشن کو مکمل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

دونوں اُس ریسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے جو اس علاقے میں سی بی آئی کا اہم سیف ہاؤس تھا۔ جہاں اشیش کمار نے خفیہ شناخت کے ساتھ قیام کیا تھا۔ صرف دوست کو اُس نے سرکاری طور پر ہر قسم کی معاونت فراہم کرنے کی ہدایت کی تھی۔

.....☆.....

دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نروپا رائے نے اُسے اپنے ساتھ گزری قیامت کی ایک ایک گھڑی سے آگاہ کر دیا۔ اُس نے نعمان کے سامنے اعتراف کیا کہ پہلے ہی روز سے وہ اُس سے محبت کرنے لگی تھی لیکن اُس کی نوکری کا تقاضا یہی تھا کہ اپنے جذبات کا اظہار بھی اسی انداز سے کرے جس طرح اُس کے افسران چاہتے تھے۔ اُس نے نعمان کو بتایا کہ ''را'' کے ہاتھوں اُس کی جان بچانے پر کبھی اُس کے ضمیر نے ملامت نہیں کی کیونکہ اُس نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا تھا۔

نعمان حیرت سے اُس کی باتیں سن رہا تھا۔

اُسے اس بات کا دکھ ہونے لگا تھا کہ وہ نروپا رائے سے ٹکرایا ہی کیوں تھا کیونکہ دونوں کے ملاپ کے بعد سے نروپا کی ساری خوشیاں زندگی اور حالات نے ایک ایک کر کے اُس سے چھین لی تھیں۔

''مجھے تم سے کچھ گلہ نہیں نعمان! میری خواہش ہے کہ تم اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ.....

نہ ڈالنا..... یہ سب میری قسمت تھی..... ایسا ہونا ہی تھا.....''

اُس نے شاید نعمان کے اندر چھڑی جنگ کے اثرات اُس کے چہرے پر بھانپ لیے تھے۔

''میں جانتا ہوں نروپا ہم دونوں بے بس تھا..... لیکن ایسا نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ کاش میں تم سے ٹکرایا ہی نہ ہوتا.....''

ایک عجیب سا پچھتاوا اُس کی جان کو لگ گیا تھا۔

''نہیں نعمان..... یہ تمہارے اور میرے اختیار میں تھا ہی نہیں۔ جب بھگوان نے ایسا ہی چاہا تو ہم کیسے اس سب کچھ سے بچ سکتے تھے''۔

نروپا نے اُس کی خلش کا احساس کر لیا تھا۔

''میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں نروپا..... بتاؤ مجھے..... پلیز مجھے بتاؤ تا کہ میں اس بوجھ سے نجات حاصل کر سکوں جو میرے دل پر آن پڑا ہے''۔

اُس نے نروپا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور دونوں نے آنکھوں کے راستے ایک دوسرے کے دل میں بہت دور تک جھانک لیا۔

''تم سلامتی سے اگر میرے ذریعے اپنے ٹھکانے تک پہنچ جاؤ تو میں سمجھوں گی کہ میں نے اپنے پاپ (گناہ) کا پراشچت (کفارہ) کر لیا''۔

نروپا نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

''نروپا پلیز ایسا مت سوچو..... اس میں تمہارا کوئی دوش نہیں تھا۔ تم نے تو پہلے بھی میری جان بچائی تھی اور اب بھی.....''

نامکمل بات کہہ کر اُس نے اپنا دل اُس کے سامنے کھول دیا۔

''نعمان ہمارے پاس وقت بہت کم ہے..... میں اس موذی کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہارے جبل پور سے فرار کے بعد یقیناً اُن لوگوں کو دال میں کالا دکھائی دے گا۔ وہ ضرور یہ اندازہ قائم کریں گے کہ مدھیہ پردیش سے تم یوپی کے راستے نیپال ہی واپس

جاؤ گے۔ میری اطلاع کے مطابق جبل پور میں اے ٹی ایس کے چیف کی حیثیت سے دھنپت سنگھ کام کر رہا ہے۔ اُس نے اب تک تمہارا خاکہ تیار کر لیا ہوگا۔ ان لوگوں کے پاس جدید ترین کمپیوٹر سسٹم موجود ہیں جن کے ذریعے میک اپ یا کسی اور طریقے سے تبدیل شدہ چہروں کو یہ درجنوں روپ دے کر دیکھ لیتے ہیں۔ اب تک اگر انہوں نے تمہاری شناخت نہیں کی تو ضرور اس بات کا اندازہ لگا لیا ہوگا کہ کوئی تم جیسا ہی آتنک وادی (دہشت گرد) وہاں سے فرار ہوا ہے۔ اشیش کمار ذہنی مریض ہے نعمان..... اُسے خود کو نمایاں کرنے کا جنون رہتا ہے۔ کوئی شکار اگر ایک مرتبہ اُس کے ہاتھ سے نکل جائے تو اُس کی حالت زخم خوردہ بھیڑیے جیسی ہو جاتی ہے۔ نعمان میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ موذی ضرور یہاں آئے گا''۔

اُس نے اپنی بات کا اختتام بڑے حتمی انداز میں کیا تھا۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں نروپا..... اب یہ کھیل ختم ہو جانا چاہئے۔ اس طرح میرے چکر میں نجانے کتنے بے گناہوں کا خون بہتا رہے گا''۔

اُس نے نروپا کی طرف دیکھے بغیر ایسے لہجے میں کہا تھا کہ نروپا کو اپنے بدن میں سنسناہٹ کا احساس ہوا۔

''بہر حال مین تمہیں محفوظ سرحد پار کرواؤں گی نعمان..... یہ میرا تم سے اور اپنے آپ سے وعدہ ہے''۔

اُس نے بڑے تیقن سے کہا۔

نعمان کو اُس لمحے شدت سے نروپا کی عظمت کا احساس ہوا۔ اُس نے ابھی تک نعمان سے کچھ نہیں مانگا تھا۔ کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا اور اتنے زخم کھانے کے بعد بھی اس کے لئے جان سے گزر جانے کے لئے تیار تھی۔

دونوں ہوٹل سے باہر آ گئے تھے۔ نروپا نے اُسے بتایا تھا کہ جن غیر ملکی ورکرز کے ساتھ وہ سفر کر رہے ہیں ان کی منزل ''سناؤلی'' ہے جو ایک طرح سے سرحدی قصبہ ہے

جہاں سے وہ پھر ''لمبینی'' یا اُس کے ساتھ کسی اور جگہ سے سرحد عبور کر سکتا ہے۔ دونوں اس ویگن کے نزدیک پہنچ گئے تھے جس میں انہیں یہاں سے ''جونپور'' تک جانا تھا۔ جونپور میں انہیں رات قیام کرنے کے بعد اگلے روز پھر گورکھپور اور وہاں سے سکاؤلی جانا تھا۔

ویگن کو پیلا رنگ کر کے اُس پر سوامی جی کے آشرم کے نشان پینٹ کئے گئے تھے اور اب تک نعمان نے نہیں دیکھا تھا کہ جہاں سے یہ ویگن گزرتی لوگ نہ صرف احتراماً اسے راستہ دے دیتے تھے بلکہ کئی تو ہاتھ جوڑ کر ویگن کے دونوں دروازوں پر پینٹ کی گئی سوامی جی کی تصویر کو پرنام بھی کرنے لگتے تھے۔ ابھی تک کہیں بھی ان کی ویگن کو کسی نے روک کر چیک کرنے کی جرات نہیں کی تھی حالانکہ یہاں سے نیپال کی سرحد تک درجنوں سیکورٹی چیک پوسٹیں بنائی گئی تھیں جو کسی بھی وہیکل کو چیک کئے بغیر آگے جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ نعمان کے لئے ان حالات میں نروپا رائے کی آمد تائید غیبی تھی اور کوئی طاقت اُسے بار بار اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ وہ ضرور اپنی منزل تک پہنچ جائے گا جبکہ نروپا کی بات سننے سے پہلے ہی وہ اس امکان پر غور کر چکا تھا کہ ضرور اُس کا تصویری خاکہ اُن لوگوں نے ہوٹل ملازمین کی مدد سے تیار کر لیا ہوگا۔ اگر صد فی صد نہیں تو بھی وہ اس امکان کو ضرور نظر میں رکھے ہوئے ہوں گے کہ فرار ہونے والا نعمان بھی ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد ہی وہ جونپور کی طرف عازم سفر تھے۔

ویگن میں اُس کے علاوہ سب غیر ملکی یورپین سوار تھے۔ نعمان کی رنگت اور قد کاٹھ سے بھی وہ اُن میں سے ایک لگتا تھا۔ ان لوگوں کا تعلق سوامی جی کے غیر ممالک میں موجود آشرموں سے تھا اور یہ سب اُن کے چیلے چانٹے ہی تھے۔

جونپور کے راستے میں آنے والے مختلف مذہبی نوعیت کے مقامات کی نشاندہی ایک ماہر گائیڈ کی طرح نروپا رائے کرتی جا رہی تھی۔ اُس نے ان لوگوں سے نعمان کا تعارف بھی آشرم کے ایک سیوادار کی حیثیت سے کرواتے ہوئے اُس کا تعلق مشرقی یورپ کے کسی

ملک سے جوڑ دیا تھا تاکہ کسی کو نعمان کے انگریزی لہجے پر شک کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ راستے میں وہ کبھی کبھی انہیں کورس کی شکل میں سوامی جی کے آشرم میں گائے جانے والے بھجن کا الاپ بھی کرواتی آئی تھی جسے یہ لوگ بڑے ذوق شوق سے کورس کی شکل میں گاتے آ رہے تھے۔

شام ڈھل رہی تھی جب وہ لوگ جونپور میں داخل ہوئے!

جونپور جو کبھی شرقی خاندان کا دارالحکومت رہا تھا میں ابھی تک فیروز شاہ تغلق کی بنائی مساجد کے مینار سر اٹھائے اللہ کی واحدانیت کے نغمے الاپ رہے تھے جبکہ چاروں طرف مندروں نے انہیں گھیر رکھا تھا۔ جونپور کے مشہور قلعے کے نزدیک ہی سوامی جی کا آشرم نما ٹھکانہ موجود تھا۔ نعمان نے یہ بات بطور خاص نوٹ کی تھی کہ سوامی جی کے آشرموں کا جال غیر ملکی اور ملکی سطح پر دور دور تک پھیلا ہوا تھا گو کہ اُس نے سوامی جی کے درشن نہیں کئے تھے لیکن اُن کی شہرت سے اچھی طرح باخبر تھا۔ قدرت نے ایک مرتبہ پھر اس پر مہربانی کرتے ہوئے اُسے بہترین کور (cover) مہیا کر دیا تھا۔

جونپور کے اُس ہوسٹل نما آشرم میں جہاں سوامی جی کے سیواداروں نے اُن کے لئے پہلے سے رہائش اور لنگر کا بندوبست کر رکھا تھا۔ ایک کمرے میں بیٹھا نعمان سوچ رہا تھا کہ اگر اشیش کمار اُس سے غافل نہیں تو وہ بھی یقیناً اُس کے اردگرد ہی کہیں موجود ہوگا۔

وہ ذہنی طور پر کسی بھی پیش آمدہ سچوایشن کے لئے خود کو تیار کر چکا تھا البتہ یہ بات اُس کے لئے ضرور پریشان کن تھی کہ اگر کسی مرحلے پر ''را'' کو اس بات کی بھنک پڑ گئی کہ اس مرتبہ اُسے فرار کروانے میں کسی نہ کسی حد تک نروپا رائے پھر ملوث ہے تو وہ نروپا رائے کو زندہ درگور کر دیں گے کیونکہ ماضی میں وہ اسی الزام سے بری ہوئی تھی۔ اُس نے اللہ سے ایک ہی دعا مانگی تھی کہ اگر کسی مرحلے پر اشیش کمار اُس سے ٹکرا بھی جائے تو اُسے اس بات کا علم نہ ہونے پائے کہ نروپا رائے نے اُس سے ملاقات بھی کی تھی یا نہیں۔

نروپا رائے کو اگر اب اُس کے کسی بھی حوالے سے مشکل کا سامنا کرنا پڑا تو یہ

صورتحال اُس کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ وہ پہلے ہی اپنے دل پر بڑا بوجھ محسوس کر رہا تھا۔

اچانک ہی کمرے کا دروازہ کھول کر نروپا رائے اندر آئی تو اُس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

''خیریت.....''

نعمان نے اُس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔

''میرے خیال سے ہمیں صبح کا انتظار کرنے کے بجائے آج ہی گورکھپور نکل جانا چاہئے'' نروپا رائے نے تو جیسے اُس کے دل کی بات کہہ دی تھی۔

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا نروپا''۔

اُس نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''ٹھیک ہے تم تیاری کرو..... میں باقی لوگوں سے پروگرام کی تبدیلی کا کہوں.....''

اُس نے نعمان سے کہا۔

''لیکن کیسے..... میرا مطلب ہے؟''

نعمان کو اچانک ہی خیال آ گیا تھا کہ اس طرح اچانک پروگرام تبدیل ہونے کا وہ لوگ کیا مطلب لیں گے؟''

''میں انہیں مطمئن کر لوں گی نعمان سوریہ گرہن نزدیک آ گیا ہے اور وہ جانتا ہے اس موقعہ پر میرا ودارانسی میں ہونا لازم ہے۔

''ٹھیک ہے نروپا..... جیسے تمہاری مرضی''

اُس نے نروپا کے فیصلے پر صاد کی۔

تھوڑی دیر بعد وہ گورکھپور کی طرف جا رہے تھے جہاں سے پھر نروپا کے ساتھ اُسے سناؤلی اور اس کے بعد سرحد تک جانا تھا۔ اُس کی شدید خواہش تھی کہ گورکھپور ہی میں

نروپا اُس سے الگ ہو جائے کیونکہ اس کے بعد قدم قدم پر اُس کے لئے ''را'' نے جال بچھا رکھا ہوگا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح اس میں الجھے۔

جونپور سے گورکھپور کا فاصلہ زیادہ طویل نہیں تھا وہ لوگ رات کے دوسرے پہر گورکھپور پہنچ گئے جہاں آشرم کے سیواداروں کو پروگرام کی تبدیلی کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ اُن کے منتظر تھے۔

اُن کے ہمسفر تھکے ہوئے تھے اور فوراً آرام کرنا چاہتے تھے۔ جلد ہی سب گہری نیند سو گئے۔ ان میں نروپا بھی شامل تھی لیکن نعمان کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ ایسا تب ہی ہوتا تھا جب لاشعوری طور پر وہ کسی قسم کا خطرہ محسوس کر لیتا تھا۔

اُس نے کمال کی چھٹی حس پائی تھی..... اپنی تربیت کے دوران مخصوص مشقوں سے اس کی شدت میں اضافہ کیا تھا اور زندگی میں کئی خطرناک مرحلوں پر وہ محض اس لئے بچ نکلتا تھا کہ اُسے کوئی نادیدہ قوت وقت سے چند منٹ پہلے ہی سہی ہوشیار ضرور کر دیا کرتی تھی۔

☆☆☆

''آشرم کی گاڑی آ گئی سر''

رات کے 2 بجے اشیش کمار نے یہ پیغام انسپکٹر چندو کی طرف سے وصول کیا تھا۔

گورکھپور میں آنے کے بعد اُس نے انسپکٹر چندو کو براہ راست طلب کر کے اپنے موجودہ دورے کو مکمل خفیہ رکھنے کی تلقین کی تھی اور انسپکٹر چندو کی طرف سے آج ہی تین دن کی چھٹی کی درخواست دے دی گئی تھی۔ اب وہ محکمانہ طور پر تو کام سے غیر حاضر تھا لیکن اصل میں ڈائریکٹر اشیش کمار کے ساتھ ڈیوٹی دے رہا تھا۔ چندو کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ اشیش کمار جس خفیہ آپریشن کے لئے یہاں موجود ہے وہ بہت ہی خاص نوعیت کا آپریشن ہوگا کیونکہ چندو کی طرح ڈائریکٹر صاحب کی بھی اس علاقے میں موجودگی کا کسی ایجنسی کو علم نہیں تھا۔ وہ جس ڈاک بنگلہ میں ٹھہرا ہوا تھا وہاں کمرے کی بکنگ اُس کے کسی

دوست نے اپنے نام سے کروائی تھی۔

اس مرتبہ اشیش کمار کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اُس کے اردگرد کوئی نہ کوئی ایسا دشمن ضرور موجود ہے جو اُن کی خبریں مخالف ایجنسی کو دیتا رہتا ہے۔ اس لئے اُس نے اس معاملے کو ''ٹاپ سیکرٹ'' رکھا تھا۔

''مجھے گاڑی کے تمام مسافروں کی فہرست چاہئے چندو.....ابھی فوراً''۔

اُس نے چندو کو حکم جاری کیا۔

انسپکٹر چندورام کو اشیش کمار کی اہمیت کا بخوبی علم تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اتنے اہم ترین اور خفیہ مشن کے لئے اُس کا انتخاب اُس کی خوش قسمتی ہے۔ اگر وہ اشیش کمار کی توقعات پر پورا اترا تو اسے ''را'' میں ترقی کرنے سے کوئی دنیاوی طاقت نہیں روک سکتی۔

سوامی آشرم سے انسپکٹر چندو کا کوئی خاص تعلق کبھی نہیں رہا تھا لیکن اُس کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ وہ اس علاقے کا سب سے باخبر انٹیلی جنس آفیسر تھا اور اُس کی وجہ تھی جرائم کی دنیا یعنی انڈرورلڈ میں اُس کے مراسم۔

انسپکٹر چندورام کے تمام ''سورس'' جرائم کی دنیا کے باشندے تھے جن سے اُسے اپنے صاحب کی معلومات حاصل کرنے میں کبھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اُس نے اشیش کمار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خود پر نیند حرام کر لی تھی اور اپنے ایک اہم ''سورس'' کو نیند سے بیدار کر کے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔

''صاحب بے فکر رہیں..... وہاں کا سیوادار اپنا یار ہے.....سالا دو نمبر آدمی ہے.....ڈرگ کا دھندا کرتا ہے صاحب''۔

سورس نے اُسے یقین دہانی کروائی۔

''مجھے اُس کے دھندے سے کچھ لینا دینا نہیں.....لیکن صبح 8 بجے سے پہلے مجھے تمام انفارمیشن چاہئے''۔

اُس نے اپنے ''سورس'' کو کچھ نوٹ تھماتے ہوئے کہا۔

''مل گئی صاحب مل گئی تمام انفارمیشن.....ابھی جاتا ہوں''۔

اُس نے کمر سیدھی کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے مجھے 8 بجے ساری انفارمیشن کے ساتھ ہوٹل میں ملو''۔

اس پر عمل کا مطلب سورس اچھی طرح جانتا تھا اور ٹھیک 8 بجے وہ ہوٹل میں موجود تھا۔ اس نے بس کے تمام مسافروں کے کوائف جو وارانسی روانگی کے وقت یہاں گورکھپور کے سوامی جی کی آشرم میں پہنچے تھے اُسے پیش کر دیئے اور اگلے پندرہ منٹ بعد اس لسٹ کے ساتھ وہ اشیش کمار کے سامنے موجود تھا۔

''یہ تو نروپا رائے سمیت گیارہ نام ہیں.....تم تو شاید بارہ مسافر بتا رہے تھے''

اچانک ہی اُسے اشیش کمار نے چونکا دیا۔

''میں نے پوچھا تھا سر.....ایک مسافر وارانسی سے سوار ہوا ہے۔ کوئی مقامی بندہ ہوگا''۔

انسپکٹر چندو نے اس پوائنٹ کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

''ٹھیک ہے.....تم چوکس رہنا.....اور ہاں اس ریسٹ ہاؤس کی لائن کو دو چار دن کے لئے کاٹ دو''۔

اُس نے انسپکٹر چندورام کو عجیب و غریب حکم دیا۔

''او کے سر!''

چندو کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ جہاں وہ قیام پذیر ہے اور رابطے کے لئے صرف ایک فون موجود ہے اُس کو اشیش کمار کاٹنے کے لئے کہہ رہا ہے.....شاید اپنی پرائیویسی ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتا''.....اُس نے سوچا اور سلیوٹ مار کر باہر آ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ان بڑے افسران کے کسی حکم کی وضاحت یا تفصیل طلب کرنا اپنی بدبختی کو دعوت دینے کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اُس نے تو حکم کی تعمیل کرنی تھی خواہ کوئی بھی حکم جاری ہوتا۔

چندورام سے یہ اشیش کمار کی آخری ملاقات تھی۔ اُسے ابھی تک اس بات کی سمجھ

نہیں آئی تھی کہ ڈائریکٹر صاحب یہاں کرنے کیا آئے ہیں؟ اور کس مشن پر ہیں؟ اُس سے صرف گورکھپور میں سوامی جی آشرم کے سیواداروں کی تفصیلات طلب کی گئی تھیں۔ آشرم کی سرگرمیوں سے متعلق پوچھا گیا تھا اور وارانسی سے سوامی جی کے آشرم کی ویگن میں آنے والے مسافروں کی تفصیل طلب کی گئی تھی۔ اس سارے گورکھ دھندے کا پس منظر کیا تھا؟ یا اس کا پیش منظر کیا ہوگا؟ ان سوالات پر مغز ماری کرنے سے انسپکٹر چندورام کو کیا حاصل ہوتا۔ اُس کی سروسز کا تو ایک ہی مطلب تھا کہ کسی بھی طرح اپنے ''صاحب'' کی ہمدردی حاصل کر کے یہاں کا مکمل انچارج بن جائے۔ اس کی طرف سے باقی سب کچھ بھاڑ میں جاتا۔

☆☆☆

انسپکٹر چندو کی روانگی کے بعد اشیش کمار بھی وہاں سے نکل گیا۔ اُس کا رُخ گورکھپور کے کنٹونمنٹ ایریا کی طرف تھا۔ قریباً بیس منٹ بعد وہ میجر شیام کے سامنے بیٹھا تھا۔

میجر شیام کے لئے اُس کی اچانک آمد حیرت اور خوشی کا باعث تھی اور دونوں نے بغلگیر ہو کر گرمجوشی سے معانقہ کیا تھا۔ میجر شیام سے اُس کی ملاقات دو سال بعد ہو رہی تھی۔ اس دوران دونوں کا فون پر کبھی کبھی رابطہ ہو جاتا تھا لیکن بالمشافہ وہ دو سال بعد مل رہے تھے۔

دونوں ایک دوسرے کے بہترین دوست رہے تھے۔ دونوں نے زندگی کے کچھ مشکل ایام اکٹھے گزارے تھے۔ میجر شیام کو وہ تل ابیب کے ایس ایس جی سنٹر میں اپنی خصوصی اور خفیہ ٹریننگ کا ایک ایک لمحہ یاد تھا۔ اس ٹریننگ میں اُس کا دوسرا ساتھی اشیش کمار تھا جو ''را'' کی طرف سے اس کورس میں شامل تھا۔ اُن کا گروپ پندرہ افسروں پر مشتمل تھا لیکن سب ایک دوسرے سے کھچے کھچے رہتے تھے۔ صرف اشیش کمار اور شیام جو اُن دنوں کیپٹن تھا ایک دوسرے کے بہت نزدیک آ گئے تھے اس کی اہم وجہ دونوں کی مشترکہ دلچسپیاں تھیں۔ دونوں ایک ہی برانڈ کی شراب اور ایک ہی طرح کی لڑکیاں پسند کرتے

تھے۔ دونوں کے بہت سے مشاغل ایک دوسرے سے ملتے تھے۔

یہ تین ماہ کا انتہائی سخت اور جان لیوا کورس تھا جس میں انہیں اپنے ''ٹارگٹ'' تک پہنچنے اور اُسے مارنے کے طریقے بتائے جاتے تھے۔ کیپٹن شیام آرمی انٹیلی جنس اور اشیش کمار ''را'' کی طرف سے اس کورس میں شامل تھے۔ دونوں نے بڑا اچھا اور یادگار وقت گزارا تھا۔ ان تین ماہ میں ایک ہی کمرے میں رہنے کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے تھے۔

''سرپرائز وزٹ؟''

میجر شیام نے حسب عادت قہقہہ لگاتے ہوئے اُس سے دریافت کیا۔

''ہاں.....''

اشیش کمار نے مختصر سا جواب دیا۔ پھر اُسے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کرنے کے لئے ساری کہانی سنا دی۔

''تو یہ بات ہے؟''

میجر شیام نے معنی خیز نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں! تم چونکہ اس سرحدی علاقے کے کیڑے سمجھے جاتے ہو اور میں تمہارے علاوہ اور کسی پر اعتماد بھی نہیں کر سکتا..... ایجنسی کے کسی ساتھی پر بھی نہیں''۔

اشیش کمار نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے پارٹنر..... ہمیں کیا کرنا ہے؟''

اُس نے دریافت کیا۔

''دو دن کی چھٹی لے کر میرے ساتھ چلو''

اشیش کمار نے عجیب و غریب فرمائش کر دی۔

میجر شیام اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اُس کا دوست ''موساعد'' کی اکیڈمی میں سیکھے ہوئے داؤ آزمانے جا رہا ہے جہاں By way of

deception (دھوکے سے کام نکالو) کا سنہری سبق پڑھایا اور سمجھایا گیا تھا۔

''کب جانا ہے.....؟''

میجر شیام نے پوچھا۔

''آج..... بلکہ ابھی''۔

اشیش کمار نے جواب دیا۔

''آج تو کسی صورت جان نہیں چھٹتی پارٹنر..... ہاں 3 بجے دن کے بعد میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کر سکوں گا..... آج بریگیڈیر صاحب موجود ہیں''۔

اُس نے کہا۔

اشیش کمار نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دوپہر کے گیارہ بج رہے تھے اور وہ جانتا تھا کہ فوج کے ڈسپلن کے مطابق واقعی آج یہ ممکن نہیں۔ بادل نخواستہ اُس نے تین بجے تک انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ موجود نہیں تھا۔

☆☆☆

بھارت کی نارتھ ایسٹرن ریلوے کا ہیڈ کوارٹر ہونے کی وجہ سے گورکھپور بڑا جنکشن تھا۔ اس وقت صبح کے دس بج رہے تھے اور دونوں نوتنوا کی طرف جانے والی ٹرین کے منتظر تھے۔ گورکھپور سے سناؤلی تک کا سفر نروپا رائے نے ''آف دی ریکارڈ'' کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُس نے اپنی ٹریننگ کے دوران ''سناؤلی'' اور ''لمبینی'' میں خاصا وقت گزارا تھا اور بھارتی انٹیلی جنس کی طرف سے نیپال میں ہونے والے آپریشنز کے لئے استعمال میں آنے والے ''لانچنگ پیڈز'' بھی اُس کے علم میں تھے۔ یہ بڑے محفوظ لانچنگ پیڈ (جہاں سے جاسوس غیر قانونی سرحد عبور کرتے ہیں) تھے اور نروپا کو یقین تھا کہ وہاں سے نعمان آسانی سے سرحد عبور کر سکے گا۔ اُس نے کسی نامعلوم لیکن بڑے ہی مضبوط جذبے کے تابع نعمان کی سیکورٹی اور بحفاظت روانگی کو اپنی ذمہ داری جاننا شروع کر دیا تھا اور نعمان کے متعدد مرتبہ کہنے پر بھی آخری لمحات تک اُس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

نعمان اس مرحلے پر اُسے کوئی نیا دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو کم از کم نروپا رائے اس بوجھ سے نجات حاصل کر لے جو اُس کے دل پر آن پڑا ہے۔

نروپا نے سناؤلی کے لئے دو ٹکٹ خریدے تھے اور اب دونوں سرحدی علاقے کی طرف جانے والی ٹرین میں سوار ہو چکے تھے۔ اس ٹرین پر معمول کی نگرانی موجود تھی لیکن دونوں نے سوامی جی آشرم کے بڑے بڑے چولے پہن رکھے تھے اور سوامی جی کے لئے یہاں لوگوں کے دلوں میں بہت احترام موجود تھا۔ اُن کے ساتھ ٹرین میں زیادہ تعداد غیر ملکیوں ہی کی تھی جو سرحد عبور کر کے نیپال جانا چاہتے تھے اور سناؤلی کی طرف جا رہے تھے۔

سناؤلی سے قریباً آٹھ کلومیٹر پہلے ہی نروپا نے اُسے اپنے ساتھ اُترنے کا اشارہ کیا اور دونوں باہر آ گئے۔ اس جگہ کا نام ''نوٹنوا'' تھا اور ایک سنگ میل پر سناؤلی کے یہاں سے 8 کلومیٹر دور ہونے کی خبر دی گئی تھی۔

''یہاں سے باقی سفر پیدل کرنا ہے نعمان''۔

اُس نے چھوٹے سے سٹیشن کے باہر آ کر نعمان سے کہا۔

''ٹھیک ہے..... جیسے تمہاری مرضی''

نعمان نے صاد کیا۔

''میرے خیال سے اب ان کپڑوں سے نجات حاصل کر لو''۔

اُس نے سوامی جی آشرم کے گیروی چولے کی طرف اشارہ کیا۔

''اوکے''

نعمان نے اثبات میں سر ہلایا اور دونوں چولے اُس کے بیگ میں منتقل ہو گئے۔

☆☆☆

ٹرین 4 بجے سناؤلی اسٹیشن پر پہنچی تھی اور دونوں وہاں موجود تھے۔ دونوں نے

بھیس بدل رکھے تھے۔ اُن کی پہچان ممکن نہیں تھی صرف نروپا رائے ہی اشیش کمار کو پہچان سکتی تھی۔

اشیش کمار کو خصوصی ہیلی کاپٹر کے ذریعے روانگی سے پہلے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ نروپا رائے کسی پروگرام کے بغیر اچانک اپنے وارانسی والے مہمان کے ساتھ سناؤلی کی طرف روانہ ہوگئی ہے۔

یہ آخری خدمت تھی جو اُس نے انسپکٹر چندو رام کے ذریعے لی اور اب اسے یقین ہو چکا تھا کہ یہ ''مہمان'' کون ہوسکتا ہے۔ اُس پر اس خبر سے نشہ طاری ہوگیا تھا۔ اب وہ آسانی سے نعمان اور نروپا رائے دونوں کا شکار کھیل کر جہاں اپنی انانیت کو تسکین دے سکتا تھا وہاں ایجنسی میں اپنی گمشدہ عزت آسانی سے بحال کر کے اپنے حاسدین کے منہ ہمیشہ کے لئے بند کروا سکتا تھا۔

آرمی انٹیلی جنس کا اہم آفیسر ہونے کے ناطے میجر شیام نے سناؤلی کے لئے ہیلی کاپٹر سروس حاصل کر لی تھی۔ اپنے دوست اشیش کمار کی شدید خواہش پر اُس نے یہ سروس بھی ''آف دی ریکارڈ'' ہی رکھی تھی اور واقعی دو دن کی چھٹی لے کر اُس کے ساتھ ''سرکاری کام'' پر جا رہا تھا۔

ٹرین 4 بجے سناؤلی پہنچی تھی..... جسے میجر شیام نے آدھا گھنٹہ مزید لیٹ کروا دیا تھا کیونکہ اُن دونوں کا وہاں پہلے سے موجود ہونا ضروری تھی۔ دونوں نے اپنے کپڑوں میں ''اوزی گن'' چھپا رکھی تھیں اور اب اپنے شکار کے منتظر تھے۔

ٹرین کے مسافر جس پلیٹ فارم پر اتر کر باہر آئے تھے وہاں صرف ایک راستہ بنایا گیا تھا اور اس راستے پر وہ دونوں موجود تھے۔ دونوں کے لئے یہ بات حیران کن تھی کہ ان مسافروں میں نروپا رائے اور نعمان شامل نہیں ہیں۔

''کھیل شروع ہوگیا پارٹنر.....''

اُس نے میجر شیام کے کندھے پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

شیام نے وضاحت طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''مجھے یقین تھا وہ یہاں نہیں ہوں گے..... بس تسلی کرنا چاہتا تھا''۔

اشیش کمار نے اگلی خبر دی۔

دونوں تیزی سے نزدیکی آرمی آپریشن روم کی طرف جا رہے تھے جہاں میجر شیام کی اچانک آمد پر کئی ہاتھ سلیوٹ کے لئے اٹھ گئے تھے۔

دونوں ایک کمرے میں اپنے سامنے نقشہ بچھائے بیٹھے تھے۔ یہ وہ خاص فوجی نقشہ تھا جو صرف انٹیلی جنس کے لئے شائع کیا جاتا تھا۔

اشیش کمار نے دو اہم سرحدی مقامات پر چھڑی کی نوک جماتے ہوئے میجر شیام سے کہا تھا کہ وہ اس ایریا کو دیکھے گا۔ یہ دونوں انٹیلی جنس کے لانچنگ پیڈ تھے جنہیں وقتاً فوقتاً استعمال کیا جاتا تھا۔

''اور تم.....؟'' اُس نے اشیش کمار کی طرف دیکھا۔

''میں دوسری طرف جاؤں گا۔ ایک چانس لے رہا ہوں ممکن ہے وہ اُس طرف سے نکلنے کی کوشش کرے۔ سالی! اس علاقے میں اپریٹ کرتی رہی ہے ناں'' اس نے نروپا رائے کو گالی دے کر کہا۔

اپنی تربیت کے مطابق میجر شیام نے اشیش کمار سے اُس کی منزل معلوم نہیں کی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر الگ ہو گئے تھے اور دو الگ الگ جیپوں میں اپنے ٹارگٹ کی تلاش میں متضاد سمتوں میں لیکن سرحدی علاقے کی طرف عازم سفر تھے۔ میجر شیام نے اس مرحلے پر اپنی اتھارٹی استعمال کرتے ہوئے اشیش کمار کو لاعلم رکھ کر مقامی آرمی انٹیلی جنس یونٹ کے تین مستعد جوانوں کو اپنے ہمراہ کر لیا تھا اور تھوڑی دیر بعد وہ لوگ اس گنجان جنگل اور پہاڑی علاقے میں پوزیشنیں سنبھال کر اپنے شکار کے منتظر ہو گئے تھے۔

☆☆☆

سورج تھوڑی دیر پہلے غروب ہوا تھا لیکن اندھیرا نعمان کی توقعات سے زیادہ تیزی سے آسیب کی طرح اس پہاڑی درختوں اور جھاڑیوں سے اٹے ہوئے علاقے پر پھیل چکا تھا۔ نروپا رائے اُسے چار گھنٹے مسلسل پیدل سفر کرواتی یہاں تک لائی تھی۔ اس دوران وہ کسی آبادی کے نزدیک بھی نہیں پھٹکے تھے۔ اُس کی جسمانی چستی نے نعمان کو حیران کر دیا تھا لیکن پھر خود ہی وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ یوگا کی استاد اور مارشل آرٹس پر مہارت رکھنے والی نروپا رائے نے جسمانی طور پر خود کو مکمل فٹ رکھا ہوا تھا۔

دونوں اس وقت ایک پہاڑی جھرنے کے نزدیک کھڑے تھے جہاں سے آگے نیپال کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔

''او کے پارٹنر..... ہمیں اب جدا ہونا ہے۔ مجھے یقین ہے کل شام سے پہلے تم اپنی خیریت کی اطلاع ضرور پہنچا دو گے''۔

نروپا نے اُس کی طرف دیکھے بغیر بظاہر بڑی ہمت سے اپنے آنسوؤں کا گلہ اپنے اندر گھونٹ رکھا تھا لیکن نعمان جانتا تھا وہ کس کیفیت کا شکار ہے۔ وہ خود بھی اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔

''میں بھی تمہیں کبھی نہیں بھلا سکوں گا نروپا..... اور ہاں زندگی رہی تو تم سے ضرور ملوں گا..... یہ میرا وعدہ ہے''۔

نعمان نے اچانک ہی بڑے مضبوط لہجے میں وہ بات کہہ دی جسے سننے کے لئے نروپا کے کان ابھی تک ترس رہے تھے۔

''میں زندگی کے آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گی نعمان!''

اُس نے نعمان کی آنکھوں میں جھانکا تو دو آنسو بے اختیار اُس کے گالوں پر پھسل گئے۔ نروپا نے اپنی قمیص کی آستین سے آنکھیں پونچھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ بے اختیار وہ نعمان کے سینے سے لگ گئی۔

نعمان کے لئے اپنے جذبات پر قابو پانا ناممکن ہو رہا تھا لیکن اُس نے بڑے

حوصلے سے خود کو سنبھالے رکھا۔

''خدا حافظ نعمان..... بھگوان تمہاری رکھشا کرے''۔

اچانک ہی نروپا کو احساس ہوا کہ وہ جذباتی زیادتی کی مرتکب ہو رہی ہے''۔

''خدا حافظ نروپا.....''

اُس نے نروپا کی طرف دیکھا اور نروپا کے سمجھائے ہوئے راستے کی طرف گھوم گیا۔ پندرہ بیس قدم تک اُس نے اس خوف سے گھوم کر نہ دیکھا کہ کہیں مڑ کر دیکھنے پر پتھر کا نہ ہو جائے۔

اچانک ہی زمین نے اُس کے قدم جکڑ لئے۔ ٹارچ کی لائٹ اُس کی آنکھوں پر پڑی۔

اشیش کمار نے دائیں ہاتھ میں پکڑی ''اوزی گن'' اُس کی طرف سیدھی کی ہوئی تھی اور بائیں ہاتھ سے ٹارچ کی روشنی اُس پر ڈال رہا تھا۔

''ویل ڈن..... ویل ڈن..... لیکن اکیلے ہو تم..... وہ کہاں گئی؟''

اُس نے نروپا کو گالی دے کر کہا۔

نعمان نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اشیش کمار نے نروپا کو نہیں دیکھا۔

''کس کی بات کر رہے ہو تم؟'' اُس نے اشیش کمار سے پوچھا۔

''اوہ تو یہ بات ہے..... بھاگ گئی سالی..... چلو اچھا ہوا۔ میری تو خواہش تھی دونوں عاشق معشوق اکٹھے ہی مرتے''۔

اشیش کمار نشے کی سی حالت میں گالیاں دے رہا تھا۔

''تم یہ حسرت لے کر مرو گے اشیش کمار..... یہ جنگ تم نے شروع کی تھی لیکن اس کا اختتام میں کروں گا.....''

نعمان کا لہجہ اتنا پھاڑ کھانے والا تھا کہ ایک لمحے کے لئے تو اشیش کمار گڑبڑا کر رہ گیا۔

''تم..... تمہاری اوقات ہی کیا ہے۔ میں چاہتا تو راستے ہی میں تمہیں مار دیتا''۔

''تم مجھے نہیں مار سکتے اشیش کمار.....''

غصے میں پھنکتے ہوئے نعمان نے اُس کی بات کاٹی۔

''اچھا.....یہ لو.....''

طنزیہ لہجے میں اشیش کمار نے کہا اور اُس کی طرف گن سیدھی کی۔

تین عمل ایک ساتھ وقوع پذیر ہوئے تھے۔ اشیش کمار کے عقب میں موجود نروپا رائے نے ایک بڑا پتھر اُس کے سر پر مارا تھا۔ اشیش کمار چکرا کر گرا۔ نعمان نے اس انداز سے بندر کی طرح جست لگائی تھی کہ اُس کی گن سے نکلی گولی سے بچ سکتا۔

اشیش کمار پھٹی پھٹی آنکھوں سے نروپا کو دیکھ رہا تھا جو قہر کی کالی دیوی بنی اُس کی گن اٹھائے اُس کے سامنے کھڑی تھی.....نعمان حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میرے جیتے جی یہ کیسے ممکن تھا نعمان.....''

اُس نے ایک فقرے میں ہی نعمان تک اپنی دلی کیفیت پہنچا دی تھی۔

''نروپا.....تم.....تم نروپا.....''

نعمان کو ڈھنگ کے الفاظ بھی نہیں سوجھ رہے تھے۔

''ہاں نعمان! میں نے یہ بات نہیں بھلائی تھی کہ یہ موذی ہمارا تعاقب کر سکتا ہے۔ جس لانچنگ پیڈ کو تم استعمال کرنے والے ہو اس کا علم یہاں میرے سوا صرف اسے تھا''.....اُس نے نفرت سے اشیش کمار کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ ''میری خواہش تھی نعمان کہ اشیش کمار یہاں ضرور آئے۔ آخر مجھے بھی تو اپنے پاپ (گناہ) کا پراشچت (کفارہ) کرنا ہے ناں!''

اُس نے قہر آلود نظروں سے اشیش کمار کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر موت کی زردی اترنے لگی تھی۔

''نروپا پاگل مت بنو.....پراشچت کرنا چاہتی ہو تو اسے مار ڈالو.....میں وچن دیتا

ہوں کہ تمہیں معافی دلا دوں گا.....تمہاری سروس واپس مل جائے گی'' اشیش کمار نے چاہا کہ اٹھ کر کھڑا ہو جائے۔

لیکن.....نعمان کی گھومتی ہوئی ٹانگ اُس کی پسلیوں پر لگی اور اُسے اپنی پسلیاں ٹوٹنے کا احساس ہوا۔

''نعمان پلیز.....یہ میرا شکار ہے.....بہت رُلایا ہے اس نے مجھے.....میری ماں کی جان لے لی اس موذی نے.....''

نروپا نے نعمان کی طرف ملتجی نظروں سے دیکھا اور گن اُس کی طرف بڑھا دی۔

حیرت سے نعمان نے گن تھامی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پائے نروپا نے آکٹوپس کی طرح زمین پر گرے اشیش کمار کی گردن کے گرد شکنجہ لگایا۔ گردن کا منکا ٹوٹنے کی آواز نعمان کے حساس کانوں نے سنی اور وہ سہم گیا۔

اشیش کمار کو آواز نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔

''جاؤ نعمان.....یہ اکیلا نہیں.....کوئی اور بھی ہوگا یہاں.....میں سنبھال لوں گی انہیں.....جاؤ پلیز تم جاؤ نعمان.....''

نعمان نے اپنے ہاتھ میں پکڑی گن زمین پر پھینکی اور بے اختیار نروپا کی طرف بڑھا.....نروپا کی آنکھوں سے آنسو نکل کر نعمان کی گردن پر گر رہے تھے۔ ایک آخری اور بھرپور ملاپ کے بعد وہ نروپا سے الگ ہو گیا۔

نروپا نے آنسوؤں سے بھری مسکراہٹ اُس کی طرف اچھالی تو نعمان کو اپنا کلیجہ کٹنے کا احساس ہوا۔ پھر وہ تیزی سے واپس مڑ گئی۔ اندھیرے میں وہ دور تک اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ گن اُس نے مردہ اشیش کمار کے پہلو میں لٹا دی اور چند منٹ بعد وہ محفوظ سرزمین پر پہنچ چکا تھا۔

جنوری 2004ء

لاہور